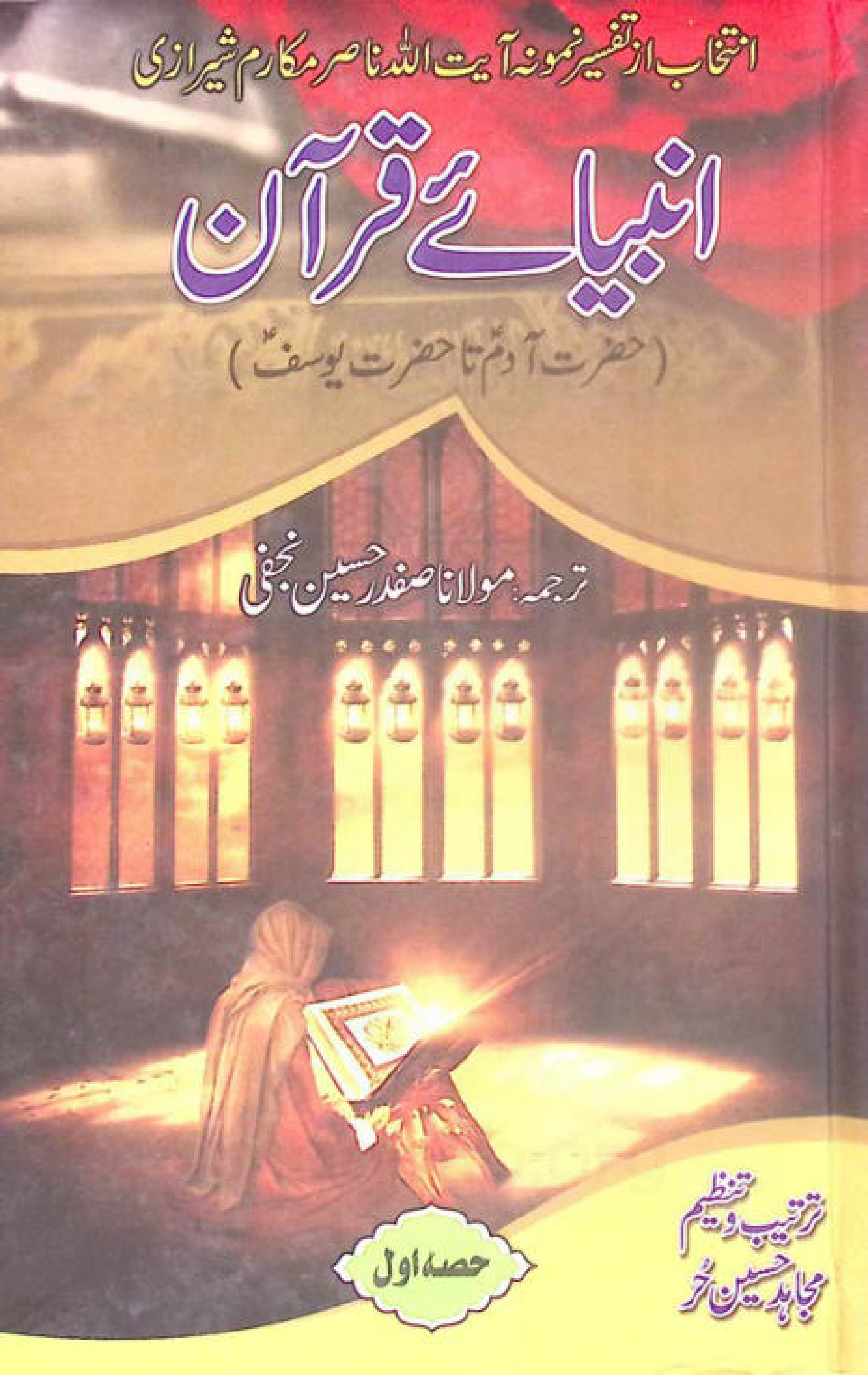


انتخاب از تفسیر نمونہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

انبیائے قرآن

(حضرت آدمؑ تا حضرت یوسفؑ)

ترجمہ: مولانا صفدر حسین نجفی

حصہ اول

ترتیب و تنظیم
مجاہد حسین حُر

انبیائے قرآن

(از آدم تا یوسف علیہم السلام)

استفادہ از تفسیر نمونہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ الوارف
ترجمہ شدہ محسن ملت حجۃ الاسلام والمسلمین سید صفدر حسین نجفی نور اللہ مرقدہ

ترتیب و تنظیم

مجاہد حسین حر

ناشر

معراج کمپنی لاہور

We Publish Your Needs

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37361214-03214971214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

نام کتاب .... انبیائے قرآن (از آدم تا یوسف علیہم السلام)
ترتیب و تنظیم .... مجاہد حسین حر
پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری
کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس فیز ۴
ناشر .... معراج کمپنی لاہور
ہدیہ ....

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

انتساب

خدا کے نمائندوں کی پیروی کرنے والوں کے نام

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پاکؑ پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

ہر زمانے کے لوگوں کے لئے نمونہ عمل ان کے زمانے اور اس سے پہلے کے انبیاء کرام رہے ہیں ہر زمانے میں لوگوں کی مشکلات تقریباً ایک جیسی ہی رہی ہیں صرف کرداروں کے نام بدلے ہیں اس زمانے کے انسانوں کے لئے بھی چودہ سو سال پہلے خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب میں اپنے انبیا کے قصے بیان کئے ہیں تا کہ لوگوں کو اپنی راہ کے متعین کرنے میں خداوند قدوس کے نیک لوگوں کا طریقہ کار معلوم ہو سکے اور وہ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارے نے "انبیائے قرآن (از آدم تا یوسفؑ)" کے نام سے یہ کتاب نذر قارئین کی ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ کتاب آپ کو پسند آئے گی۔

ادارہ

فہرست کتاب

حضرت آدم علیہ السلام

خدا کی خواہش یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسا موجود خلق فرمائے جو اس کا نمائندہ ہو، اس کی صفات، صفات خداوندی کا پرتو ہوں اور اس کا مرتبہ و مقام فرشتوں سے بالاتر ہو، خدا کی خواہش اور ارادہ یہ تھا کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں، تمام قوتیں، سب خزانے، تمام کانیں اور سارے وسائل بھی اس کے سپرد کر دیئے جائیں، ضروری ہے کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں عقل و شعور، ادراک کے وافر حصے اور خصوصی استعداد کا حامل ہو جس کی بناء پر موجودات ارضی کی رہبری اور پیشوائی کا منصب سنبھال سکے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے: "یاد کریں اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر جانشین مقرر کرنے والا ہوں۔ [1]

بہر حال خدا چاہتا تھا کہ ایسے وجود کو پیدا کرے جو عالم وجود کا گلدستہ ہو اور خلافت الٰہی کے مقام کی اہلیت رکھتا ہو اور زمین پر اللہ کا نمائندہ ہو مربوط آیات کی تفسیر میں ایک حدیث جو امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرشتے مقام آدم پہچاننے کے بعد سمجھ گئے کہ آدم اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہیں کہ وہ زمین میں خلفاء الٰہی ہوں اور مخلوق پر اس کی حجت ہوں۔

[1] سورہ بقرہ آیت 30

فرشتوں کا سوال

فرشتوں نے حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ کہ اعتراض کی غرض سے عرض کیا: "کیا زمین میں اسے جانشین قرار دے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جب کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح و حمد کرتے ہیں اور جس چیز کی تیری ذات لائق نہیں اس سے تجھے پاک سمجھتے ہیں۔ [1]

مگر یہاں پر خدا نے انہیں سربستہ و مجمل جواب دیا جس کی وضاحت بعد کے مراحل میں آشکار ہو فرمایا: "میں ایسی چیزوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔ [2]

فرشتوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ انسان سربراہی نہیں بلکہ فساد کرے گا، خون بہائے گا اور خرابیاں کرے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کس طرح سمجھے تھے۔

بعض کہتے ہیں خدا نے انسان کے آئندہ حالات بطور اجمال انہیں بتائے تھے جب کہ بعض کا احتمال ہے کہ ملائکہ خود اس مطلب کو لفظ "فی الارض" (زمین میں) سے سمجھ گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے انسان مٹی سے پیدا ہوگا اور مادہ اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعاً مرکز نزاع وتزاحم ہے کیونکہ محدود مادی زمانہ انسانوں کی اس طبیعت کو سیر و سیراب نہیں کر سکتا جو زیادہ کی طلب رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر ساری دنیا بھی ایک فرد کو دے دی جائے تو ممکن ہے وہ پھر بھی سیر نہ ہو اگر کافی احساس ذمہ داری نہ ہو تو یہ کیفیت فساد اور خونریزی کا سبب بنتی ہے۔

بعض دوسرے مفسرین معتقد ہیں کہ فرشتوں کی پیشین گوئی اس وجہ سے تھی کہ آدم روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں تھے بلکہ اس سے قبل بھی دیگر مخلوقات تھیں؛ جنہوں نے

[1] سورہ بقرہ آیت 30

[2] سورہ بقرہ آیت 30

نزاع، جھگڑا اور خونریزی کی تھی۔ ان سے پہلے مخلوقات کی بری فائل نسل آدم کے بارے میں فرشتوں کی بدگمانی کا باعث بنی۔

یہ تین تفاسیر ایک دوسرے سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں رکھتیں یعنی ممکن ہے یہ تمام امور فرشتوں کی اس توجہ کا سبب بنا ہو اور دراصل یہ ایک حقیقت بھی تھی جسے انہوں نے بیان کیا تھا یہی وجہ ہے کہ خدا نے جواب میں کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ ایسی مزید حقیقتیں انسان اور اس کے مقام کے بارے میں موجود ہیں جن سے فرشتے آگاہ نہیں تھے۔

فرشتے سمجھتے تھے اگر مقصد عبودیت اور بندگی ہے تو ہم اس کے مصداق کامل ہیں، ہمیشہ عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں لہٰذا سب سے زیادہ ہم خلافت کے لائق ہیں لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ ان کے وجود میں شہوت وغضب اور قسم قسم کی خواہشات موجود نہیں جب کہ انسان کو میلانات وشہوات نے گھیر رکھا ہے اور شیطان ہر طرف سے اسے وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے لہٰذا ان کی عبادت انسان کی عبادت سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہے کہاں اطاعت اور فرمانبرداری ایک طوفان زدہ کی اور کہاں عبادت ان ساحل نشینوں کی جو مطمئن، خالی ہاتھ اور سبک بار ہیں۔

انہیں کب معلوم تھا کہ اس آدم کی نسل سے محمدؐ، ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام جیسے معصوم اور ایسے صالح بندے اور جانباز شہید مرد اور عورتیں عرصہ وجود میں قدم رکھیں گے جو پروانہ وار اپنے آپ کو راہ خدا میں پیش کریں گے ایسے افراد جن کے غور وفکر کی ایک گھڑی فرشتوں کی سالہا سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتوں نے اپنی صفات کے بارے میں تین چیزوں کا سہارا لیا تسبیح، حمد اور تقدیس، درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر ہدف اور غرض، اطاعت اور بندگی ہے تو ہم فرمانبردار ہیں اور اگر عبادت ہے تو ہم ہر وقت اس میں مشغول رہتے ہیں اور اگر اپنے آپ کو پاک رکھنا یا صفحہ ارضی کو پاک رکھنا ہے تو ہم ایسا کریں گے جب کہ یہ مادی انسان خود بھی فاسد ہے اور روئے زمین کو بھی فاسد کردے گا۔

حقائق کو تفصیل سے ان کے سامنے واضح کرنے کے لئے خداوند عالم نے ان کی آزمائش کے لئے اقدام کیا تاکہ وہ خود اعتراف کریں کہ:

"ان کے اور اولاد آدم کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے"

فرشتے امتحان کے سانچے میں

پروردگار کے لطف و کرم سے آدم حقائق عالم کے ادراک کی کافی استعداد رکھتے تھے خدا نے ان کی اس استعداد کو فعلیت کے درجے تک پہنچایا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق آدم کو تمام اسماء (عالم وجود کے حقائق و اسرار) کی تعلیم دی گئی۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے اس آیت **(وعلم آدم الاسماء کلها)** کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

الارضین والجبال والشعاب والا ودیه ثمه نظر الی بساط تحته فقال وهزا ابساط مما علمه.

اسماء سے مراد زمینیں، پہاڑ، دریا، اور وادیاں (غرض یہ کہ تمام موجودات) تھے، اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس فرش کی طرف نگاہ کی جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا اور فرمایا یہاں تک کہ یہ فرش بھی ان امور میں سے ہے کہ خدا نے جن کی آدم کو تعلیم دی۔

لہذا معلوم یہ ہوا کہ علم لغت کے مشابہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق فلسفہ، اور اسرار اور کیفیات

[1] سورہ بقرہ آیت 31

مفسرین نے اگرچہ "علم اسماء" کی تفسیر میں قسم قسم کے بیانات دیئے ہیں لیکن مسلم ہے کہ آدم کو کلمات و اسماء کی تعلیم بغیر معنی کے نہیں دی تھی کیونکہ یہ کوئی قابل فخر بات نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان اسماء کے معانی و مفاہیم اور جن چیزوں کے وہ نام تھے ان سب کی تعلیم ہے البتہ جہان خلقت اور عالم ہستی کے مختلف موجودات کے اسماء خواص سے مربوط علوم سے باخبر و آگاہ کیا جانا حضرت آدم کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا"۔

وخواص کے ساتھ تھا، خداوند عالم نے آدم کو اس علم کی تعلیم دی تا کہ وہ اپنی سیر تکامل میں اس جہان کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں اسی طرح مختلف چیزوں کے نام رکھنے کی استعداد بھی انہیں دی تا کہ وہ چیزوں کے نام رکھ سکیں اور ضرورت کے وقت ان کا نام لے کر انہیں بلا سکیں یا منگوا سکیں اور یہ ضروری نہ ہو کہ اس کے لئے ویسی چیز دکھائی پڑے، یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اس موضوع کی اہمیت ہم اس وقت سمجھتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس اس وقت جو کچھ ہے کتاب اور لکھنے کی وجہ سے ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کے سب علمی ذخائر ان کی تحریروں میں جمع ہیں اور یہ سب کچھ چیزوں کے نام رکھنے اور ان کے خواص کی وجہ سے ہے ورنہ کبھی بھی ممکن نہ تھا کہ ہم گذشتہ لوگوں کے علوم آنے والوں تک منتقل کر سکتے۔

پھر خداوند عالم نے فرشتوں سے فرمایا: ''اگر سچ کہتے ہو تو ان اشیاء اور موجودات کے نام بتاؤ جنہیں دیکھ رہے ہو اور ان کے اسرار و کیفیات کو بیان کرو، لیکن فرشتے جو اتنا علم نہ رکھتے تھے اس امتحان میں پیچھے رہ گئے لہٰذا جواب میں کہنے لگے خداوندا: ''تو منزہ ہے، تو نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ہمیں نہیں معلوم تو خود ہی علیم و حکیم ہے۔ [1]

اگر ہم نے اس سلسلے میں سوال کیا ہے تو یہ ہماری ناآگاہی کی بناء پر تھا اور آدم کی اس عجیب استعداد اور قدرت سے بے خبر تھے جو ہمارے مقابلے میں اس کا بہت بڑا امتیاز ہے، بے شک وہ تیری خلافت و جانشینی کی اہلیت رکھتا ہے جہان ہستی کی سرزمین اس کے وجود کے بغیر ناقص تھی۔

اب آدم علیہ السلام کی باری آئی کہ وہ ملائکہ کے سامنے موجودات کا نام لیں اور ان کے اسرار بیان کریں خداوند عالم نے فرمایا: ''اے آدم: فرشتوں کو ان موجودات کے ناموں اور کاموں سے آگاہ کرو، جب آدم نے انہیں ان اسماء سے آگاہ کیا تو خداوند عالم نے فرمایا: کیا میں

---

[1] سورہ بقرہ آیت 31

نے تمھیں بتایا نہیں تھا کہ میں آسمان وزمین کے غیب سے واقف ہوں اور تم جو کچھ ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو سب سے باخبر ہوں" [1]

اس مقام پر ملائکہ نے اس انسان کی وسیع معلومات اور فراواں حکمت ودانائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ان پر واضح ہو گیا کہ صرف یہی زمین پر خلافت کی اہلیت رکھتا ہے۔

آدم علیہ السلام جنت میں

گذشتہ بحثیں جو انسان کے مقام وعظمت کے بارے میں تھیں ان کے ساتھ قرآن نے ایک اور فصل بیان کی ہے، پہلے کہتا ہے: "یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے لیے سجدہ وخضوع کرو، ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور اسی تکبر ونافرمانی کی وجہ سے کافروں میں داخل ہو گیا"۔ [2]

بہر حال مربوط آیت انسانی شرافت اور اس کی عظمت ومقام کی زندہ اور واضح دلیل ہے کہ اس کی تکمیل خلقت کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ اس عظیم مخلوق کے سامنے سر تسلیم خم کر دو، واقعاً وہ شخص جو مقام خلافت الٰہی اور زمین پر خدا کی نمائندگی کا منصب حاصل کرے، تمام تر تکامل وکمال پر فائز ہو اور بلند مرتبہ فرزندوں کی پرورش کا ذمہ دار ہو جن میں انبیاء اور خصوصاً پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین شامل ہوں، ایسا انسان ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔

ابلیس نے مخالفت کیوں کی

ہم جانتے ہیں کہ لفظ "شیطان" اسم جنس ہے جس میں پہلا شیطان اور دیگر تمام شیطان

---

[1] سورہ بقرہ آیت 33

[2] سورہ بقرہ آیت 34

شامل ہیں لیکن ابلیس مخصوص نام ہے، اور یہ اسی شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے حضرت آدم کو ورغلایا تھا وہ صریح آیات قرآن کے مطابق ملائکہ کی نوع سے نہیں تھا صرف ان کی صفوں میں رہتا تھا وہ گروہ جن میں سے تھا جو ایک مادی مخلوق ہے۔ [1]

اس مخالفت کا سبب کبر و غرور اور خاص تعصب تھا جو اس کی فکر پر مسلط تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں لہٰذا آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا جانا چاہئے بلکہ آدم کو سجدہ کرنا چاہئے اور اسے مسجود ہونا چاہئے۔

خدا نے ''ابلیس'' کی سرکشی اور طغیانی کی وجہ اس کا مواخذہ کیا اور کہا: اس بات کا کیا سبب ہے کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور میرے فرمان کو نظر انداز کر دیا ہے؟ [2]

اس نے جواب میں ایک نادرست بہانے کا سہارا لیا اور کہا: ''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو آب و گل سے۔ [3]

گویا اسے خیال تھا کہ آگ، خاک سے بہتر و افضل ہے، یہ ابلیس کی ایک بڑی غلط فہمی تھی، شاید اسے غلط فہمی بھی نہ تھی بلکہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا تھا۔

لیکن شیطان کی داستان اسی جگہ ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس نے جب یہ دیکھا کہ وہ درگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا ہے اور اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی میں اور اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بجائے شرمندگی اور توبہ کے اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کی طرف پلٹے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرے، اس نے خدا سے صرف اس بات کی درخواست کی کہ: ''خدایا مجھے رہتی دنیا تک کے لئے مہلت عطا فرما دے اور زندگی عطا کر۔ [4]

---

[1] سورہ کہف آیت 50 میں ہے: ''سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا''

[2] سورہ اعراف آیت 12

[3] سورہ اعراف آیت 12

[4] سورہ اعراف آیت 14

اس کی یہ درخواست قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تجھے مہلت دی جاتی ہے'' [1]

اگر چہ قرآن میں اس بات کی صراحت نہیں کی گئی کہ ابلیس کی درخواست کس حد تک منظور ہوئی۔ارشاد ہوا: ''تجھ کو اس روز معین تک کے لیے مہلت دی گئی'' [2]

یعنی اس کی پوری درخواست منظور نہیں ہوئی بلکہ جس مقدار میں خدا نے چاہا اتنی مہلت عطا کی۔

لیکن اس نے جو یہ مہلت حاصل کی وہ اس لئے نہیں تھی کہ اپنی غلطی کا تدارک کرے بلکہ اس نے اس طولانی عمر کے حاصل کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا:

''اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے،تو میں بھی تیرے سیدھے راستے پر تاک لگا کر بیٹھوں گا (مورچہ بناؤں گا) اور ان (اولاد آدم) کو راستے سے ہٹادوں گا،تا کہ جس طرح میں گمراہ ہوا ہوں اسی طرح وہ بھی گمراہ ہو جائیں'' [3]

مذکورہ بالا تعبیر سے مراد یہ ہو سکتی کہ شیطان ہر طرف سے انسان کا محاصرہ کرے گا اور اسے گمراہ کرنے کے لئے ہر وسیلہ اختیار کرے گا اور یہ تعبیر ہماری روزمرہ کی گفتگو میں بھی ملتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں:

''فلاں شخص چاروں طرف سے قرض میں یا مرض میں گھر گیا ہے۔''

اوپر اور نیچے کا ذکر نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زیادہ تر اور عموماً فعالیت ان چار طرف ہوتی ہے۔

لیکن ایک روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے،اس میں ان ''چاروں جہت'' کی ایک گہری تفسیر ملتی ہے اس میں ایک جگہ پر حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ اعراف آیت 15

[2] سورہ حجر آیت 38

[3] سورہ اعراف آیت 16

"شیطان جو آگے سے آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کو جو انسان کے آگے ہے اس کی نظر میں سبک کر دیتا ہے، اور پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ: شیطان انسان کو مال جمع کرنے اور اولاد کی خاطر بخل کرنے کے لئے ورغلاتا ہے۔ اور "داہنی طرف" سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان کے دل میں شک و شبہ ڈال کر اس کے امور معنوی کو ضائع کر دیتا ہے اور بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان انسان کی نگاہ میں لذات مادی و شہوات دنیوی کو حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔"

اس کے بعد شیطان نے اپنی بات کی مزید تائید و تاکید کے لئے یوں کہا: "میں نہ صرف یہ کہ ان کے راستہ پر اپنا مورچہ قائم کروں گا بلکہ ان کے سامنے سے، پیچھے سے، داھنی جانب سے، بائیں جانب سے گویا

چاروں طرف سے ان کے پاس آؤں گا جس کے نتیجہ میں تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا" [1]

شروع میں اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا، اسی لئے اس کے خروج کا حکم صادر ہوا، اس کے بعد اس نے ایک اور بڑا گناہ یہ کیا کہ خدا کے سامنے بنی آدم کو بہکانے کا عہد کیا اور ایسی بات کہی گویا وہ خدا کو دھمکی دے رہا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا خدا نے اس سے فرمایا: اس مقام سے بدترین ننگ و عار کے ساتھ نکل جا اور ذلت و خواری کے ساتھ نیچے اتر جا۔

اور فرمایا: "میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ جو بھی تیری پیروی کرے گا میں جہنم کو تجھ سے اور اس سے بھر دوں گا" [2]

---

[1] سورہ اعراف آیت 16

[2] سورہ اعراف آیت 18

بہشت میں قیام

بہر حال اس واقعہ اور فرشتوں کے امتحان کے بعد آدم اور حوا کو حکم دیا گیا کہ وہ بہشت میں سکونت اختیار کریں چنانچہ قرآن کہتا ہے: ''ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور اس کی فراواں نعمتوں میں سے جو چاہو کھاؤ لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''[1]

سجدہ خدا کے لئے تھا یا آدمؑ کے لئے

سجدہ خدا کیلئے تھا یا آدم کیلئے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''سجدہ'' جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معنی یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، لہٰذا اس میں شک وشبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدہ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا، لیکن اس عجیب وغریب مخلوق کی وجہ سے یا یہ کہ سجدہ آدم کے لئے تھا لیکن وہ خضوع وتعظیم کا سجدہ تھا نہ کہ عبادت و پرستش کا۔

کتاب عیون الاخبار میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے اسی طرح کی روایت ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''فرشتوں کا سجدہ ایک طرف سے خدا کی عبادت تھی اور دوسری طرف آدم کا اکرام واحترام کیونکہ ہم صلب آدم میں موجود تھے''۔

آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم زندگی گزارنے کے لئے اسی عام زمین پر پیدا ہوئے تھے لیکن ابتداء میں خداوند عالم نے انہیں بہشت میں سکونت دی جو اسی جہان کا ایک سرسبز وشاداب اور نعمتوں سے مالا مال باغ تھا وہ ایسی جگہ تھی جہاں آدم نے کسی قسم کی تکلیف نہیں

---

[1] سورہ بقرہ آیت 35

دیکھی شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آدم زمین پر زندگی گزارنے سے آشنائی نہ رکھتے تھے اور بغیر کسی تمہید کے زحمات و تکلیف اٹھانا ان کے لئے مشکل تھا اور زمین میں زندگی گزارنے کے لئے یہاں کے کردار و رفتار کی کیفیت سے آگاہیت ضروری تھی لہٰذا مختصر مدت کے لئے بہشت کے اندر ضروری تعلیمات حاصل کرلیں کیونکہ زمین کی زندگی پروگراموں، تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے معمور ہے جس کا انجام صحیح سعادت، تکامل اور بقائے نعمت کا سبب ہے اور ان سے روگردانی کرنا رنج و مصیبت کا باعث ہے۔

اور یہ بھی جان لیں کہ اگر چہ انہیں چاہیے کہ زمین کی کچھ چیزوں سے چشم پوشی کریں نیز یہ جان لینا بھی ضروری تھا کہ اگر خطا و لغزش دامن گیر ہو تو ایسا نہیں کہ سعادت و خوش بختی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے بلکہ انہیں پلٹ کر دوبارہ عہد و پیمان کرنا چاہیے کہ وہ حکم خدا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیں گے تاکہ دوبارہ نعمات الٰہی سے مستفید ہو سکیں، یہ بھی تھا کہ وہ اس ماحول میں رہ کر کچھ پختہ ہو جائیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان لیں اور زمین میں زندگی گزارنے کی کیفیت سے آشنا ہو جائیں یقیناً یہ سلسلۂ تعلیمات ضروری تھا تاکہ وہ اسے یاد رکھیں اور اس تیاری کے ساتھ روئے زمین پر قدم رکھیں۔

یہ ایسے مطالب تھے کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد آئندہ زندگی میں ان کی محتاج تھی لہٰذا اس کے باوجود کہ آدمؑ زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ایک مدت تک بہشت میں قیام کرتے ہیں اور انہیں کئی ایک حکم دیئے جاتے ہیں جو شاید سب تمرین و تعلیم کے پہلو سے تھا۔

شیطان کا وسوسہ

اس مقام پر آدم نے اس فرمان الٰہی کو دیکھا جس میں آپ کو ایک درخت کے بارے میں منع کیا گیا تھا ادھر شیطان نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ آدم اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہ آئے

گا وہ وسوسے پیدا کرنے میں مشغول ہو گیا جیسا کہ باقی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے اس نے آدم کو اطمینان دلایا کہ اگر اس درخت سے چکھ لیں تو وہ اور ان کی بیوی فرشتے بن جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے یہاں تک کہ اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ [۱]

اس طرح اس نے فرمان خدا کو ان کی نظر میں ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا اور انہیں یہ تصور دلانے کی کوشش کی کہ اس "شجرہ ممنوعہ" سے کھا لینا نہ صرف یہ کہ ضرر رساں نہیں بلکہ عمر جاوداں یا ملائکہ کا مقام و مرتبہ پالینے کا موجب ہے۔ اس بات کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے شیطان کی زبانی وارد ہوا ہے: اے آدم: "کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں زندگانی جاودانی اور ایسی سلطنت کی رہنمائی کروں جو کہنہ نہ ہوگی؟" [۲]

ایک روایت جو "تفسیر قمی" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور "عیون اخبار الرضا" میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے مروی ہے: میں وارد ہوا ہے:

"شیطان نے آدم سے کہا کہ اگر تم نے اس شجرہ ممنوعہ سے کھا لیا تو تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے، اور پھر ہمیشہ کے لئے بہشت میں رہو گے، ورنہ تمہیں بہشت سے باہر نکال دیا جائے گا"

آدم نے جب یہ سنا تو فکر میں ڈوب گئے لیکن شیطان نے اپنا حربہ مزید کارگر کرنے کے لئے سخت قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ [۳]

حضرت آدم علیہ السلام کو آب حیات کی تمنا

آدم، جنہیں زندگی کا ابھی کافی تجربہ نہ تھا، نہ ہی وہ ابھی تک شیطان کے دھوکے،

---

[۱] سورۂ اعراف آیت 20

[۲] سورۂ طٰہٰ آیت 120

[۳] سورہ اعراف آیت 21

جھوٹ اور نیرنگ میں گرفتار ہوئے تھے، انہیں یہ یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی اتنی بڑی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اور اس طرح کے جال، دوسرے کو گرفتار کرنے کے لئے پھیلا سکتا ہے، آخر کار وہ شیطان کے فریب میں آگئے اور آب حیات وسلطنت جاودانی حاصل کرنے کے شوق میں مکر ابلیس کی بوسیدہ رسی کو پکڑ کے اس کے وسوسہ کے کنویں میں اتر گئے رسی ٹوٹ گئی اور انہیں نہ صرف آب حیات ہاتھ نہ آیا بلکہ خدا کی نافرمانی کے گرداب میں گرفتار ہو گئے ان تمام مطالب کو قرآن کریم نے اپنے ایک جملے میں خلاصہ کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے: "اس طرح سے شیطان نے انہیں دھوکا دیا اور اس نے اپنی رسی سے انہیں کنویں میں اتار دیا"۔[1]

آدم کو چاہئے تھا کہ شیطان کے سابقہ دشمنی اور خدا کی وسیع حکمت ورحمت کے علم کی بنا پر اس کے جال کو پارہ پارہ کر دیتے اور اس کے کہنے میں نہ آتے لیکن جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہو گیا۔

"بس جیسے ہی آدم وحوا نے اس ممنوعہ درخت سے چکھا، فوراً ہی ان کے کپڑے ان کے بدن سے نیچے گر گئے اور ان کے اندام ظاہر ہو گئے"۔

مذکورہ بالا جملے سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت ممنوع سے چکھنے کے ساتھ ہی فوراً اس کا برا اثر ظاہر ہو گیا اور وہ اپنے بہشتی لباس سے جو فی الحقیقت خدا کی کرامت واحترام کا لباس تھا، محروم ہو کر برہنہ ہو گئے۔

اس جملہ سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آدم وحوا یہ مخالفت کرنے سے پہلے برہنہ نہ تھے بلکہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اگرچہ قرآن میں ان کپڑوں کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی لیکن جو کچھ بھی تھا وہ آدم وحوا کے وقار کے مطابق اور ان کے احترام کے لئے تھا، جو ان کی نافرمانی کے باعث ان سے واپس لے لیا گیا۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 22

لیکن خود ساختہ توریت میں اس طرح سے ہے کہ آدم وحوا اس موقع پر بالکل برہنہ تھے لیکن اس برہنگی کی زشتی کو نہیں سمجھتے تھے، لیکن جس وقت انہوں نے اس درخت سے کھایا جو درحقیقت "علم ودانش" کا درخت تھا تو ان کی عقل کی آنکھیں کھل گئیں اور اب وہ اپنے کو برہنہ محسوس کرنے لگے اور اس حالت کی زشتی سے آگاہ ہو گئے۔

جس "آدم" کا حال اس خود ساختہ توریت میں بیان کیا گیا ہے، وہ فی الحقیقت آدم واقعی نہ تھا بلکہ وہ تو کوئی ایسا نادان شخص تھا جو علم ودانش سے اس قدر دور تھا کہ اسے اپنے ننگا ہونے کا بھی احساس نہ تھا لیکن جس "آدم" کا تعارف قرآن کراتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اپنی حالت سے باخبر تھا بلکہ اسرار آفرینش (علم اسما) سے بھی آگاہ تھا اور اس کا شمار معلم ملکوت میں ہوتا تھا، اگر شیطان اس پر اثر انداز بھی ہوا تو یہ اس کی نادانی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس نے ان کی پاکی اور صفائے نیت سے سوئے استفادہ کیا۔

اس بات کی تائید کلام الٰہی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: "اے اولاد آدم: کہیں شیطان تمہیں اس طرح فریب نہ دے جس طرح تمہارے والدین (آدم وحوا) کو دھوکا دے کر بہشت سے باہر نکال دیا اور ان کا لباس ان سے جدا کر دیا"۔ [1]

اگرچہ بعض مفسرین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ آغاز میں حضرت آدم علیہ السلام برہنہ تھے تو واقعاً یہ ایک واضح اشتباہ ہے جو توریت کی تحریر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

بہرحال اس کے بعد قرآن کہتا ہے: "جس وقت آدم وحوا نے یہ دیکھا تو فوراً بہشت کے درختوں کے پتوں سے اپنی شرم گاہ چھپانے لگے"۔

اس موقع پر خدا کی طرف سے یہ ندا آئی: "کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم نے کس لئے میرے

[1] سورہ اعراف آیت 27

حکم کو بھلا دیا اور اس پست گرداب میں گھر گئے؟"[1]

شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟

قرآن کریم میں بلا تفصیل اور بغیر نام کے چھ مقام پر "شجرہ ممنوعہ" کا ذکر ہوا ہے لیکن کتب اسلامی میں اس کی تفسیر دو قسم کی ملتی ہے ایک تو اس کی تفسیر مادی ہے جو حسب روایات "گندم" ہے۔

اس بات کی طرف توجہ رہنا چاہئے کہ عرب لفظ "شجرہ" کا اطلاق صرف درخت پر نہیں کرتے بلکہ مختلف نباتات کو بھی "شجرہ" کہتے ہیں چاہے وہ جھاڑی کی شکل میں ہوں یا بیل کی صورت میں۔

دوسری تفسیر معنوی ہے جس کی تعبیر روایات اہل بیت علیہم السلام میں "شجرہ حسد" سے کی گئی ہے ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ آدم نے جب اپنا بلند ودرجہ دیکھا تو یہ تصور کیا کہ ان کا مقام بہت بلند ہے ان سے بلند کوئی مخلوق اللہ نے نہیں پیدا کی اس پر اللہ نے انہیں بتلایا کہ ان کی اولاد میں کچھ ایسے اولیاء الہی (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام) بھی ہیں جن کا درجہ ان سے بھی بلند وبالا ہے اس وقت آدم میں ایک حالت حسد سے مشابہ پیدا ہوئی اور یہی وہ "شجرہ ممنوعہ" تھا جس کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ آدم نے (ان روایات کی بنا پر) دو درختوں سے تناول کیا ایک درخت تو وہ تھا

جو ان کے مقام سے نیچے تھا، اور انہیں مادی دنیا میں لے جاتا تھا اور وہ "گندم" کا پودا تھا دوسرا درخت معنوی تھا، جو مخصوص اولیائے الہی کا درجہ تھا در یہ آدم کے مقام و مرتبہ سے بالاتر

---

[1] سورہ اعراف آیت 22

تھا آدم نے دونوں پہلوؤں سے اپنی حد سے تجاوز کیا اس لئے انجام میں گرفتار ہوئے۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رہے کہ یہ "حسد" حسد حرام کی قسم سے نہ تھا یہ صرف ایک نفسانی احساس تھا جبکہ انہوں نے اس طرف قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا تھا جیسا کہ ہم نے بارہا کہا ہے کہ آیات قرآنی چونکہ متعدد معانی رکھتی ہیں لہٰذا اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ "شجرہ" سے دونوں معنی مراد لے لئے جائیں۔

اتفاقاً کلمہ "شجرہ" قرآن میں دونوں معنی میں آیا ہے، کبھی تو انہی عام درختوں [1] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور کبھی شجرہ معنوی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ [2]

لیکن یہاں پر ایک نکتہ ہے جس کی طرف توجہ دلانا مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودہ خودساختہ توریت میں، جو اس وقت کے تمام یہود ونصاری کی قبول شدہ ہے اس شجرہ ممنوعہ کی تفسیر "شجرہ علم ودانش اور شجرہ حیات وزندگی" کی گئی ہے توریت کہتی ہے:

"قبل اس کے آدم شجرہ علم ودانش سے تناول کریں، وہ علم ودانش سے بے بہرہ تھے حتیٰ کہ انہیں اپنی برہنگی کا بھی احساس نہ تھا جب انہوں نے اس درخت سے کھایا اس وقت وہ واقعی آدم بنے اور بہشت سے نکال دیئے گئے کہ مبادا درخت حیات وزندگی سے بھی کھالیں اور خداؤں کی طرح حیات جاویدانی حاصل کرلیں۔" [3]

یہ عبارت اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ موجودہ توریت آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ کسی ایسے کم اطلاع انسان کی خودساختہ ہے جو علم ودانش کو آدم کے لئے معیوب سمجھتا ہے، اور آدم کو علم ودانش حاصل کرنے کے جرم میں خدا کی بہشت سے نکالے جانے کا مستحق سمجھتا تھا، گویا

[1] جیسے (وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ) جس سے مراد زیتون کا درخت ہے۔
[2] جیسے: (وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ) جس سے مراد مشرکین یا یہودی یا دوسری باغی قومیں (جیسے بنی امیہ) ہیں
[3] سفر تکوین فصل دوم نمبر 17

بہشت فہمیدہ انسان کے لئے نہیں ہے۔ [1]

جنت سے اخراج

قرآن داستان حضرت آدم علیہ السلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے، بالآخر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا اور جس بہشت میں وہ رہتے تھے اس سے باہر نکال دیا۔ [2]

اس بہشت سے جو اطمینان و آسائش کا مرکز تھی، اور رنج وغم سے دور تھی شیطان کے دھوکے میں آکر نکالے گئے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ زمین پر اترو، جہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے (آدم وحوا ایک طرف اور شیطان دوسری طرف)''

---

[1] قابل توجہ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ولیم میلر (جسے عہدین خصوصاً انجیل کا ایک مقتدر مفسر مانا گیا ہے) اپنی کتاب ''مسیحیت چیست'' (مسیحیت کیا ہے) میں رقمطراز ہے:

''شیطان ایک سانپ کی شکل میں باغ کے اندر داخل ہوا اور اس نے حوا کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اس درخت کے میوہ میں سے کھالیں چنانچہ حوا نے خود بھی کھایا اور آدم کو کھانے کو دیا اور انہوں نے بھی کھایا، ہمارے اولین والدین کا یہ عمل ایک معمولی اشتباہ پر مبنی نہ تھا یا ایک بے سوچی سمجھی خطا بھی نہ تھی بلکہ اپنے خالق کے برخلاف ایک جانا بوجھا عصیان تھا دوسرے لفظوں میں وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ خود ''خدا'' بن جائیں وہ اس بات کے لئے آمادہ نہ تھے کہ خدا کے ارادہ کے مطیع بنیں بلکہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں نتیجہ کیا ہوا؟ خدا نے ان کی شدت سے سرزنش کی اور باغ (فردوس) سے باہر نکال دیا تا کہ درد و رنج سے بھری دنیا میں زندگی بسر کریں۔

توریت وانجیل کے اس مفسر نے درحقیقت یہ چاہا ہے کہ ''شجرہ ممنوعہ'' کی توجیہ کرے، لیکن اس کی بجائے عظیم ترین گناہ یعنی خدا سے جنگ کی نسبت آدم کی طرف دے دی کیا اچھا ہوتا کہ بجائے اس طرح کی کھوکھلی تفسیروں کے کم از کم اپنی ''کتب مقدسہ'' میں تحریف کے قائل ہو جاتے۔

[2] سورہ اعراف آیت 20،21

مزید فرمایا گیا: ''تمہارے لئے ایک مدت معین تک زمین میں قرار گاہ ہے، جہاں سے تم نفع اندوز ہو سکتے ہو'' [1]

یہ وہ مقام تھا کہ آدم متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور بہشت کے آرام دہ اور نعمتوں سے مالا مال ماحول سے شیطانی وسوسے کے سامنے سر جھکانے کے نتیجے میں باہر نکالے جا رہے ہیں اور اب زحمت و مشقت کے ماحول میں جا کر رہیں گے یہ صحیح ہے، کہ آدم نبی تھے اور گناہ سے معصوم تھے لیکن جیسا کہ ہم آئندہ چل کر بیان کریں گے کہ کسی پیغمبر سے جب ترک اولیٰ سرزد ہو جاتا ہے تو خداوند عالم اس سے اس طرح سخت گیری کرتا ہے جیسے کسی عام انسان سے گناہ سرزد ہونے پر سختی کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے

اس سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی جنت تھی جو نیک اور پاک لوگوں کی وعدہ گاہ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ بہشت نہ تھی بلکہ زمین کے سرسبز علاقوں میں نعمات سے مالا مال ایک روح پرور مقام تھا کیونکہ:

اوّل تو وہ بہشت جس کا وعدہ قیامت کے ساتھ ہے وہ ہمیشگی اور جاودانی نعمت ہے جس کی نشاندہی بہت سی آیات میں کی گئی ہے اور اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔

دوّم یہ کہ غلیظ اور بے ایمان ابلیس کے لئے اس بہشت میں جانے کی کوئی راہ نہ تھی وہاں نہ وسوسہ شیطانی ہے اور نہ خدا کی نافرمانی سوم یہ کہ اہل بیت سے منقول روایات میں یہ موضوع صراحت سے نقل ہوا ہے۔

ایک راوی کہتا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے آدم کی بہشت کے متعلق سوال کیا

---

[1] سورہ بقرہ آیت 36

امام نے جواب میں فرمایا: "دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی پڑتی تھی اگر آخرت کی جنتوں میں سے ہوتی تو کبھی بھی اس سے باہر نہ نکالے جاتے"۔

یہاں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آدم کے ہبوط و نزول سے مراد نزول مقام ہے، نہ کہ نزول مکان یعنی اپنے اس بلند مقام اور سرسبز جنت سے نیچے آئے۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جنت کسی آسمانی کرہ میں تھی اگر چہ وہ ابدی جنت نہ تھی بعض اسلامی روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں تھی لیکن ممکن ہے لفظ "سماء" (آسمان) ان روایات میں مقام بلند کی طرف اشارہ ہو۔

تاہم بے شمار شواہد نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ جنت آخرت والی جنت نہ تھی کیونکہ وہ تو انسان کی سیر تکامل کی آخری منزل ہے اور یہ اس کے سفر کی ابتداء تھی اور اس کے اعمال اور پروگرام کی ابتداء تھی اور وہ جنت اس کے اعمال و پروگرام کا نتیجہ ہے۔

آدم علیہ السلام کی بازگشت خدا کی طرف

وسوسۂ ابلیس اور آدم کے جنت سے نکلنے کے حکم جیسے واقعات کے بعد آدم متوجہ ہوئے کہ واقعاً انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اس اطمینان بخش اور نعمتوں سے مالا مال جنت سے شیطانی فریب کی وجہ سے نکلنا پڑا اور اب زحمت مشقت سے بھری ہوئی زمین میں رہیں گے اس وقت آدم اپنی غلطی کی تلافی کی فکر میں پڑے اور مکمل جان و دل سے پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے ایسی توجہ جو ندامت و حسرت کا ایک پہاڑ ساتھ لئے ہوئے تھی اس وقت خدا کا لطف و کرم بھی ان کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور جیسا کہ قرآن میں خداوند عالم کہتا ہے:

"آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات حاصل کئے جو بہت موثر اور انقلاب خیز

تھے، ان کے ساتھ توبہ کی خدا نے بھی ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ تواب ورحیم ہے''۔ [1]

آدمؑ کا گناہ کیا تھا؟

• واضح ہے کہ آدم اس مقام کے علاوہ جو خدا نے قرآن مجید میں ان کے لئے بیان کیا ہے معرفت وتقویٰ کے لحاظ سے بھی بلند مقام پر فائز تھے وہ زمین میں خدا کے نمائندے تھے وہ فرشتوں کے معلم تھے وہ عظیم ملائکہ الٰہی کے مسجود تھے اور یہ مسلم ہے کہ آدم امتیازات وخصوصیات کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں کر سکتے تھے علاوہ ازیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر معصوم ہوتا ہے لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ کیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں تین تفاسیر موجود ہیں:

1۔ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولیٰ تھا دوسرے لفظوں میں ان کی حیثیت اور نسبت سے وہ گناہ تھا لیکن گناہ مطلق نہ تھا، گناہ مطلق وہ گناہ ہوتا ہے جو کسی سے سرزد ہو اور اس کے لئے سزا معین ہو (مثلاً شرک، کفر، ظلم اور تجاوز وغیرہ) اور نسبت کے اعتبار سے گناہ کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباح اعمال بلکہ مستحب بھی بڑے لوگوں کے مقام کے لحاظ سے مناسب نہیں۔

2۔ خدا کی نہی یہاں ''نہی ارشادی'' ہے جیسے ڈاکٹر کہتا ہے فلاں غذا نہ کھاؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے خدا نے بھی آدم سے فرمایا کہ اگر درخت ممنوعہ سے کچھ کھا لیا تو بہشت سے باہر جانا پڑے گا اور رنج وتکلیف میں مبتلا ہونا پڑے گا، لہٰذا آدم علیہ السلام نے حکم خدا کی مخالفت نہیں کی بلکہ ''نہی ارشادی'' کی مخالفت کی ہے''۔

3۔ جنت بنیادی طور پر جائے تکلیف نہ تھی بلکہ وہ آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے لئے

[1] سورہ بقرہ آیت 37

ایک آزمائش اور تیاری کا زمانہ تھا، اور یہ نہیں صرف آزمائش کا پہلو رکھتی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت آدم نے حقیقت میں کوئی فعل حرام انجام نہیں دیا تھا لیکن یہی ترک اولیٰ ان کے لئے نافرمانی شمار ہوتا ہے، حضرت آدم فوراً اپنی کیفیت وحالت کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے پروردگار کی طرف پلٹے۔

انہیں چاہئے کہ ان اعمال سے گریز کریں اور اہم کام بجالائیں ورنہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ترک اولیٰ کیا ہے۔ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کچھ حصہ حضور قلب سے ہوتا ہے۔ کچھ بغیر اس کے، یہ امر ہمارے مقام کے لئے تو مناسب ہے لیکن حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے شایان شان نہیں ان کی ساری نماز خدا کے حضور میں ہونی چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو کسی فعل حرام کا ارتکاب تو نہیں تاہم ترک اولیٰ ہے۔

بہرحال جو کچھ نہیں ہونا چاہئے تھا یا ہونا چاہئے تھا وہ ہوا اور باوجودیکہ آدم کی توبہ قبول ہوگئی لیکن اس کا اثر وضعی یعنی زمین کی طرف اترنا یہ متغیر نہ ہوا۔

خدا نے جو کلمات آدم علیہ السلام پر القا کئے وہ کیا تھے؟

توبہ کے لئے جو کلمات خدا نے آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائے تھے اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

مشہور ہے کہ وہ جملے یہ تھے: ''ان دونوں نے کہا خدایا ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم زیاں کاروں اور خسارے میں رہنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' [1]

کئی ایک روایات جو طرق اہل بیت علیہم السلام سے منقول ہیں، ان میں ہے کہ کلمات سے

[1] سورہ اعراف آیت 23

مراد خدا کی بہترین مخلوق کے ناموں کی تعلیم تھی یعنی محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام اور آدم نے ان کلمات کے وسیلے سے درگاہ الٰہی سے بخشش چاہی اور خدا نے انہیں بخش دیا۔

یہ تین قسم کی تفاسیر ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت آدم کو ان سب کلمات کی تعلیم دی گئی ہو کہ ان کلمات کی حقیقت اور باطنی گہرائی پر غور کرنے سے آدم میں مکمل طور پر انقلاب روحانی پیدا ہوا اور خدا انہیں اپنے لطف وہدایت سے نوازے۔

آدم علیہ السلام کا ماجرا اور اس جہان پر ایک طائرانہ نظر

اگرچہ بعض ایسے مفسرین نے جو افکار غرب سے بہت زیادہ متاثر ہیں، اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کی داستان کو اول سے لے کر آخر تک تشبیہ، مجاز اور کنایہ کا رنگ دیں اور آج کی اصطلاح میں یوں کہیں کہ یہ ایک سمبولک (SIMBOLIC) تھا لہٰذا انھوں نے اس پوری بحث کو ظاہری مفہوم کے خلاف لیتے ہوئے معنوی کنایہ مراد لیا ہے۔

لیکن اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان آیات کا ظاہر ایک ایسے واقعی اور حقیقی ''قصہ'' پر مشتمل ہے جو ہمارے اولین ماں باپ کے لئے پیش آیا تھا چونکہ اس پوری داستان میں ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جو ظاہری عبارت سے میل نہ کھاتا ہو یا عقل کے خلاف ہو، اس لئے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے ظاہری مفہوم پر یقین نہ کیا جائے یا جو اس کے حقیقی معنی ہیں ان سے پہلو تہی کیا جائے۔

لیکن دراین حال اس حسی و عینی واقعہ میں انسان کی آئندہ زندگی کے متعلق بھی اشارے ہو سکتے ہیں۔

یعنی: انسان کی اس پر جنجال زندگی میں بہت سے ایسے د. تعات پیش آسکتے ہیں جو قصہ آدم علیہ السلام وحوا سلام اللہ علیہا سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک

طرف تو وہ انسان ہے جو قوت، عقل اور ہوا و ہوس سے مرکب ہے، یہ دونوں طاقتیں اسے مختلف جہتوں میں کھینچ رہی ہیں، دوسری طرف کچھ ایسے جھوٹے رہبر ہیں جن کا ماضی شیطان کی طرح جانا پہچانا ہے اور وہ انسان کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ عقل پر پردہ ڈال کر ہوا و ہوس کو اختیار کر لو تا کہ یہ بے چارہ انسان پانی کی امید میں "سراب" کو آب سمجھ کر ریگستانوں میں بھٹک کر اپنی جان گنوا بیٹھے۔

زمین پر سب سے پہلا قتل

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا نام نہیں لیا گیا ہے، نہ اس جگہ اور نہ کسی اور مقام پر، لیکن اسلامی روایات کے مطابق ایک کا نام ہابیل ہے اور دوسرے کا قابیل تھا، موجودہ توریت کے سفر تکوین کے چوتھے باب میں ایک کا نام "قائن" اور دوسرے کا نام "ہابیل" تھا جیسا کہ مفسر معروف "ابوالفتوح رازی" کہتے ہیں کہ ان دونوں ناموں کی مختلف لغت ہیں پہلے کا نام "ہابیل" یا "ہابن" تھا۔ دوسرے کا نام "قابیل" یا "قابین" یا "قابل" یا "قابن" یا "قبن" تھا۔

بہر حال اسلامی روایات کے متن اور توریت میں قابیل کے نام کے بارے میں اختلاف لغت کی طرف بازگشت ہے اور یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔

"قائن" یا "قابیل"؟

تعجب کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم نے اس لفظ کو قرآن پر اعتراض کی بنیاد بنا لیا ہے کہ قرآن نے "قائن" کو "قابیل" کیوں کہا ہے حالانکہ اول تو یہ اختلاف لغت ہے اور لغت میں ناموں کے بارے میں، بہت زیادہ اختلاف ہے مثلاً توریت "ابراہیم" کو "ابراہام" لکھتی ہے قرآن کا [illegible] "ابراہیم" لکھا ہے ثانیاً بنیادی طور پر "ہابیل" کے نام قرآن میں مذکور ہی نہیں یہ

اسماء تو اسلامی روایات میں آئے ہیں۔

ایسے شیطانوں کے بہکانے میں آجانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے جسم سے "لباس تقویٰ" گر جاتا ہے اور اس کے اندرونی عیوب ظاہر و آشکارا ہو جاتے ہیں، دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقام قرب الٰہی سے دور ہو جاتا ہے اور انسان اپنے بلند مقام سے گر جاتا ہے اور سکون و اطمینان کی بہشت سے نکل کر حیات مادی کی مشکلات و آفات کے جنگلوں میں گھر جاتا ہے اس موقع پر بھی عقل کی طاقت اس کی مدد کر سکتی ہے اور اسے اس نقصان کی تلافی کا موقع فراہم کر سکتی ہے اور اسے خدا کی بارگاہ میں دوبارہ بھیج سکتی ہے تا کہ جرأت و صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کرے، ایسا اعتراف جو اس کی زندگی کی تعمیر نو کا ضامن ہو اور اس کی زندگی کا ایک نیا موڑ بن جائے، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب کہ دست رحمت الٰہی بار دیگر اس کی طرف دراز ہوتا ہے تا کہ اسے ہمیشہ کے انحطاط اور تنزل سے نجات دے، اگرچہ اپنے گذشتہ گناہ کا تلخ مزہ اس کے کام و دہن میں باقی رہ جاتا ہے جو اس کا ثر وضعی ہے، لیکن یہ ماجرا، اس کے لئے درس عبرت بن جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے شکست کے تجربہ سے اپنی حیات ثانیہ کی بنیاد مستحکم کر سکتا ہے اور اس کے نقصان و زیاں کے ذریعے سرور آئندہ فراہم کر سکتا ہے۔

یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک کے ہاتھوں دوسرے کے قتل کے بارے میں داستان بیان کی گئی ہے پہلے فرمایا: "اے پیغمبر! انہیں آدم کے دو بیٹوں کا حقیقی قصہ سنا دیجئے"۔ [1]

اس کے بعد واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: "جب ہر ایک نے تقرب پروردگار کے لئے ایک کام انجام دیا تو ایک کا عمل تو قبول کر لیا لیکن دوسرے کا قبول نہ ہوا"۔ [2]

مگر جو کام ان دونوں بھائیوں نے انجام دیا اس تذکرہ کا قرآن میں وجود نہیں ہے

[1] سورہ مائدہ آیت 27

[2] سورہ مائدہ آیت 27

بعض اسلامی روایات اور توریت کے سفر تکوین باب چہارم میں جو کچھ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہابیل کے پاس چونکہ پالتو جانور تھے اس نے ان میں سے ایک بہترین پلا ہوا مینڈھا منتخب کیا، قابیل کسان تھا اس نے گندم کا گھٹیا حصہ یا گھٹیا آٹا اس کے لئے منتخب کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرزندان آدم کو کیسے پتہ چلا کہ ایک کا عمل بارگاہ ایزدی میں قبول ہو گیا ہے اور دوسرے کا عمل رد کر دیا گیا ہے قرآن میں اسکی بھی وضاحت نہیں ہے البتہ بعض اسلامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں اپنی مہیا شدہ چیزیں پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے قبولیت کے اظہار کے طور پر بجلی نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور اسے جلا دیا لیکن دوسری اپنی جگہ پر باقی رہی اور یہ نشانی پہلے سے رائج تھی۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ایک عمل کی قبولیت اور دوسرے کی رد حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتایا گیا اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ ہابیل ایک باصفا، باکردار اور راہ خدا میں سب کچھ کر گذرنے والا شخص تھا جبکہ قابیل تاریک دل، حاسد اور ہٹ دھرم تھا، قرآن نے دونوں بھائیوں کی جو گفتگو بیان کی ہے اس سے ان کی روحانی کیفیت اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے اسی وجہ سے جس کا عمل قبول نہ ہوا تھا " اس نے دوسرے بھائی کو قتل کی دھمکی دی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔" [1]

لیکن دوسرے بھائی نے اسے نصیحت کی اور کہا کہ " اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے تو اس میں میرا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ اعتراض تو تجھ پر ہونا چاہیے کیونکہ تیرے عمل میں تقویٰ شامل نہیں تھا اور خدا تو صرف پرہیزگاروں کا عمل قبول کرتا ہے"۔ [2]

مزید کہا کہ " حتیٰ اگر تم اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناؤ اور میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاؤ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا اور تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، کیونکہ میں تو خدا سے

[1] سورہ مائدہ آیت 27

[2] سورہ مائدہ آیت 27

ڈرتا ہوں اور ایسے گناہ سے ہرگز اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کروں گا۔" [1]

• قرآن میں حضرت آدم کے بیٹوں کا واقعہ، ایک بھائی کا دوسرے کے ہاتھوں قتل اور قتل کے بعد کے حالات بیان کیے گئے ہیں، پہلے فرمایا: "سرکش نفس نے بھائی کے قتل کے لئے اسے پختہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا"۔ [2]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہابیل کا عمل قبول ہو جانے کے بعد قابیل کے دل میں ایک طوفان پیدا ہو گیا ایک طرف دل میں ہر وقت حسد کی آگ بھڑکتی رہتی اور اسے انتقام پر ابھارتی اور دوسری طرف بھائی کا رشتہ، انسانی جذبہ گناہ، ظلم، بے انصافی اور قتل نفس سے ذاتی تنفر اسے اس جرم سے باز رکھنے کی کوشش کرتا، لیکن آخرکار سرکش نفس آہستہ آہستہ روکنے والے عوامل پر غالب آگیا اور اس نے اس کے بیدار وجدان کو مطمئن کر دیا اور اسے جکڑ دیا اور بھائی کو قتل کرنے پر آمادہ کر دیا۔ [3]

ظلم کی پردہ پوشی

قابیل نے جب اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی لاش اس نے صحرا میں ڈال رکھی تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے زیادہ دیر نہ گذری کہ درندے ہابیل کے جسم کی طرف آنے لگے قابیل ضمیر کے شدید دباؤ کا شکار تھا بھائی کے جسم کو بچانے کے لئے وہ لاش کو ایک مدت تک کندھے پر لئے پھرتا رہا کچھ پرندوں نے پھر بھی اسے گھیر رکھا تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ کب اسے زمین پر پھینکتا ہے تا کہ وہ لاش پر جھپٹ پڑیں۔

[1] سورہ مائدہ آیت 28

[2] سورہ مائدہ آیت 30

[3] سورہ مائدہ آیت 30

جیسا کہ قرآن کہتا ہے اس موقع پر خدا تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا، مقصد یہ تھا کہ وہ زمین کھودے اور اس میں دوسرے مردہ کوے کا جسم چھپادے، یا اپنے کھانے کی چیزوں کو زمین میں چھپادے جیسا کہ کوے کی عادت ہے تاکہ قابیل سمجھ سکے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح سپرد خاک کرے۔

البتہ اس بات میں کوئی تعجب نہیں کہ انسان کوئی چیز کسی پرندے سے سیکھے کیونکہ تاریخ اور تجربہ شاہد ہیں کہ بہت سے جانور طبعی طور پر بعض معلومات رکھتے ہیں اور انسان: نے اپنی پوری تاریخ میں جانوروں سے بہت کچھ سیکھا ہے یہاں تک کہ میڈیکل کی بعض کتب میں ہے کہ انسان اپنی بعض طبی معلومات میں حیوانات کا مرہون منت ہے،

افسوس اپنے اوپر

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے:

"اس وقت قابیل اپنی غفلت اور جہالت سے پریشان ہوگیا اور چیخ اٹھا کہ وائے ہو مجھ پر، کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ ناتواں اور عاجز ہوں، مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ میں اس کی طرح اپنے بھائی کا جسم دفن کردوں، بہر حال وہ اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہوا"۔ [1]

کیا اس کی پشیمانی اس بنا پر تھی کہ اس کا گھنیا اور برا عمل آخر کار اس کے ماں باپ پر اور احتمالی طور پر دوسرے بھائیوں پر آشکار ہوجائے گا اور وہ اسے بہت سرزنش کریں گے یا کیا یہ پشیمانی اس بنا پر تھی کہ کیوں میں ایک مدت تک بھائی کی لاش کندھے پر لئے پھرتا رہا اور اسے دفن نہ کیا اور یا پھر کیا یہ ندامت اس وجہ سے تھی کہ اصولی طور پر انسان ہر برا کام انجام دے لینے کے بعد اپنے دل میں ہر طرح کی پریشانی اور ندامت محسوس کرتا ہے لیکن واضح ہے کہ اس کی ندامت

[1] سورہ مائدہ آیت 31

کی جو بھی وجہ ہو وہ اس کے گناہ سے توبہ کی دلیل نہیں ہے کیونکہ توبہ یہ ہے کہ ندامت خوف خدا کے باعث اور عمل کے برا ہونے کے احساس کی بنا پر ہو، اور یہ احساس اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ آئندہ ہرگز ایسا کام نہیں کرے گا، قرآن میں قابیل کی ایسی کسی توبہ کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ شاید قرآن میں ایسی توبہ کے نہ ہونے کی طرف ہی اشارہ ہے۔

- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے، آپ نے فرمایا:

''جس کسی انسان کا ناحق خون بہایا جاتا ہے اس کی جوابدہی کا ایک حصہ قابیل کے ذمہ ہوتا ہے جس نے انسان کشی کی اس بری سنت کی دنیا میں بنیاد رکھی تھی''۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا یہ واقعہ ایک حقیقی واقعہ ہے اس کے علاوہ کہ آیات قرآن اور اسلامی روایت کا ظاہری مفہوم اس کی واقعیت کو ثابت کرتا ہے اس کے ''بالحق'' کی تعبیر بھی جو قرآن میں آئی ہے اس بات پر شاہد ہے، لہٰذا جو لوگ قرآن میں بیان کیے گئے واقعہ کو تشبیہ، کنایہ یا علامتی (SIMBOLIC) داستان سمجھتے ہیں، بغیر دلیل کے ایسا کرتے ہیں۔ [1]

آخرکار یہ برے لوگ اپنے شرمناک اور برے اعمال کے انجام سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر پردہ ڈالنے اور انہیں دفن کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اس موقع پر ان کی آرزوئیں ان کی مدد کو لپکتی ہیں، کوا ان آرزوؤں کا مظہر ہے جو جلدی سے پہنچتا ہے اور انہیں ان کے جرائم پر پردہ پوشی کی دعوت دیتا ہے لیکن آخرکار انہیں خسارے، نقصان اور حسرت کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

[1] اس کے باوجود اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ حقیقی واقعہ اس جنگ کے لیے نمونے کے طور پر بیان کیا گیا ہو جو ہمیشہ سے مردان پاکباز، صالح و مقبول بارگاہ خدا انسانوں اور آلودہ، منحرف، کینہ پرور، حاسد اور ناجائز ہٹ دھرمی کرنے والوں کے درمیان جاری رہی ہے وہ لوگ کتنے پاکیزہ اور عظیم ہیں جنہوں نے ایسے لوگوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام

قرآن مجید، بہت سی آیات میں نوح کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور مجموعی طور پر قرآن کی انتیس سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، ان کا نام 43 مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔

قرآن مجید نے ان کی زندگی کے مختلف حصوں کی باریک بینی کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے ایسے جو زیادہ تر تعلیم و تربیت اور پند و نصیحت کے پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

مؤرخین و مفسرین نے لکھا ہے کہ نوح کا نام "عبدالغفار" یا "عبدالملک" یا "عبدالاعلی" تھا اور "نوح" کا لقب انہیں اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سالہا سال اپنے اوپر یا اپنی قوم پر نوحہ گریہ کرتے رہے۔ آپ کے والد کا نام "لمک" یا "لامک" تھا اور آپ کی عمر کی مدت میں اختلاف ہے بعض روایات میں 1490 اور بعض میں 2500 سال بیان کی گئی ہے، اور ان کی قوم کے بارے میں بھی طولانی عمریں تقریباً 300 سال تک لکھی گئی ہیں، جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بہت طولانی عمر پائی ہے، اور قرآن کی صراحت کے مطابق آپ 950 سال اپنی قوم کے درمیان رہے (اور تبلیغ میں مشغول رہے)۔

نوح کے تین بیٹے تھے "حام" "سام" "یافث" اور مؤرخین کا نظریہ یہ ہے کہ کرۂ زمین کی اس وقت کی تمام نسل انسانی کی بازگشت انہیں تینوں فرزندوں کی طرف ہے ایک گروہ "حامی" نسل ہے جو افریقہ کے علاقہ میں رہتے ہیں دوسرا گروہ "سامی" نسل ہے جو شرق اوسط اور مشرق قریب کے علاقوں میں رہتے ہیں اور "یافث" کی نسل کو چین کے ساکنین سمجھتے ہیں۔

950 سال تبلیغ 7 مومن

اس بارے میں بھی، کہ نوح علیہ السلام طوفان کے بعد کتنے سال زندہ رہے، اختلاف ہے بعض نے پچاس سال لکھے ہیں اور بعض نے ساٹھ سال۔ [1] نوح علیہ السلام کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام "کنعان" تھا جس نے باپ سے اختلاف کیا، یہاں تک کہ کشتی نجات میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوا اس نے برے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھی اور خاندان نبوت کے اقدار کو ضائع کر دیا اور قرآن کی صراحت کے مطابق آخر کار وہ بھی باقی کفار کے مانند طوفان میں غرق ہو گیا۔ اس بارے میں کہ اس طویل مدت میں کتنے افراد نوح علیہ السلام پر ایمان لائے، اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے، اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے 80 اور بعض نے 7 افراد لکھے ہیں۔

نوح علیہ السلام کی داستان عربی اور فارسی ادبیات میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے، اور زیادہ تر طوفان اور آپ کی کشتی نجات پر تکیہ ہوا ہے۔ نوح علیہ السلام صبر و شکر اور استقامت کی ایک داستان تھے، اور محققین کا کہنا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انسانوں کی ہدایت کے لئے وحی کی منطق کے علاوہ عقل واستدلال کی منطق سے بھی مدد لی (جیسا کہ سورہ نوح کی آیات سے اچھی طرح ظاہر ہے) اور اسی بناء پر آپ اس جہان کے تمام خدا پرستوں پر ایک عظیم حق رکھتے تھے۔

قوم نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اپنے زمانے کے متکبروں کے ساتھ شدید اور مسلسل جہاد اور ان کے برے انجام کی داستان تاریخ بشر کے فراز میں ایک نہایت اہم اور بہت عبرت انگیز درس کی حامل ہے۔

---

[1] یہود کے منابع (موجودہ توریت میں بھی نوح کی زندگی کے بارے میں تفصیلی بحث آئی ہے، جو کئی لحاظ سے قرآن سے مختلف ہے اور توریت کی تحریف کی نشانیوں میں سے ہے، یہ مباحث توریت کے سفر "تکوین" میں فصل 6، 7، 8، 9 اور 10 میں بیان ہوئے ہیں

قرآن مجید پہلے مرحلے میں اس عظیم دعوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور اس نے انہیں بتایا کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں"۔ [1]

اس کے بعد اپنی رسالت کے مضمون کو صرف ایک جملہ میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے میرا پیغام یہ ہے کہ "اللہ" کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہ کرو۔ [2] پھر بلا فاصلہ اس کے پیچھے اسی مسئلہ انذار اور اعلام خطر کو تکرار کرتے ہوئے کہا: "میں تم پر دردناک دن سے ڈرتا ہوں"۔ [3]

اصل میں اللہ (خدائے یکتا و یگانہ) کی توحید اور عبادت ہی تمام انبیاء کی دعوت کی بنیاد ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ پہلا ردِّ عمل اس زمانے کے طاغوتوں، خودسروں اور صاحبان زر و زور کا اس عظیم دعوت اور واضح اعلام خطر کے مقابلے میں کیا تھا مسلماً سوائے کچھ بیہودہ اور جھوٹے عذر بہانوں اور بے بنیاد استدلالوں کے علاوہ کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جیسا کہ ہر زمانے کے جابروں کا طریقہ ہے۔

انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین جواب دیئے: "قوم نوح علیہ السلام کے سردار اور سرمایہ دار کافر تھے انہوں نے کہا: ہم تو تجھے صرف اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں"۔ [4]

حالانکہ اللہ کی رسالت اور پیغام تو فرشتوں کو اپنے کندھوں پر لینا چاہئے نہ کہ ہم جیسے انسانوں کو، اس گمان کے ساتھ کہ انسان کا مقام فرشتوں سے نیچے ہے یا انسان کی ضرورت کو فرشتہ انسان سے بہتر جانتا ہے۔

---

[1] سورہ ہود آیت 25

[2] سورہ ہود آیت 26

[3] سورہ ہود آیت 26

[4] سورہ ہود آیت 27

امام زادوں کو زائرین کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ: انھوں نے کہا: اے نوح علیہ السلام: ''ہم تیرے گرد و پیش اور ان کے درمیان کہ جنہوں نے تیری پیروی کی ہے سوائے چند پست، نا آگاہ اور بے خبر تھوڑے سن و سال کے نوجوانوں کے کہ جنہوں نے مسائل کی دیکھ بھال نہیں کی کسی کو نہیں دیکھتے''۔

کسی رہبر اور پیشوا کی حیثیت اور اس کی قدر و قیمت اس کے پیروکاروں سے پہچانی جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق صاحب مزار کو اس کے زائرین سے پہچانا جاتا ہے جب ہم تمہارے پیروکاروں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں چند ایک بے بضاعت، گمنام، فقیر اور غریب لوگ ہی نظر آتے ہیں جن کا سلسلہ روزگار بھی نہایت ہی معمولی ہے تو پھر ایسی صورت میں تم کس طرح امید کر سکتے ہو کہ مشہور و معروف دولت مند اور نامی گرامی لوگ تمہارے سامنے سر تسلیم خم کر لیں گے۔؟

ہم اور یہ لوگ کبھی بھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے ہم نہ تو کبھی ایک دستر خوان پر بیٹھے ہیں اور نہ ہی ایک چھت کے نیچے اکٹھے ہوئے ہیں تمہیں ہم سے کیسی غیر معقول توقع ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچے تھے کہ کسی پیشوا کو اس کے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے شخصیت کے مفہوم اور معیار کو اچھی طرح نہیں پہچانا تھا۔ ان کے نزدیک شخصیت کا معیار مال و دولت لباس و گھر اور خوبصورت و قیمتی سواری تھا لیکن طہارت، تقویٰ، حق جوئی جیسے اعلیٰ انسانی صفات سے غافل تھے جو غریبوں میں زیادہ اور امیروں میں کم پائی جاتی ہیں۔

طبقاتی اونچ نیچ بدترین صورت میں ان کی افکار پر حکم فرما تھی۔ اسی لئے وہ غریب لوگوں کو ''اراذل'' ذلیل سمجھتے تھے۔

اور اگر وہ طبقاتی معاشرے کے قید خانے سے باہر نکل کر سوچتے اور باہر کی دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ایسے لوگوں کا ایمان اس پیغمبر کی حقانیت اور اس کی

دعوت کی سچائی پر بذات خود ایک دلیل ہے۔

اور یہ جو انہیں "بادی الرای" (ظاہر بین بے مطالعہ اور وہ شخص جو پہلی نظر میں کسی چیز کا عاشق اور خواہاں ہوتا ہے) کا نام دیا ہے حقیقت میں اس بناء پر ہے کہ وہ ہٹ دھرمی اور غیر مناسب تعصبات جو دوسروں میں تھے وہ نہیں رکھتے تھے بلکہ زیادہ تر پاک دل نوجوان تھے جو حقیقت کی پہلی کرن کو جوان کے دل پر پڑتی تھی جلدی محسوس کر لیتے تھے وہ اس بیداری کے ساتھ جو کہ حق کی تلاش سے حاصل ہوتی ہے، صداقت کی نشانیاں، انبیاء کے اقوال وافعال کا ادراک کر لیتے تھے۔ [1]

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ قطع نظر اس سے کہ تو انسان ہے نہ کہ فرشتہ، علاوہ ازیں تجھ پر ایمان لانے والے نشاندہی کرتے ہیں کہ تیری دعوت کے مشتملات صحیح نہیں ہیں "اصولی طور پر تم ہم پر کسی قسم کی برتری نہیں رکھتے کہ جس کی بناء پر ہم تمہاری پیروی کریں"۔ [2]

"لہذا ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو"۔ [3]

حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات

قرآن میں ان بہانہ جو اور افسانہ ساز افراد کو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے دیئے گئے جوابات ذکر کیے گئے ہیں پہلے ارشاد ہوتا ہے:

اے قوم: "میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور معجزہ کا حامل ہوں اور اس نے اس رسالت و پیغام کی انجام دہی کی وجہ سے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور یہ امر

---

[1] سورہ ہود آیت 27

[2] سورہ ہود آیت 27

[3] سورہ ہود آیت 27

اگر عدم توجہ کی وجہ سے تم سے مخفی ہو تو کیا پھر بھی تم میری رسالت کا انکار کر سکتے ہو اور میری پیروی سے دستبردار ہو سکتے ہو"۔ [1]

یہ جواب قوم نوح علیہ السلام کے مستکبرین کے تین سوالوں میں سے کس کے ساتھ مربوط ہے؟ مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن غور وخوض سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جامع جواب تینوں اعتراضات کا جواب بن سکتا ہے کیونکہ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ تم انسان ہو آپ نے فرمایا یہ بجا ہے کہ میں تمہاری طرح کا ہی انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہوئی ہے اور اس نے مجھے کھلی اور واضح نشانیاں دی ہیں اس بناء پر میری انسانیت اس عظیم رسالت سے مانع نہیں ہو سکتی اور یہ ضروری نہیں کہ میں فرشتہ ہوتا۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تمہارے پیروکار بے فکر اور ظاہر بین افراد ہیں۔ آپ نے فرمایا تم بے فکر اور بے سمجھ ہو جو اس واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو حالانکہ میرے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو ہر حقیقت کے متلاشی انسان کے لئے کافی ہیں اور اسے قائل کر سکتے ہیں مگر تم جیسے افراد جو غرور، خود خواہی، تکبر اور جاہ طلبی کا پردہ اوڑھے ہوئے ہیں ان کی حقیقت بین آنکھ بیکار ہو چکی ہے۔

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ وہ کہتے تھے: ہم کوئی برتری اور فضیلت تمہارے لئے اپنی نسبت نہیں پاتے، آپ نے فرمایا: اس سے بالاتر کون سی برتری ہوگی کہ خدا نے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور واضح مدارک و دلائل میرے اختیار میں دیئے ہیں اس بناء پر ایسی کوئی وجہ نہیں کہ تم مجھے جھوٹا خیال کرو کیونکہ میری گفتگو کی نشانیاں ظاہر ہیں۔

"کیا میں تمہیں اس ظاہر بظاہر بینہ کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں جبکہ تم خود اس پر آمادہ نہیں ہو اور اسے قبول کرنا بلکہ اس کے بارے میں غور وفکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے ہو"۔

---

[1] سورہ ہود آیت 28

میں کسی صاحب ایمان کو نہیں دھتکارتا

''اے قوم: میں اس دعوت کے بدلے تم سے مال وثروت اور اجر وجزا کا مطالبہ نہیں کرتا''۔ [1]

یہ امر اچھی طرح سے نشاندہی کرتا ہے کہ اس پروگرام سے میرا کوئی مادی ہدف نہیں، میں سوائے خدا کے معنوی وروحانی اجر کے سوا کچھ بھی نہیں سوچتا اور کوئی جھوٹا مدعی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس قسم کے سر درد، ناراحتی اور بے آرامی کو یوں ہی اپنے لئے خرید لے اور یہ سچے رہبروں کی پہچان کے لئے ایک میزان ہے، ان جھوٹے موقع پرستوں کے مقابلے میں، کہ وہ جب بھی کوئی قدم اٹھاتے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اس سے ان کا کوئی نہ کوئی مادی ہدف اور مقصد ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کے جواب میں جنہیں اصرار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام، اپنے اوپر ایمان لانے والے غریب حقیر اور کم عمر افراد کو خود سے دور کردیں حضرت نوح علیہ السلام (حتمی طور پر فیصلہ سناتے ہوئے) کہتے ہیں: ''کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اور دوسرے جہان میں اس کے سامنے میرے ساتھ ہوں گے''۔ [2]

آخر میں انہیں بتایا گیا ہے: ''میں سمجھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو''۔ [3]

''اے قوم اگر میں ان باایمان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کے سامنے (اس عظیم عدالت میں بلکہ اس جہان میں) کون میری مدد کرے گا''۔ [4]

---

[1] سورہ ہود میں 29

[2] سورہ ہود آیت 29

[3] سورہ ہود آیت 29

[4] سورہ ہود آیت 30

"کیا تم کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہو"۔ [1] جان لو کہ جو کچھ میں کہتا ہوں عین حقیقت ہے۔

خدائی خزانے میرے قبضہ میں نہیں ہیں

اپنی قوم کے مہمل اعتراضات کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام آخری بات کہتے ہیں کہ اگر تم خیال کرتے ہو اور توقع رکھتے ہو کہ وحی اور اعجاز کے سوا میں تم پر کوئی امتیاز یا برتری رکھوں، تو یہ غلط ہے میں صراحت سے کہنا چاہتا ہوں "میں نہ تم سے کہتا ہوں کہ خدائی خزانے میرے قبضے میں ہیں اور نہ ہر کام جب چاہوں انجام دے سکتا ہوں" "نہ میں غیب سے آگاہی کا دعویٰ کرتا ہوں" "اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔ [2]

ایسے بڑے اور جھوٹے دعوے جھوٹے مدعیوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایک سچا پیغمبر کبھی ایسے دعوے نہیں کرے گا کیونکہ خدائی خزانے اور علم غیب صرف خدا کی پاک ذات کے اختیار میں ہیں اور فرشتہ ہونا بھی ان بشری احساسات سے مناسبت نہیں رکھتا لہٰذا جو شخص ان تین میں سے کوئی ایک دعویٰ کرے یا یہ سب دعوے کرے تو یہ اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

آخر میں دوبارہ مستضعفین کا ذکر کرتے ہوئے تاکیداً کہا گیا ہے "میں ہرگز ان افراد کے بارے میں جو تمہاری نگاہ میں حقیر ہیں، نہیں کہہ سکتا کہ خدا انہیں کوئی جزائے خیر نہیں دے گا" [3] بلکہ اس کے برعکس اس جہان اور اس جہان کی خیر، انہی کے لئے ہے اگرچہ ان کا ہاتھ مال و دولت سے خالی ہے یہ تو تم ہو جنہوں نے خام خیالی کی وجہ سے خیر کو مال و مقام یا سن و سال میں

---

[1] سورہ ہود آیت 30

[2] سورہ ہود آیت 31

[3] سورہ ہود آیت 31

منحصر سمجھ لیا ہے اور تم حقیقت سے بالکل بے خبر ہو۔

اور بالفرض اگر تمہاری بات سچی ہو اور وہ پست اور اوباش ہوں تو خدا ان کے باطن سے آگاہ ہے۔

میں تو ان میں ایمان اور صداقت کے سوا کچھ نہیں پاتا، لہٰذا میری ذمہ داری ہے کہ میں انہیں قبول کرلوں، میں تو ظاہر پر مامور ہوں اور بندہ شناس خدا ہے۔ ''اور اگر میں اس کے علاوہ کچھ کروں تو یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا''۔ [1]

کہاں ہے عذاب؟

قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والی باقی گفتگو کی طرف اشارہ ہوا ہے قرآن میں پہلے قوم نوح علیہ السلام کی زبانی نقل ہے کہ انہوں نے کہا: ''اے نوح: تم نے یہ سب بحث وتکرار اور مجادلہ کیا ہے اب بس کرو، تم نے ہم سے بہت باتیں کی ہیں اب بحث مباحثے کی گنجائش نہیں رہی، ''اگر سچے ہو تو خدائی عذابوں کے بارے میں جو سخت وعدے تم نے ہم سے کئے ہیں انہیں پورا کر دکھاؤ اور وہ عذاب لے آؤ۔ [2]

یہ بعینہ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص یا کچھ اشخاص کسی مسئلے کے بارے میں ہم سے بات کریں اور ضمناً ہمیں دھمکیاں بھی دیں اور کہیں کہ اب زیادہ باتیں بند کرو اور جو کچھ تم کر سکتے ہو کرلو اور دیر نہ کرو، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہم نہ تو تمہارے دلائل کو کچھ سمجھتے ہیں نہ تمہاری دھمکیوں سے ڈرتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ ہم تمہاری بات سن سکتے ہیں۔ انبیاء الٰہی کے لطف ومحبت اور ان کی وہ گفتگو جو صاف وشفاف اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتی ہے اس

[1] سورہ ہود آیت 31

[2] سورہ ہود آیت 32

طرز عمل کا انتخاب انتہائی ہٹ دھرمی تعصب اور جہالت کی ترجمانی کرتا ہے۔

قوم نوح علیہ السلام کی اس گفتگو سے ضمناً یہ بھی اچھی طرح سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی ہدایت کے لئے بہت طویل مدت تک کوشش کی اور انہیں ارشاد وہدایت کے لئے آپ نے ہر موقع سے استفادہ کیا، آپ نے اس قدر کوشش کی کہ اس گمراہ قوم نے آپ کی گفتار اور ارشادات پر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں جو دیگر تفصیل آئی ہے اس سے بھی یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے، یہ مفہوم تفصیلی طور پر بیان ہوا ہے: ''پروردگارا: میں نے اپنی قوم کو دن رات تیری طرف بلایا لیکن میری اس دعوت پر ان میں فرار کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا میں نے جب انہیں پکارا تا کہ تو انہیں بخش دے، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے لباس اپنے اوپر لپیٹ لئے انہوں نے مخالفت پر اصرار کیا اور غرور تکبر کا مظاہرہ کیا میں نے پھر بھی انہیں دعوت دی۔ میں نے پیہم اصرار کیا مگر انہوں نے کسی طرح بھی میری باتوں کی طرف کان نہ دھرے''۔ [1]

حضرت نوح علیہ السلام نے اس بے اعتنائی، ہٹ دھرمی اور بے ہودگی کا یہ مختصر جواب دیا: ''خدا ہی چاہے تو ان دھمکیوں اور عذاب کے وعدوں کو پورا کر سکتا ہے''۔ [2]

لیکن بہرحال یہ چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور میرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے میں تو اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم ہوں، لہٰذا سزا اور عذاب کی خواہش مجھ سے نہ کرو، لیکن یہ جان لو کہ جب عذاب کا حکم آپہنچے گا تو پھر تم اس کے احاطۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے اور کسی پناہ گاہ کی طرف فرار نہیں کر سکتے۔ [3]

---

[1] نوح آیات 5 تا 13

[2] سورہ ہود آیت 33

[3] سورہ ہود آیت 33

معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ

قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت بیان ہوئی ہے اس کے درحقیقت مختلف مراحل ہیں ان میں سے ہر مرحلہ متکبرین کے خلاف حضرت نوح علیہ السلام کے قیام کے ایک دور سے مربوط ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی مسلسل اور پرعزم دعوت کے مرحلے کا تذکرہ تھا جس کے لئے انہوں نے تمام تر وسائل سے استفادہ کیا یہ مرحلہ ایک طویل مدت پر مشتمل تھا اس میں ایک چھوٹا سا گروہ آپ پر ایمان لایا، یہ گروہ ویسے تو مختصر سا تھا لیکن کیفیت اور استقامت کے لحاظ سے بہت عظیم تھا۔

قرآن میں اس قیام کے دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ مرحلہ دور تبلیغ کے اختتام کا تھا جس میں خدا کی طرف سے معاشرے کو برے لوگوں سے پاک کرنے کی تیاری کی جانا تھی پہلے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔"نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ جو افراد ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا"۔ [1]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ صفیں بالکل جدا ہو چکی ہیں، اب ایمان اور اصلاح کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں اور اب معاشرے کی پاکیزگی اور آخری انقلاب کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے اس گفتگو کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی اور دلجوئی کے لئے فرمایا گیا ہے:"اب جب معاملہ یوں ہے تو جو کام تم انجام دے رہے ہو اس پر کوئی حزن وملال نہ کرو"۔ [2]

مربوط آیت سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اسرار غیب کا کچھ حصہ جہاں ضروری ہوتا ہے اپنے پیغمبر کے اختیار میں دے دیتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی گئی ہے کہ آئندہ

---

[1] سورہ ہود آیت 21

[2] سورہ ہود آیت 3

ان میں سے کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا، بہر حال ان گناہگار اور ہٹ دھرم لوگوں کو سزا ملنی چاہئے، ایسی سزا جو عالم ہستی کو ان کے وجود کی گندگی سے پاک کر دے اور مومنین کو ہمیشہ کے لئے ان کے چنگل سے نجات دے دے، ان کے غرق ہونے کا حکم ہو چکا ہے لیکن ہر چیز کے لئے کچھ وسائل واسباب ہوتے ہیں لہٰذا نوح کو چاہئے کہ وہ سچے مومنین کے بچنے کے لئے ایک مناسب کشتی بنائیں تاکہ ایک تو مومنین کشتی بننے کی اس مدت میں اپنے طریق کار میں پختہ تر ہو جائیں اور دوسروں کے لئے بھی کافی اتمام حجت ہو جائے۔

کشتی نوح علیہ السلام

''ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے حضور میں اور ہمارے فرمان کے مطابق کشتی بنائیں''۔ [1]

لفظ "وحینا" سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی شکل وصورت کی تشکیل بھی حکم خدا سے سیکھ رہے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام آنے والے طوفان اور اس کی کیفیت ووسعت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ کشتی اس مناسبت سے بناتے اور یہ وحی الٰہی ہی تھی جو بہترین کیفیتوں کے انتخاب میں ان کی مددگار تھی۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کو خبردار کیا گیا ہے: ''آج کے بعد ظالم افراد کے لئے شفاعت اور معافی کا تقاضا نہ کرنا کیونکہ انہیں عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ حتماً غرق ہو جائیں گے''۔ [2]

---

[1] سورہ ہود آیت 37

[2] سورہ ہود آیت 37

کشتی بنا رہے ہو دریا بھی بناؤ

اب چند جملے قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی سن لیں: وہ بجائے اس کے کہ ایک لمحہ کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو غور سے سنتے، اسے سنجیدگی سے لیتے اور کم از کم انہیں یہ احتمال ہی ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بار بار کے اصرار اور تکرار دعوت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہی ہو اور ہو سکتا ہے طوفان اور عذاب کا معاملہ حتمی اور یقینی ہی ہو، الٹا انہوں نے تمام مستکبر اور مغرور افراد کی عادت کا مظاہرہ کیا اور تمسخر و استہزاء کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی قوم کا کوئی گروہ جب بھی ان کے نزدیک سے گزرتا اور حضرت نوح اور ان کے اصحاب کو لکڑیاں اور میخیں وغیرہ مہیا کرتے دیکھتا اور کشتی بنانے میں سرگرم عمل پاتا تو مذاق اڑاتا اور پھبتیاں کستے ہوئے گزر جاتا"۔ [1]

کہتے ہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کے اشراف کے مختلف گروہوں کے ہر دستے نے تمسخر اور تفریح وطبع کے لئے اپنا ہی ایک انداز اختیار کر رکھا تھا۔

ایک کہتا تھا: "اے نوح علیہ السلام دعوائے پیغمبری کا کاروبار نہیں چل سکا تو بڑھئی بن گئے،

دوسرا کہتا تھا: کشتی بنا رہے ہو؟ بڑا اچھا ہے البتہ کشتی کے لئے دریا بھی بناؤ، کبھی کوئی عقلمند دیکھا ہے جو خشکی کے بیچ میں کشتی بنائے؟

ان میں سے کچھ کہتے تھے: اتنی بڑی کشتی کس لئے بنا رہے ہو اگر کشتی بنانا ہی ہے تو ذرا چھوٹی بنالو جسے ضرورت پڑے تو دریا کی طرف لے جانا تو ممکن ہو۔

ایسی باتیں کرتے تھے اور قہقہے لگا کر ہنستے ہوئے گزر جاتے تھے یہ باتیں گھروں میں ہوتیں۔ کام کاج کے مراکز میں یہ گفتگو ہوتیں گویا اب بحثوں کا عنوان بن گئی وہ ایک دوسرے

---

[1] سورہ ہود آیت 38

سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کی کوتاہ فکری کے بارے میں باتیں کرتے اور کہتے:

اس بوڑھے کو دیکھو آخر عمر میں کس حالت کو جا پہنچا ہے اب ہم سمجھے کہ اگر ہم اس کی باتوں پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے ٹھیک ہی کیا اس کی عقل تو بالکل ٹھکانے نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام بڑی استقامت اور پامردی سے اپنا کام بے پناہ عزم کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اور یہ ان کے ایمان کا نتیجہ تھا وہ ان کور باطن دل کے اندھوں کی بے بنیاد باتوں سے بے نیاز اپنی پسند کے مطابق تیزی سے پیشرفت کر رہے تھے اور دن بدن کشتی کا ڈھانچہ مکمل ہو رہا تھا کبھی کبھی سر اٹھا کر ان سے یہ پر معنی بات کہتے: ''اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی جلدی ہی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے''۔ [1]

وہ دن کہ جب تم طوفان کے درمیان سرگرداں ہو کر، سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگو گے اور تمہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی موجوں میں گھرے فریاد کرو گے کہ ہمیں بچا لو جی ہاں اس روز مومنین تمہاری غفلت اور جہالت پر مذاق اڑائیں گے'' اس روز دیکھنا کہ کس کے لئے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کسے دائمی سزا دامن گیر ہوتی ہے''۔ [2]

اس میں شک نہیں کہ کشتی نوح کوئی عام کشتی نہ تھی کیونکہ اس میں سچے مومنین کے علاوہ ہر نسل کے جانور کو بھی جگہ ملی تھی اور ایک مدت کے لئے ان انسانوں اور جانوروں کو جو خوراک درکار تھی وہ بھی اس میں موجود تھی ایسی لمبی چوڑی کشتی یقیناً اس زمانے میں بے نظیر تھی یہ ایسی کشتی تھی جو ایسے دریا کی کوہ پیکر موجوں میں صحیح و سالم رہ سکے اور نابود نہ ہو جس کی وسعت اس دنیا جتنی ہو، اسی لئے مفسرین کی بعض روایات میں ہے کہ اس کشتی کا طول ایک ہزار دو سو ذراع تھا اور عرض چھ سو ذراع تھا (ایک ذراع کی لمبائی تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے)۔

بعض اسلامی روایات میں ہے کہ ظہور طوفان سے چالیس سال پہلے قوم نوح علیہ السلام کی

---

[1] سورہ ہود آیت 38

[2] سورہ ہود آیت 39

عورتوں میں ایک ایسی بیماری پیدا ہوگئی تھی کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا یہ دراصل ان کے لئے سزا کی تمہید تھی۔

آغاز طوفان

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور سچے مومنین نے کشتی نجات بنانا شروع کی اور انہیں کیسی کیسی مشکلات آئیں اور بے ایمان مغرور اکثریت نے کس طرح ان کا تمسخر اڑایا اس طرح تمسخر اڑانے والوں نے کس طرح اپنے آپ کو اس طوفان کے لئے تیار کیا جو سطح زمین کو بے ایمان متکبرین کے منحوس وجود سے پاک کرنے والا تھا۔

یہاں پر اس سرگزشت کے تیسرے مرحلے کے بارے میں قرآن گویا اس ظالم قوم پر نزول عذاب کی بولتی ہوئی تصویر کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "یہ صورت حال یونہی تھی یہاں تک کہ ہمارا حکم صادر ہوا اور عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے پانی تنور کے اندر سے جوش مارنے لگا"۔ [1]

اس بارے میں کہ طوفان کے نزدیک ہونے سے تنور سے پانی کا جوش مارنا کیا مناسبت رکھتا ہے مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ [2]

موجودہ احتمالات میں سے یہ احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "تنور" اپنے حقیقی اور مشہور معنی میں آیا ہے اور ہوسکتا ہے اس سے مراد کوئی خاص تنور بھی نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ اس سے یہ نکتہ بیان کرنا مقصود ہو کہ تنور جو عام طور پر آگ کا مرکز ہے جب اس میں سے پانی جوش

---

[1] سورہ ہود آیت 30

[2] بعض نے کہا ہے کہ تنور سے پانی کا جوش مارنا خدا کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے ایک نشانی تھی تاکہ وہ اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس موقع پر وہ اور ان کے اصحاب ضروری اسباب و وسائل لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں۔

مارنے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب متوجہ ہوئے کہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور انقلاب قریب تر ہے یعنی کہاں آگ اور کہاں پانی بالفاظ دیگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ زیر زمین پانی کی سطح اس قدر اوپر آگئی ہے کہ وہ تنور کے اندر سے جو عام طور پر خشک، محفوظ اور اونچی جگہ بنایا جاتا ہے، جوش مار رہا ہے تو وہ سمجھ گئے کہ کوئی اہم امر درپیش ہے اور قدرت کی طرف سے کسی نئے حادثے کا ظہور ہے۔ اور یہی امر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے لئے خطرے کا الارم تھا کہ وہ اٹھ کر کھڑے ہوں اور تیار رہیں۔

شاید غافل اور جاہل قوم نے بھی اپنے گھروں کے تنور میں پانی کو جوش مارتے دیکھا ہو بہرحال وہ ہمیشہ کی طرح خطرے کے ان پر معنی خدائی نشانات سے آنکھ کان بند کیے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی غور وفکر کی زحمت نہ دی کہ شاید شرف تکوین میں کوئی حادثہ پوشیدہ ہو اور شاید حضرت نوح علیہ السلام جن واقعات کی خبر دیتے تھے ان میں سچائی ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں "تنور" مجازی اور کنائی معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ غضب الٰہی کے تنور میں جوش پیدا ہوا اور وہ شعلہ ور ہوا اور یہ تباہ کن خدائی عذاب کے نزدیک ہونے کے معنی میں ہے ایسی تعبیر فارسی اور عربی زبان میں استعمال ہوتی ہیں کہ شدت غضب کو آگ کے جوش مارنے اور شعلہ ور ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اس وقت نوح علیہ السلام کو "ہم نے حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جفت (نر اور مادہ کا جوڑا) کشتی میں سوار کرلو"۔ تاکہ غرقاب ہو کر ان کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔

"اور اسی طرح اپنے خاندان میں سے جن کی ہلاکت کا پہلے سے وعدہ کیا جا چکا ہے ان کے سوا باقی افراد کو سوار کرلو نیز مومنین کو کشتی میں سوار کرلو"۔ [1]

[1] سورہ ہود آیت 40

نوح علیہ السلام کا بیٹا بدکاروں کے ساتھ رہا

یہ قرآن ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام کی بے ایمان بیوی اور ان کے بیٹے کنعان کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی داستان آئندہ صفحات میں آئے گی جنہوں نے راہ ایمان سے انحراف کیا اور گنہگاروں کا ساتھ دینے کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام سے اپنا رشتہ توڑ لیا وہ اس کشتی نجات میں سوار ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں سوار ہونے کی پہلی شرط ایمان تھی۔

دوسری طرف یہ قرآن اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنے دین وآئین کی تبلیغ کے لئے سالہا سال بہت طویل اور مسلسل کوشش کی اس کا نتیجہ بہت تھوڑے سے افراد مومنین کے سوا کچھ نہ تھا بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد صرف اسی (80) افراد تھی یہاں تک کہ بعض نے تو اس سے بھی کم تعداد لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے کس حد تک استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان میں سے ایک ایک فرد کے لئے اوسطاً کم از کم دس سال زحمت اٹھائی اتنی زحمت تو عام لوگ اپنی اولاد تک کی ہدایت اور نجات کے لئے نہیں اٹھاتے۔

اللہ کا نام لے کر کشتی پر سوار ہو جاؤ

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام نے جلدی سے اپنے سے وابستہ صاحب ایمان افراد اور اصحاب کو جمع کیا اور چونکہ طوفان اور تباہ کن خدائی عذابوں کا مرحلہ نزدیک آرہا تھا، "انہیں حکم دیا کہ خدا کے نام سے کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کشتی کے چلتے اور ٹھہرتے وقت خدا کا نام زبان پر جاری کرو اور اس کی یاد میں رہو"۔ [1]

---

[1] سورہ ہود آیت 41

بالآخر آخری مرحلہ آپہنچا اور اس سرکش قوم کے لئے عذاب اور سزا کا فرمان صادر ہوا تیرہ وتار بادل جو سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح تھے سارے آسمان پر چھا گئے اور اس طرح ایک دوسرے پرتہ بہ تہ ہوئے کہ جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی تھی پے در پے سخت بادل گرجے خیرہ کن بجلیاں پورے آسمان پر کوندتیں آسمانی فضا گویا ایک بہت بڑے وحشت ناک حادثے کی خبر دے رہی تھی۔

بارش شروع ہوگئی اور پھر تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی بارش کے قطرے موٹے سے موٹے ہوتے چلے گئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''گویا آسمان کے تمام دروازے کھل گئے اور پانی کا ایک سمندر ان کے اندر سے نیچے گرنے لگا''۔ [1]

دوسری طرف زیر زمین پانی کی سطح اس قدر بلند ہوگئی کہ ہر طرف سے پر جوش چشمے ابل پڑے، یوں زمین وآسمان کا پانی آپس میں مل گیا اور زمین، پہاڑ، دشت، بیابان اور درہ غرض ہر جگہ پانی جاری ہوگیا بہت جلد زمین کی سطح ایک سمندر کی صورت اختیار کر گئی تیز ہوائیں چلنے لگیں جن کی وجہ سے پانی کی کوہ پیکر موجیں امنڈنے لگیں اس عالم میں ''کشتی نوح کوہ پیکر موجوں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی''۔ [2]

پسر نوح کا دردناک انجام

پسر نوح علیہ السلام جو ایک طرف اپنے باپ سے الگ کھڑا تھا نوح علیہ السلام نے پکارا: ''میرے بیٹے، ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو ورنہ فنا ہوجاؤ گے''۔ [3]

---

[1] سورہ قمر آیت 11

[2] سورہ ہود آیت 42

[3] سورہ ہود آیت 43

پیغمبر بزرگوار حضرت نوح علیہ السلام نے نہ صرف باپ کی حیثیت سے بلکہ ایک انتھک پر امید مربی کے طور پر آخری لمحے تک اپنی ذمہ داری سے دست برداری نہ کی، اس امید پر کہ شاید ان کی بات سنگدل بیٹے پر اثر کر جائے لیکن افسوس کہ برے ساتھی کی بات اس کے لئے زیادہ پر تاثیر تھی لہٰذا دلسوز باپ کی گفتگو اپنا مطلوبہ اثر نہ کر سکی، وہ ہٹ دھرم اور کوتاہ فکر تھا اسے گمان تھا کہ غضب خدا کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا تھا اس لئے اس نے پکار کر کہا: ''ابا میرے لئے جوش میں نہ آؤ میں عنقریب پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جس تک یہ سیلاب نہیں پہنچ سکتا''۔ [1]

نوح علیہ السلام پھر بھی مایوس نہ ہوئے دوبارہ نصیحت کرنے لگے کہ شاید کوتاہ فکر بیٹا غرور اور خودسری کے مرکب سے اتر آئے اور راہ حق پر چلنے لگے۔ انہوں نے کہا: ''میرے بیٹے آج حکم خدا کے مقابلے میں کوئی طاقت پناہ نہیں دے سکتی، نجات صرف اس شخص کے لئے ہے رحمت خدا جس کے شامل حال ہو''۔ [2] پہاڑ تو معمولی سی چیز ہے خود کرہ ارض بھی معمولی سی چیز ہے سورج اور تمام نظام شمسی اپنے خیرہ کن عظمت کے باوجود خدا کی قدرت لایزال کے سامنے ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اسی دوران ایک موج اٹھی اور آگے آئی، مزید آگے بڑھی اور پسر نوح کو ایک تنکے کی طرح اس کی جگہ سے اٹھایا اور اپنے اندر درہم برہم کر دیا، ''اور باپ بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دی اور اسے غرق ہونے والوں میں شامل کر دیا''۔ [3]

اے نوح علیہ السلام تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو موجوں کے درمیان دیکھا تو شفقت پدری نے جوش مارا انہیں اپنے بیٹے کی نجات کے بارے میں وعدہ الٰہی یاد آیا انہوں نے درگاہ الٰہی کا رخ کیا اور کہا: ''پروردگارا میرا بیٹا میرے اہل اور میرے خاندان میں سے ہے اور تو نے وعدہ فرمایا تھا

---

[1] سورہ ہود آیت 43

[2] سورہ ہود آیت 43

[3] سورہ ہود آیت 43

کہ میرے خاندان کو طوفان اور ہلاکت سے نجات دے گا اور تو تمام حکم کرنے والوں سے برتر ہے اور تو ایفائے عہد کرنے میں محکم تر ہے"۔ [1]

یہ وعدہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو سورہ ہود میں موجود ہے جہاں فرمایا گیا ہے:

"ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلو اور اسی طرح اپنے خاندان کو سوائے اس شخص کے جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہو چکا ہے"۔ [2]

حضرت نوح علیہ السلام نے خیال کیا کہ "سوائے اس کے کہ جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہو چکا ہے، اس سے مراد صرف ان کی بے ایمان اور مشرک بیوی ہے اور ان کا بیٹا کنعان اس میں شامل نہیں ہے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسا تقاضا کیا لیکن فوراً جواب ملا (ہلا دینے والا جواب اور ایک عظیم حقیقت واضح کرنے والا جواب) "اے نوح وہ تیرے اہل اور خاندان میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ غیر صالح عمل ہے"۔ [3]

وہ نالائق شخص ہے اور تجھ سے مکتبی اور مذہبی رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے خاندانی رشتے کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

"اب جبکہ ایسا ہے تو مجھ سے ایسی چیز کا تقاضا نہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جا"۔ [4]

حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ تقاضا بارگاہ الٰہی میں صحیح نہ تھا اور ایسے بیٹے کی نجات کو خاندان کی نجات کے بارے میں خدا کے وعدے میں شامل نہیں سمجھنا چاہئے تھا لہٰذا آپ نے

---

[1] سورہ ہود آیت 45

[2] سورہ ہود آیت 40

[3] سورہ ہود آیت 46

[4] سورہ ہود آیت 46

پروردگار کا رخ کیا اور کہا:

"پروردگارا: میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے تجھ سے کسی ایسی چیز کی خواہش کروں جس کا علم مجھے نہیں، اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور اپنی رحمت میرے شامل حال نہ کی تو میں زیاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا"۔ [1]

اس داستان کا اختتام

آخر کار پانی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں نے تمام جگہوں کو گھیر لیا پانی کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی جاہل گنہگاروں نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک معمولی سا طوفان ہے وہ اونچی جگہوں اور پہاڑوں پر پناہ گزین ہو جائیں گے، لیکن پانی ان کے اوپر سے بھی گزر گیا اور تمام جگہیں پانی کے نیچے چھپ گئیں ان طغیان گروں کے جسم، ان کے بیچ کچے، گھر اور زندگی کا ساز و سامان پانی کی جھاگ میں نظر آرہا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے زمام کشتی خدا کے ہاتھ میں دی موجیں کشتی کو ادھر سے ادھر لے جاتی تھیں روایات میں آیا ہے کہ کشتی پورے چھ ماہ سرگرداں رہی یہ مدت ابتدائے ماہ رجب سے لے کر ذی الحجہ کے اختتام تک تھی ایک اور روایت کے مطابق دس رجب سے لے کر روز عاشورہ تک کشتی پانی کی موجوں میں سرگرداں رہی۔

اس دوران کشتی نے مختلف علاقوں کی سیر کی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے اطراف کی بھی سیر کی، آخر کار عذاب کے خاتمے کا اور زمین کے معمول کی حالت میں لوٹ آنے کا حکم صادر ہوا، قرآن میں اس فرمان کی کیفیت، جزئیات اور نتیجہ بہت مختصر مگر انتہائی عمدہ اور جاذب وخوبصورت عبارت میں چھ جملوں میں بیان کیا گیا ہے: پہلے ارشاد ہوتا

---

[1] سورہ ہود آیت 47

ہے: "حکم دیا گیا کہ اے زمین: اپنا پانی نگل جا اور آسمان کو حکم ہوا اے آسمان ہاتھ روک لے"۔

"پانی نیچے بیٹھ گیا"

"اور کام ختم ہو گیا"

"اور کشتی کوہ جودی کے دامن سے آ لگی"۔

"اس وقت کہا گیا: دور ہو ظالم قوم"۔ [1]

مندرجہ بالا قرآنی تعبیرات مختصر ہوتے ہوئے بھی نہایت موثر اور دلنشین ہیں، یہ بولتی ہوئی زندہ تعبیرات ہیں اور تمام تر زیبائی کے باوجود ہلا دینے والی ہیں بعض علماء عرب کے بقول مذکورہ آیت قرآن میں سے فصیح ترین اور بلیغ ترین آیت ہے۔ [2]

کوہ جودی کہاں ہے؟

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ کوہ جودی جس کے کنارے کشتی نوح علیہ السلام آ کر لگی تھی اور جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہی مشہور پہاڑ ہے جو موصل کے قریب ہے، بعض دوسرے مفسرین نے اسے حدود شام میں یا "آمد" کے نزدیک یا عراق کے شمالی پہاڑ سمجھا ہے۔

---

[1] سورہ ہود آیت 44

[2] روایات اور تواریخ میں اس کی شہادت موجود ہے، لکھا ہے: کچھ کفار قریش قرآن سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ قرآنی آیات جیسی کچھ آیات گھڑیں ان سے تعلق رکھنے والوں نے انہیں چالیس دن تک بہترین غذائیں مہیا کیں، مشروبات فراہم کیے اور ان کی ہر فرمائش پوری کی خالص گندم کا میدہ، بکرے کا گوشت، پرانی شراب غرض سب کچھ انہیں لا کر دیا تا کہ وہ آرام و راحت کے ساتھ قرآنی آیات جیسے جملوں کی ترکیب بندی کریں لیکن جب وہ مذکورہ آیت تک پہنچے تو اس نے انہیں اس طرح سے ہلا کر رکھ دیا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ ایسی گفتگو ہے کوئی کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا، یہ کہہ کر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور مایوس ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔

کتاب مفردات راغب نے کہا ہے کہ یہ وہ پہاڑ ہے جو موصل اور الجزیرہ کے درمیان ہے "الجزیرہ" شمالی عراق میں ایک جگہ ہے اور یہ "الجزائر" یا "الجزیرہ" نہیں جو آج کل مشہور ہے، بعید نہیں کہ ان سب کی بازگشت ایک ہی طرف ہو کیونکہ موصل، آمد اور الجزیرہ سب عراق کے شمالی علاقوں میں ہیں اور شام کے نزدیک ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ جودی سے مراد ہر مضبوط پہاڑ اور محکم زمین ہے، یعنی کشتی نوح ایک محکم زمین پر لنگر انداز ہوئی جو اس کی سواریوں کے اترنے کے لئے مناسب تھی لیکن مشہور معروف وہی پہلا معنی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام باسلامت اتر آئے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی سبق آموز سرگزشت کے بارے میں یہ آخری حصہ ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے اور نئے سرے سے روئے زمین پر معمول کی زندگی گزارنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "نوح علیہ السلام سے کہا گیا کہ سلامتی اور برکت کے ساتھ جو ہماری طرف سے تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہے، اتر آؤ"۔ [1]

اس میں شک نہیں کہ "طوفان" نے زندگی کے تمام آثار کو درہم برہم کر دیا تھا فطری طور پر آباد زمینیں، لہلہاتی چراگاہیں اور سرسبز باغ سب کے سب ویران ہو چکے تھے اس موقع پر شدید خطرہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ساتھی زندگی گزارنے اور غذا کے سلسلے میں بہت تنگی کا شکار ہوں گے۔ لیکن خدا نے ان مومنین کو اطمینان دلایا کہ برکات الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور زندگی اور معاش کے حوالے سے تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں ممکن تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو اپنی سلامتی کے حوالے

---

[1] سورہ ہود آیت 48

سے یہ پریشانی ہوتی کہ طوفان کے بعد باقی ماندہ ان گندے پانیوں، جو جڑوں اور دلدلوں کے ہوتے ہوئے زندگی خطرے سے دوچار ہوگی لہٰذا خدا تعالیٰ اس سلسلے میں بھی انہیں اطمینان دلاتا ہے کہ تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا اور وہ ذات جس نے ظالموں کی نابودی کے لئے طوفان بھیجا ہے اہل ایمان کی سلامتی اور برکت کے لئے بھی ماحول فراہم کر سکتی ہے۔

اس بناء پر جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی پروردگار کے لامتناہی لطف و کرم کے سائے میں طوفان کے بعد ان تمام مشکلات کے باوجود سلامتی و برکت کے ساتھ جیتے رہے، اسی طرح مختلف قسم کے جانور جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی سے اترے تھے خدا کی طرف سے سلامتی و حفاظت کے ساتھ اور اس کے لطف و کرم کے سائے میں زندگی بسر کرتے رہے۔

کیا طوفان نوح علیہ السلام عالمگیر تھا؟

قرآن کی بہت سی آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کسی خاص علاقے کے لئے نہ تھا بلکہ پوری زمین پر رونما ہوا تھا کیونکہ لفظ "ارض" (زمین) مطلق طور پر آیا ہے:

"خداوندا روئے زمین پر ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے کہ جن کے بارے میں اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے"۔ [1]

اسی طرح سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے: "اے زمین اپنا پانی نگل لے"۔ [2]

بہت سی تواریخ سے بھی طوفان نوح علیہ السلام کے عالمگیر ہونے کی خبر ملتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ موجودہ تمام نسلیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد میں سے ہیں جو کہ زندہ بچ گئے تھے۔

طبیعی تاریخ سے بھی سیلابی بارشوں کے نام سے ایک دور کا پتہ چلتا ہے اس دور کو اگر

---

[1] سورہ نوح آیت 26

[2] سورہ ہود آیت 44

لازمی طور پر جانداروں کی پیدائش سے قبل سے مربوط نہ سمجھیں تو وہ بھی طوفان نوح پر منطبق ہو سکتا ہے۔ [1]

طوفان کے ذریعے سزا کیوں دی گئی؟

یہ صحیح ہے کہ ایک فاسد اور بری قوم کو نابود ہونا چاہئے، چاہے وہ کسی ذریعے سے نابود ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن آیات قرآنی میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب وسزا اور قوموں کے گناہوں میں ایک قسم کی مناسبت تھی اور ہے فرعون نے عظیم دریائے نیل اور اس کے پر برکت پانی کو اپنی قوت وطاقت کا ذریعہ بنا رکھا تھا یہ بات جاذب نظر ہے کہ وہی اس کی نابودی کا سبب بنا نمرود کو اپنے عظیم ظلم پر بھروسہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ حشرات الارض کے چھوٹے سے لشکر نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دی۔ قوم نوح زراعت پیشہ تھی ان کی کثیر دولت کا دارومدار زراعت پر ہی تھا۔

[1] زمین کی طبیعی تاریخ میں یہ نظریہ بھی ہے کہ کرہ زمین کا محور تدریجی طور پر تغیر پیدا کرتا ہے یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی خط استوا میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور خط استوا قطب جنوبی کی جگہ لے لیتا ہے، واضح ہے کہ جب قطب شمالی وجنوبی میں موجود بہت زیادہ برف پگھل پڑے تو دریاؤں اور سمندروں کے پانی کی سطح اس قدر اوپر آجائے گی کہ بہت سی خشکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور پانی زمین میں جہاں جہاں اسے گنجائش ملے گی ابلتے ہوئے چشموں کی صورت میں نکلے گا، پانی کی یہی وسعت بادلوں کی تخلیق کا سبب بنتی ہے اور پھر زیادہ سے زیادہ بارشیں انہی بادلوں سے ہوتی ہیں۔

یہ امر کہ حضرت نوح نے زمین کے جانوروں کے چند نمونے بھی اپنے ساتھ لئے تھے طوفان کے عالمگیر ہونے کا مؤید ہے۔

(4) اس روئے زمین پر سبھی حضرت نوح کی اولاد سے ہیں؟ رجوع کریں تفسیر نمونہ ج 10 ص 503 سورہ صافات آیت 82 کی تفسیر میں ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنا سب کچھ بارش کے حیات بخش قطروں کو سمجھتے ہیں لیکن آخر کار بارش ہی نے انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا۔

جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کوفہ میں رہتے تھے دوسری طرف بعض روایات کے مطابق طوفان مکہ اور خانہ کعبہ تک پھیلا ہوا تھا تو یہ صورت بھی اس بات کی موید ہے کہ طوفان عالمگیر تھا۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اس امر کی بھی بالکل نفی نہیں کی جاسکتی کہ طوفان نوح ایک منطقہ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ لفظ "ارض" (زمین) کا اطلاق قرآن میں کئی مرتبہ زمین کے ایک وسیع قطعے پر بھی ہوا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کی سرگزشت میں ہے: "ہم نے زمین کے مشارق اور مغارب بنی اسرائیل کے مستضعفین کے قبضے میں دیئے" [1]

کشتی میں جانوروں کو شاید اس بناء پر رکھا گیا ہو کہ زمین کے اس حصے میں جانوروں کی نسل منقطع نہ ہو خصوصاً اس زمانے میں جانوروں کا دور دراز علاقوں سے منتقل ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اسی طرح دیگر مذکورہ قرائن اس بات پر منطبق ہو سکتے ہیں کہ طوفان نوح ایک خاص علاقہ میں آیا تھا۔ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ طوفان نوح تو اس سرکش قوم کی سزا اور عذاب کے طور پر تھا اور ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت تمام روئے زمین پر پہنچی تھی اصولی طور پر اس زمانے کے وسائل وذرائع کے ساتھ ایک پیغمبر کی دعوت کا (اس کے اپنے زمانے میں) زمین کے تمام خطوں اور علاقوں تک پہنچنا بعید نظر آتا ہے بہر حال اس عبرت خیز واقعے کو بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اس میں چھپے اہم تربیتی نکات بیان کیے جائیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ واقعہ عالمی ہو یا کسی ایک علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔

جناب نوح علیہ السلام کی بیوی

قرآن مجید دو بے تقویٰ عورتوں کی سرنوشت جو دو بزرگ پیغمبروں کے گھر میں

---

[1] سورہ اعراف آیت 137

تھیں، اور دو مومن وایثار گر خواتین کی سرنوشت بیان کرتا ہے جن میں سے ایک تاریخ کے جابر ترین شخص کے گھر میں تھی۔

پہلے فرماتا ہے "خدا نے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے نوح کی بیوی کی مثال اور لوط کی بیوی کی مثال" وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انہیں کوئی نفع نہیں دیا"۔ [1]

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام "والھہ" اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "والعۃ" تھا اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے یعنی نوح کی بیوی کا نام "والعۃ" اور لوط کی بیوی کا نام "والھہ" یا "واہلہ" کہا ہے۔

بہر حال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جائدہ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے: "کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی"۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز انہیں بتاتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

قرآن آخر میں کہتا ہے: "اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ"۔ [2]

---

[1] سورہ تحریم آیت 10

[2] سورہ تحریم آیت 10

حضرت ہود علیہ السلام

قرآن مجید میں ذکر شدہ انبیاء کے ناموں میں حضرت ہود علیہ السلام بھی ہیں، جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے بعض مورخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہوتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الاولیٰ سے تعبیر کیا، وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا، دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دور میں اور تقریباً ولادت مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور وہ عاد کے نام سے مشہور تھا۔ یہ احقاف یا یمن میں رہائش پزیر تھا۔

اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجثہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو شمار ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ متمدن بھی تھے۔ان کے شہر آباد اور زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ان کے باغات پر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جد (دادا) کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔

شہرِ اِرم اور شداد کی بہشت

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحراؤں میں شہرِ ارم کے

برآمد ہونے کی ایک دلچسپ داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت وغیرہ کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مذکورہ داستان واقعیت کی نسبت خواب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔

لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قوم عاد طاقتور قبائل پر مشتمل تھی، ان کے شہر ترقی یافتہ تھے اور جیسا کہ قرآن اشارہ کرتا ہے، ان جیسے شہر پھر آباد نہیں ہو سکے۔

بہت سی داستانیں شداد کی جو عاد کا بیٹا تھا، زبان زد عام ہیں اور تاریخ میں مرقوم ہیں۔ یہاں تک کہ شداد کی بہشت اور اس کے باغات ضرب المثل کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لیکن ان داستانوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ محض افسانے ہیں۔ یہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کی حقیقت پر بعد میں حاشیہ آرائی کر لی گئی۔

حضرت ہود علیہ السلام برادر قوم عاد

قرآن نبی اللہ کے سلسلہ میں فرماتا ہے: "ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا"۔ [1]

یہاں حضرت ہود علیہ السلام کو بھائی کہا گیا تھا یہ تعبیر یا تو اس بناء پر ہے کہ عرب اپنے تمام اہل قبیلہ کو بھائی کہتے ہیں کیونکہ نسب کی اصل میں سب شریک ہوتے ہیں مثلاً بنی اسد کے شخص کو "اخواسدی" کہتے ہیں اور مذحج قبیلہ کے شخص کو "اخو مذحج" کہتے ہیں، یا ہو سکتا ہے کہ یہ اس طرف اشارہ ہو کہ حضرت ہود علیہ السلام کا سلوک اپنی قوم سے دیگر انبیاء کی طرح بالکل برادرانہ تھا نہ کہ ایک حاکم کا سا بلکہ ایسا بھی نہیں جو باپ اپنی اولاد سے کرتا ہے بلکہ آپ کا سلوک ایسا تھا جو ایک بھائی دوسرے بھائیوں سے کرتا ہے کہ جس میں کوئی امتیاز اور برتری کا اظہار نہ ہو۔

---

[1] سورہ ہود آیت 50

حضرت ہود علیہ السلام کی بہترین دلیل

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز دیگر انبیاء کی طرح کیا آپ کی پہلی دعوت توحید اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی دعوت تھی، ہود نے ان سے کہا: "اے میری قوم خدا کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اللہ اور معبود لائق پرستش نہیں، بتوں کے بارے میں تمہارا اعتقاد غلطی اور اشتباہ پر مبنی ہے اور اس میں تم خدا پر افتراء باندھتے ہو"۔ [1]

یہ بت خدا کے شریک نہیں ہیں، نہ خیر وشر کے منشاء و مبداء، ان سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا اس سے بڑھ کر کیا افتراء اور تہمت ہوگی کہ اس قدر بے وقعت موجودات کے لئے تم اتنے بڑے مقام و منزلت کا اعتقاد رکھتے ہو؟۔

اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام نے مزید کہا: "اے میری قوم میں اپنی دعوت کے سلسلے میں تم سے کوئی توقع نہیں رکھتا تم سے کسی قسم کی اجرت نہیں چاہتا"۔ [2]

کہ "تم یہ گمان کرو کہ میری یہ داد و فریاد اور جوش و خروش مال و مقام کے حصول کے لئے ہے یا تم خیال کرو کہ تمہیں مجھے کوئی بھاری معاوضہ دینا پڑے گا جس کی وجہ سے تم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو، میری اجرت صرف اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جس نے مجھے روح و جسم بخشے ہیں اور تمام چیزیں جس نے مجھے عطا کی ہیں وہی جو میرا خالق و رازق ہے میں اگر تمہاری ہدایت و سعادت کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو وہ اصولا اس کے حکم اطاعت میں ہوتا ہے لہٰذا اجر و جزا بھی میں اسی سے چاہتا ہوں نہ کہ تم سے، علاوہ ازیں کیا تمہارے پاس اپنی طرف سے کچھ ہے جو تم مجھے دو، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی خدا کی طرف سے ہے، کیا تم سمجھتے نہیں

---

[1] سورہ ہود آیت 50

[2] سورہ ہود آیت 51

ہو؟"۔ [1]

آخر میں انہیں شوق دلانے کے لئے اور اس گمراہ قوم میں حق وحق طلبی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے تمام ممکن وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے مشروط طور پر مادی جزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو اس جہان میں خدا مومنین کو عطا فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے: "اے میری قوم اپنے گناہوں پر خدا سے بخشش طلب کرو، پھر توبہ کرو اور اس کی طرف لوٹ آؤ اگر تم ایسا کرلو تو وہ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ بارش کے حیات بخش قطرے پیہم تمہاری طرف بھیجے۔" [2]

تاکہ تمہارے کھیت اور باغات کم آبی یا بے آبی کا شکار نہ ہوں اور ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں علاوہ ازیں تمہارے ایمان وتقوی، گناہ سے پرہیز اور خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی وجہ سے "تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔" [3]

یہ کبھی گمان نہ کرو کہ ایمان وتقوی سے تمہاری قوت میں کمی واقع ہوگی ایسا ہرگز نہیں بلکہ تمہاری جسمانی وروحانی قوت میں اضافہ ہوگا۔

اس کمک سے تمہارا معاشرہ آباد تر ہوگا، جمعیت کثیر ہوگی، اقتصادی حالات بہتر ہونگے اور تم طاقتور، آزاد اور خود مختار ملت بن جاؤ گے لہٰذا راہ حق سے روگردانی نہ کرو اور شاہراہ گناہ پر قدم نہ رکھو۔

اے ہود تم ہمارے خداؤں کے غضب سے دیوانہ ہو گئے ہو

اب دیکھتے ہیں کہ اس سرکش اور مغرور قوم یعنی قوم عاد نے اپنے بھائی ہود، ان کے

---

[1] سورہ ہود آیت 51

[2] سورہ ہود آیت 52

[3] سورہ ہود آیت 52

چند نصائح اور ہدایت و رہنمائی کے مقابلے میں کیا ردّ عمل ظاہر کیا۔

انہوں نے کہا: "اے ہود: تو ہمارے لئے کوئی واضح دلیل نہیں لایا، ہم ہرگز تیری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ [1]

ان تین غیر منطقی جملوں کے بعد انہوں نے مزید کہا: "ہمارا خیال ہے کہ تو دیوانہ ہوگیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تو ہمارے خداؤں کے غضب کا شکار ہوا ہے اور انہوں نے تیری عقل کو آسیب پہنچایا ہے"۔ [2]

اس میں شک نہیں کہ (جیسے تمام انبیاء کا طریقہ کار ہوتا ہے اور ان کی ذمہ داری ہے) حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک معجزے دکھائے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے کبر و غرور کی وجہ سے دیگر ہٹ دھرم قوموں کی طرح معجزات کا انکار کیا اور انہیں جادو قرار دیا اور انہیں اتفاقی حوادث گردانا کہ جنہیں کسی معاملے میں دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام پر "جنون" کی تہمت لگائی اور "جنون" بھی وہ جو ان کے زعم ناقص میں ان کے خداؤں کے غضب کا نتیجہ تھا، ان کے بے ہودہ پن اور خرافات پرستی کی خود ایک بہترین دلیل ہے۔

بے جان اور بے شعور پتھر اور لکڑیاں جو خود اپنے "بندوں" کی مدد کی محتاج ہیں وہ ایک عقلمند انسان سے کس طرح اس کا عقل و شعور چھین سکتی ہیں علاوہ ازیں ان کے پاس ہود کے دیوانہ ہونے کی کونسی دلیل تھی، اگر یہ دیوانگی کی دلیل ہے تو پھر تمام مصلحین جہان اور انقلابی لوگ جو غلط روش اور طریقوں کے خلاف قیام کرتے ہیں سب دیوانے ہونے چاہئیں۔

---

[1] سورہ ہود آیت 53

[2] سورہ ہود آیت 54

کیوں بت مجھے نابود نہیں کرتے

بہر حال حضرت ہود علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ اس گمراہ اور ہٹ دھرم قوم کو دندان شکن جواب دیتے، ایسا جواب جو منطق کی بنیاد پر بھی ہوتا اور طاقت سے بھی ادا ہوتا، قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کے جواب میں چند جملے کہے: ”میں خدا کو گواہی کے لئے بلاتا ہوں، اور تم سب بھی گواہ رہو کہ میں ان بتوں اور تمہارے خداؤں سے بیزار ہوں“۔ [1]

یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ بت طاقت رکھتے ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے ختم کر دیں، میں جو علی الاعلان ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اور اعلانیہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اعلان کر رہا ہوں وہ کیوں خاموش اور معطل ہیں، کس چیز کے منتظر ہیں اور کیوں مجھے نابود اور ختم نہیں کر دیتے۔

اس کے بعد مزید فرمایا کہ نہ فقط یہ کہ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ تم بھی اتنی کثرت کے باوجود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے ”اگر سچ کہتے ہو تو تم سب مل کر میرے خلاف جو سازش کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے لمحہ بھر کی بھی مہلت نہ دو“۔ [2]

میں تمہاری اتنی کثیر تعداد کو کیوں کچھ نہیں سمجھتا اور کیوں تمہاری طاقت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تم جو کہ میرے خون کے پیاسے ہو اور ہر قسم کی طاقت رکھتے ہو، اس لئے کہ میرا رکھوالا اللہ ہے، وہ جس کی قدرت سب طاقتوں سے بالاتر ہے ”میں نے خدا پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے“۔ [3]

[1] سورہ ہود آیت 54

[2] سورہ ہود آیت 50

[3] سورہ ہود آیت 56

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں، یہ اس امر کی نشانی ہے کہ میں نے دل کسی اور جگہ نہیں باندھ رکھا اگر صحیح طور پر سوچو تو یہ خود ایک قسم کا معجزہ ہے کہ ایک انسان تن تنہا بہت سے لوگوں کے بے ہودہ عقائد کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔

جبکہ وہ طاقتور اور متعصب بھی ہوں یہاں تک کہ انہیں اپنے خلاف قیام کی تحریک کرے اس کے باوجود اس میں خوف و خطر کے کوئی آثار نظر نہ آئیں اور پھر نہ اس کے دشمن اس کے خلاف کچھ کر سکتے ہوں۔

آخر کار حضرت ہود علیہ السلام ان سے کہتے ہیں:

"اگر تم راہ حق سے روگردانی کرو گے تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے"۔ [1]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ اگر میری دعوت قبول نہ کی جائے تو میرے لئے کوئی شکست ہے میں نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اور فریضہ کی انجام دہی کامیابی ہے اگر چہ میری دعوت قبول نہ کی جائے۔

دراصل یہ سچے رہبروں اور راہ حق کے پیشواؤں کے لئے ایک درس ہے کہ انہیں اپنے کام پر کبھی بھی خستگی و پریشانی کا احساس نہیں ہونا چاہیے چاہے لوگ ان کی دعوت کو قبول نہ بھی کریں۔

جیسا کہ بت پرستوں نے آپ کو دھمکی دی تھی، اس کے بعد آپ انہیں شدید طریقے پر عذاب الٰہی کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر تم نے دعوت حق قبول نہ کی تو خدا عنقریب تمہیں نابود کر دے گا اور کسی دوسرے گروہ کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے"۔ [2]

[1] سورہ ہود آیت 57

[2] سورہ ہود آیت 57

''اور یہ بھی جان لو کہ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہے اور ہر حساب وکتاب کی نگہداشت کرتا ہے''۔ [1]

نہ موقع اس کے ہاتھ سے جاتا ہے اور نہ وہ موقع کی مناسبت کو فراموش کرتا ہے نہ وہ اپنے انبیاء اور دوستوں کو طاق نسیاں کرتا ہے اور نہ کسی شخص کا حساب وکتاب اس سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر مسلط ہے۔

اس ظالم قوم پر ابدی لعنت

قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی سرگذشت سے مربوط آیات کے آخری حصے میں ان سرکشوں کی دردناک سزا اور عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پہلے کہتا ہے:

''جب ان کے عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آپہنچا تو ہود اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لاچکے تھے ہماری ان پر رحمت اور لطف خاص نے انہیں نجات بخشی''۔ [2]

پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا: ''ہم نے اس صاحب ایمان قوم کو شدید عذاب سے رہائی بخشی''۔ [3]

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بے ایمان، سرکش اور ظالم افراد کے لئے عذاب وسزا معین کرنے سے پہلے صاحب ایمان قوم کی نجات کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ خیال پیدا نہ ہو جیسا کہ مشہور ضرب المثل ہے کہ عذاب الٰہی کے موقع پر خشک وتر سب جل جاتے ہیں کیونکہ وہ حکیم اور عادل ہے اور محال ہے کہ وہ ایک بھی صاحب ایمان شخص کو بے ایمان اور گنہگار لوگوں کے درمیان عذاب کرے، بلکہ رحمت الٰہی ایسے افراد کو عذاب وسزا کے نفاذ سے پہلے ہی امن وامان کی جگہ پر

[1] سورہ ہود آیت 57

[2] سورہ ہود آیت 58

[3] سورہ ہود آیت 58

منتقل کر دیتی ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ طوفان آئے، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نجات تیار تھی، اور اس سے پہلے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے شہر تباہ و برباد ہوں حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے انصار راتوں رات حکم الٰہی سے وہاں سے نکل آئے۔

یہ مناسبت بھی قابل ملاحظہ ہے کہ قوم عاد کے لوگ سخت اور بلند قامت تھے ان کے قد کو کھجور کے درختوں سے تشبیہ دی گئی ہے اسی مناسبت سے ان کی عمارتیں مضبوط، بڑی اور اونچی تھیں یہاں تک کہ قبل اسلام کی تاریخ میں ہے کہ عرب بلند اور مضبوط عمارتوں کی نسبت قوم عاد ہی کی طرف دیتے ہوئے انہیں "عدی" کہتے تھے، اسی لئے ان پر آنے والا عذاب بھی انہی کی طرح غلیظ اور سخت تھا، نہ صرف آخرت کا عذاب، بلکہ اس دنیا میں سخت سے سخت عذاب دیا گیا۔

عذاب الٰہی ایک نحس دن میں

قرآن مجید قوم عاد پر عذاب الٰہی کے بارے میں فرماتا ہے: "ہم نے ان پر وحشت ناک، سرد اور تیز آندھی، ایک ایسے منحوس دن میں جو بہت طویل تھا، ان کی طرف بھیجی"۔

اس کے بعد اس تیز آندھی کی کیفیت کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ "لوگوں کو گھن کھائے ہوئے کھجور کے تنوں کی طرح اکھاڑ دیا اور وہ ان کو ہر طرف پھینکتی تھی۔ [1]

قوم عاد کے لوگ قوی الجثہ تھے، انہوں نے تیز آندھی سے بچنے کے لئے زمین میں گڑھے کھود رکھے تھے اور زیر زمین پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں لیکن اس روز آنے والی آندھی اتنی زور دار اور طاقتور تھی کہ ان کو ان کی پناہ گاہوں سے باہر نکالتی تھی اور ادھر ادھر پھینکتی تھی وہ ان کو اس زور سے زمین پر پٹختی تھی کہ ان کے سر تن سے جدا ہو جاتے تھے۔ آندھی اس قدر تیز تھی کہ پہلے ان کے ہاتھ پیروں اور سروں کو جدا کرتی تھی، اس کے بعد ان کے اجسام کو بے شاخ و برگ کھجور کی

[1] سورہ قمر آیت 20

طرح زمین سے اکھاڑتی تھی اور ادھر ادھر لئے پھرتی تھی۔

قرآن کریم اس قوم کے عذاب کے بارے میں دوسری جگہ کہتا ہے: "قوم عاد کی سرگذشت میں بھی ایک آیت وعبرت ہے، جبکہ ہم نے ان پر ایک عقیم اور بغیر بارش کا طوفان بھیجا"۔ [1]

ہواؤں کا عقیم اور بانجھ ہونا اس وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ بارش برسانے والے بادل اپنے ساتھ لے کر نہ چلیں، گیاہ ونباتات میں اپنے عمدہ اثرات نہ چھوڑیں، ان میں کوئی فائدہ اور برکت نہ ہو اور ہلاکت ونابودی کے سوا کوئی چیز ہمراہ نہ لائیں۔

اس کے بعد اس سخت آندھی کی خصوصیت جو قوم عاد پر مسلط ہوئی تھی، بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ جس چیز کے پاس سے گزرتی تھی اس کو نابود کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی، اور خشک کٹی پھٹی گھاس یا بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں بدل دیتی تھی"۔ [2]

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قوم عاد کی تیز آندھی ایک عام تیز آندھی نہیں تھی، بلکہ انہیں تباہ کرنے اور کوٹنے چھننے یا پھر پٹخنے کے علاوہ اور اصطلاح کے مطابق فزیکل دباؤ سے، جلانے اور زہریلا بنانے کی خاصیت رکھتی تھی، جو طرح طرح کی اشیاؤں کو بوسیدہ اور کہنہ بنا دیتی تھی، جی ہاں، اس طرح خدا کی قدرت "نسیم سحر" کو ایک تیز آندھی میں بدل کر بڑی بڑی طاقتور قوموں کو اس طرح درہم وبرہم کر دیتی ہے کہ صرف ان کے بوسیدہ جسم باقی رہ جاتے ہیں۔

کیا ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو

قرآن اس کے بعد اس تیز اور سرکوب کرنے والی آندھی کی ایک دوسری توصیف کو

---

[1] سورہ ذاریات آیت 41

[2] سورہ ذاریات آیت 32

بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "خدا نے اس کو اس قوم پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان کی بنیادیں اکھاڑنے کے لئے مسلط کئے رکھا"۔ [1]

سات راتوں اور آٹھ دنوں میں اس عظیم قوم کی وسیع اور بارونق زندگی کو بالکل تباہ و برباد کیا اور ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پراگندہ کردیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ قرآن کہتا ہے "اگر تو وہاں ہوتا تو مشاہدہ کرتا کہ وہ ساری قوم منہ کے بل گری پڑی ہے اور سوکھے اور کھوکھلے درختوں کی طرح ڈھیر ہو گئے ہیں"۔ [2]

کتنی عمدہ تشبیہ ہے، جو ان کے طویل قدوقامت کو بھی مشخص کرتی ہے، ان کے جڑ سے اکھڑ جانے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور خدا کے عذاب کے مقابلہ میں ان کے اندر سے خالی ہونے کو بھی بیان کرتی ہے اس طرح کہ وہ تیز آندھی جدھر چاہتی ہے انہیں آسانی کے ساتھ لے جاتی ہے۔

قرآن اس واقعہ کے آخر میں مزید کہتا ہے "کیا تم ان سے کسی کو باقی دیکھتے ہو"؟۔ [3]

ہاں: آج نہ صرف قوم عاد کا کوئی نام و نشان باقی نہیں بلکہ ان کے آباد شہروں اور پرشکوہ عمارتوں کے کھنڈرات اور ان کے سبز کھیتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

---

[1] سورہ حاقہ آیت 7

[2] سورہ حاقہ آیت 7

[3] سورہ حاقہ آیت 8

حضرت صالح علیہ السلام

قوم ثمود اور اس کے پیغمبر جناب صالح علیہ السلام کی جو "وادی القریٰ" میں رہتے تھے جو "مدینہ" اور "شام" کے درمیان واقع ہے یہ قوم اس سرزمین میں خوشحال زندگی بسر کر رہی تھی لیکن اپنی سرکشی کی بناء پر صفحہ ہستی سے یوں مٹ گئی کہ آج اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

قرآن اس سلسلے میں فرماتا ہے: "قوم ثمود نے (خدا کے) رسولوں کو جھٹلایا"۔ [1]

کیونکہ تمام انبیاء کی دعوت حق ایک جیسی تھی اور اس قوم کا اپنے پیغمبر جناب صالح کی تکذیب کرنا درحقیقت تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف تھا۔

"جبکہ ان کے ہمدرد پیغمبر صالح نے ان لوگوں سے کہا آیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟" [2]

وہ جو کہ تمہارے بھائی کی طرح تمہارا ہادی اور رہبر تھا اس کی نظر میں نہ برتری جتانا تھا اور نہ ہی مادی مفادات، اسی لئے قرآن نے جناب صالح علیہ السلام کو "اخوہم" سے تعبیر کیا ہے جناب صالح علیہ السلام نے بھی دوسرے انبیاء کی مانند اپنی دعوت کا آغاز تقویٰ اور فرض کے احساس سے کیا۔

پھر اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں: "میں تمہارے لئے امین پیغمبر ہوں" [3]

---

[1] سورہ شعراء آیت 141

[2] سورہ شعراء آیت 142

[3] سورہ شعراء آیت 143

میرا ماضی میرے اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔

''اسی لئے تم تقویٰ اختیار کرو، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو'' [1]

کیونکہ میرے مدنظر رضائے الٰہی، تمہاری خیر و خوبی اور سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔

بنابریں ''اس دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔'' [2]

میں تو کسی اور کے لئے کام کرتا ہوں اور میرا اجر بھی اسی کے پاس ہے'' ہاں تو میرا اجر صرف عالمین کے پروردگار کے پاس ہے''۔ [3]

یہ جناب صالح علیہ السلام کی داستان کا ابتدائی حصہ تھا جو دو جملوں میں بیان کیا گیا ہے ایک دعوت کا پیش کرنا اور دوسرے رسالت کو بیان کرنا۔

پھر دوسرے حصے میں افراد قوم کی زندگی کے قابل تنقید اور حساس پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے: '' آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیشہ امن وسکون اور ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے رہو گے''۔ [4]

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ مادی اور غفلت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے اور موت، انتقام اور سزا کا ہاتھ تمہارے گریبانوں تک نہیں پہنچے گا؟

'' کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ باغات اور چشمے اور یہ کھیت اور کھجور کے درخت جن کے پھل شیریں وشاداب اور پکے ہوئے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں گے۔'' [5]

پھر ان پختہ اور خوشحال گھروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں: '' تم پہاڑوں کو تراش کر

---

[1] سورہ شعراء آیت 145

[2] سورہ شعراء آیت 145

[3] سورہ شعراء آیت 145

[4] سورہ شعراء آیت 145

[5] سورہ شعراء آیت 147 تا 148

گھر بناتے ہو اور اس میں عیاشی کرتے ہو"۔ [1]

جبکہ قوم ثمود شکم کی اسیر اور ناز و نعمت بھری خوشحال زندگی سے بہرہ مند تھی۔

فاسد اور اسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو

حضرت صالح علیہ السلام اس تنقید کے بعد انہیں متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "حکم خدا کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور مسرفین کا حکم نہ مانو، وہی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔" [2] "یہ دھیان میں رہے کہ خدا نے قوم عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین اور خلیفہ قرار دیا ہے اور زمین میں تمہیں جگہ دی ہے" [3]

یعنی ایک طرف تو تم کو اللہ کی نعمتوں کا خیال رہنا چاہئے، دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ تم سے پہلے جو قوم تھی وہ اپنی سرکشی اور طغیانی کے باعث عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو چکی ہے۔

پھر اس کے بعد انہیں عطا کی گئی کچھ نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "تم ایک ایسی سرزمین میں زندگی بسر کرتے ہو جس میں ہموار میدان بھی ہیں جن کے اوپر تم عالیشان قصر اور آرام دہ مکانات بنا سکتے ہو، نیز اس میں پہاڑی علاقے بھی ہیں جن کے دامن میں تم مضبوط مکانات تراش سکتے ہو (جو سخت موسم، اور سردیوں کے زمانے میں) تمہارے کام آ سکتے ہیں"۔ [4]

اس تعبیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ (قوم عاد) سردی اور گرمی میں اپنی سکونت کی جگہ بدل دیتے تھے فصل بہار اور گرمیوں میں وسیع اور پر برکت میدانوں میں زراعت کرتے

---

[1] سورہ شعراء آیت 149

[2] سورہ شعراء آیات 150 تا 152

[3] سورہ اعراف آیت 74

[4] سورہ اعراف آیت 74

تھے اور پرندے اور چوپائے پالنے میں مشغول رہا کرتے تھے اس وجہ سے وہ وہاں خوبصورت اور آرام دہ مکانات بناتے تھے جو انہوں نے پہاڑوں پر تراش کر بنائے تھے اور یہ مکانات انہیں سیلابوں اور طوفانوں سے محفوظ رکھتے تھے یہاں وہ اطمینان سے سردی کے دن گزارد یتے تھے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے:

''خداوند کریم کی ان سب نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرو اور کفران نعمت نہ کرو''۔ [1]

قوم صالح کی ہٹ دھرمی

آپ حضرات، گمراہ قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کی منطقی اور خیر خواہی پر مبنی گفتگو ملاحظہ فرما چکے ہیں جناب صالح علیہ السلام کے جواب میں اس قوم کی گفتگو بھی سینے۔

انھوں نے کہا: ''اے صالح: تم سحر زدہ ہو کر اپنی عقل کھو چکے ہو، لہٰذا غیر معقول باتیں کرتے ہو''۔ [2]

ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بسا اوقات جادوگر لوگ جادو کے ذریعے انسان کی عقل و ہوش کو بیکار بنا دیتے ہیں صرف انھوں نے جناب صالح پر ہی یہ تہمت نہیں لگائی بلکہ اور لوگوں نے بھی دوسرے انبیاء پر ایسی تہمتیں لگائی ہیں، حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک کو متہم کیا۔

جی ہاں ان کے نزدیک عقل مند انسان وہ ہوتا ہے جو ماحول میں ڈھل جائے ابن الوقت بن جائے اور خود تمام برائیوں پر منطبق ہو جائے اگر کوئی انقلابی مرد خدا فاسد عقائد اور غلط نظام کے بطلان کے لئے قیام کرتا تو وہ اپنی اس منطق کی رو سے اسے دیوانہ، مجنون اور سحر زدہ

---

[1] سورہ اعراف آیت 74

[2] سورہ شعراء آیت 53

کہتے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "اس خود پسند طبقے نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، کہ آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، حالانکہ ہم نے انہیں دنیا کی بہت سی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ تمہاری ہی طرح کا انسان ہے جو تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے"۔ [1]

بے شک وہ اشراف کا خوشحال طبقہ جو قرآن مجید کی اصطلاح میں صرف ظاہر بین تھا اور کور باطن تھا وہ اس عظیم پیغمبر کے مشن کو اپنے مفاد کا مخالف، ناجائز منافع خواری، استحصال اور بے جا بالادستی سے متصادم دیکھ رہا تھا، یہ طبقہ اپنی پر عیش زندگی کی وجہ سے اللہ سے کوسوں دور چلا گیا تھا اور آخرت کا منکر تھا۔

انہوں نے اللہ کے نمائندوں کے انسان ہونے اور دیگر انسانوں کی طرح کھانے پینے کو ان کی رسالت کی نفی کی دلیل قرار دیا حالانکہ یہ بات ان مایہ ناز شخصیتوں کی نبوت و رسالت کی پرزور تائید تھی کہ وہ عام لوگوں میں سے ہوں تاکہ انسان کی ضروریات اور مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوں، مزید برآں وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے: "اگر تم اپنے ہی جیسے آدمی کے مطیع ہو گے تو یہ بڑی نقصان دہ بات ہوگی"۔ [2]

یہ کور باطن اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ خود تو یہ توقع کر رہے ہیں کہ لوگ ان کے شیطانی عزائم کی تکمیل اور پیغمبر سے مقابلے کے لئے ان کی پیروی کریں، مگر اس شخصیت کی اطاعت و پیروی کو جو مرکز وحی سے وابستہ ہے اور جس کا دل نور علم پروردگار عالمین سے منور ہے انسان کے لئے ذلت، ننگ و عار اور حریت کے منافی بتا رہے تھے۔

---

[1] سورہ مومنون آیت 33

[2] سورہ مومنون آیت 34

کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

اس کے بعد انہوں نے معاد اور قیامت کا انکار کیا، جس کو ماننا ہمیشہ سے خود سر اور ہوا و ہوس کے رہبروں کے لئے مشکل رہا ہے اور کہا:

''کیا یہ شخص تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد مٹی اور بوسیدہ ہڈی ہو جانے کے بعد تم ایک بار پھر قبروں سے نکلو گے اور ایک نئی زندگی پاؤ گے۔'' (یہ بہت دور اور بہت دور کی بات ہے وہ وعدے جو تم سے کئے گئے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں) [1]

مجموعی طور پر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی جو مر گیا ہو، مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا ہو، اس کے اجزاء ادھر ادھر بکھر گئے ہوں، وہ دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ محال ہے، یہ محال بات ہے۔

آخر میں اپنے نبی پر ایک مجموعی الزام لگاتے ہوئے انہوں نے کہا یہ ایک جھوٹا شخص ہے، جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے'' [2]

نہ اس کی رسالت اللہ کی طرف سے ہے نہ قیامت سے متعلق اس کے وعدے سچے ہیں اور نہ ہی دوسرے احکام ایسے ہیں، کوئی عقلمند آدمی اس پر کیسے ایمان لا سکتا ہے۔

اے صالح علیہ السلام ہم تم پر امید رکھتے تھے

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو غیر موثر بنانے کے لئے یا کم از کم ان کی باتوں کو بے تاثر کرنے کے لئے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا وہ آپ کو دھوکا دینا چاہتے تھے، کہنے لگے:

''اے صالح اس سے پہلے تو ہماری امیدوں کا سرمایہ تھا۔'' [3]

---

[1] سورہ مومنون 35 تا 36

[2] سورہ مومنون آیت 37

[3] سورہ ہود آیت 62

مشکلات میں ہم تیری پناہ لیتے تھے، تجھ سے مشورہ کرتے تھے، تیرے عقل وشعور پر ایمان رکھتے تھے، اور تیری خیر خواہی اور ہمدردی میں ہمیں ہرگز کوئی شک نہ تھا۔

لیکن افسوس کہ تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، دین بت پرستی کی اور ہمارے خداؤں کی مخالفت کرکے کہ جو ہمارے بزرگوں کا رسم ورواج تھا اور ہماری قوم کے افتخارات میں سے تھا تو نے ظاہر کردیا کہ تو بزرگوں کے احترام کا قائل نہیں ہے نہ ہماری عقل پر تمہیں کوئی اعتماد ہے اور نہ ہی تو ہمارے طور طریقوں کا حامی ہے۔ "کیا سچ مچ تو ہمیں ان کی پرستش سے روک دینا چاہتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔" [1]

تم کتنے نحس قدم ہو

بہر حال اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کی ہمدردانہ نصیحتوں کو دل کے کانوں سے سننے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی بجائے واہیات اور بے کار باتوں کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی، منجملہ اور باتوں کے انھوں نے کہا: "ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں سب کو ایک بری فال سمجھتے ہیں"۔ [2]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ سال خشک سالی اور قحط سالی کا تھا اسی لئے وہ صالح علیہ السلام سے کہنے لگے: "کہ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے نامبارک قدموں کی بدولت ہوا ہے"۔ تم منحوس لوگ ہو، ہمارے معاشرے میں تم ہی بدبختی اور نحوست لائے ہو، وہ بری فال کو اس بہانے سے جو درحقیقت بے کار اور شریر لوگوں کا بہانہ ہوتا ہے، جناب صالح علیہ السلام کے بہترین دلائل کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

---

[1] سورہ ہود آیت 62

[2] سورہ نمل آیت 47

لیکن جناب صالح علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''بری فال (اور تمہارا نصیب) تو خدا کے پاس ہی ہے''۔ [1]

اسی نے تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں ان مصائب میں ڈال دیا ہے اور تمہارے اعمال ہی تمہاری اس سزا کا سبب بنے ہیں۔

درحقیقت تمہارے لئے یہ خدا کی ایک عظیم آزمائش ہے جی ہاں: ''تم ہی ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جائے گی''۔ [2]

یہ خدا کی آزمائش ہوتی ہے اور خبردار کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں تاکہ جو لوگ سنبھل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سنبھل جائیں، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، غلط راستے کو چھوڑ کر خدائی راستے کو اختیار کریں۔

ناقہ صالح علیہ السلام

اس کے بعد آپ نے اپنی دعوت کی حقانیت کے لئے معجزے اور نشانی کی نشاندہی کی، ایسی نشانی جو انسانی قدرت سے ماورا ہے اور صرف قدرت الٰہی کے سہارے پیش کی گئی ہے ان سے کہا: ''اے میری قوم: یہ ناقہ الٰہی تمہارے لئے آیت اور نشانی ہے اسے چھوڑ دو کہ یہ بیابانوں چراگاہوں میں گھاس پھوس کھائے''، ''اور اسے ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچانا اگر ایسا کرو گے تو فوراً تمہیں دردناک عذاب الٰہی گھیر لے گا''۔ [3]

لغت میں ''ناقہ'' اونٹنی کے معنی میں ہے۔ یہاں اور قرآن کی بعض دیگر آیات میں اس

---

[1] سورہ نمل آیت 47

[2] سورہ نمل آیت 47

[3] سورہ ہود آیت 64

کی اضافت خدا کی طرف سے کی گئی ہے یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یہ اونٹنی کچھ خصوصیات رکھتی تھی

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں پر اس کا ذکر آیت الٰہی اور دلیل حقانیت کے طور پر آیا ہے، واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اونٹنی ایک عام اونٹنی نہ تھی اور ایک حوالے سے یا کئی حوالوں سے معجزہ کے طور پر تھی لیکن قرآن میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ نہیں آیا کہ اس ناقہ کی خصوصیات کیا تھیں اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام اونٹنی نہ تھی۔ بس یہی ایک چیز قرآن میں دو مواقع پر موجود ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اس ناقہ کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا کہ اس علاقے میں پانی کی تقسیم ہونا چاہیے "ایک دن پانی ناقہ کا حصہ ہے اور ایک دن لوگوں کا"۔ [1]

لیکن یہ بات پوری طرح مشخص نہیں ہو سکی کہ پانی کی یہ تقسیم کس طرح خارق العادت تھی ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اونٹنی بہت زیادہ پانی پیتی تھی اس طرح چشمہ کا تمام پانی اس کے لئے مخصوص ہو جاتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس وقت وہ پانی پینے کے لئے آتی تو دوسرے جانور پانی پینے کی جگہ پر آنے کی جرأت نہ کرتے۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ جانور تمام پانی سے کس طرح استفادہ کرتا تھا اس سلسلے میں یہ احتمال ہے کہ اس بستی کا پانی کم مقدار میں ہو جیسے بعض بستیوں میں ایک ہی چھوٹا سا چشمہ ہوتا ہے اور بستی والے مجبور ہوتے ہیں کہ دن بھر کا پانی ایک گڑھے میں اکٹھا کریں تاکہ کچھ مقدار جمع ہو جائے اور اسے استعمال کیا جا سکے۔

لیکن دوسری طرف قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ "قوم ثمود تھوڑے پانی والے علاقے میں زندگی بسر نہیں کرتی تھی بلکہ وہ لوگ تو باغوں، چشموں، کھیتوں اور نخلستان کے مالک تھے"۔ [2]

بہر حال جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ ناقہ صالح کے بارے میں اس مسئلہ پر قرآن نے

---

[1] سورۂ شعراء آیت 155

[2] سورۂ شعراء آیت 146 تا 148

اجمالاً ذکر کیا نیز سورۂ قمر کی آیت 28 میں ہے:

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

سورۂ شمس آیت ۱۳ میں بھی اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے:

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ﴿١٣﴾

ہے لیکن بعض روایات جو شیعہ اور سنی دونوں فریقوں کے یہاں نقل ہوئی ہیں ان میں بیان ہوا ہے کہ اس ناقہ کے عجائب خلقت میں سے یہ تھا کہ وہ پہاڑ کے اندر سے باہر نکلی اس کے بارے میں کچھ اور خصوصیات بھی منقول ہیں۔

بہر کیف حضرت صالح علیہ السلام جیسے عظیم نبی نے اس ناقہ کے بارے میں بہت سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے آخر کار ناقہ کو ختم کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کیونکہ اس کی خارق العادۃ اور غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہو رہی تھی اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف مائل ہو رہے تھے لہٰذا قوم ثمود کے کچھ سرکشوں نے جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے اثرات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے اور وہ ہرگز لوگوں کی بیداری نہیں چاہتے تھے کیونکہ خلق خدا کی بیداری سے ان کے استعماری مفادات کو نقصان پہنچتا، لہٰذا انہوں نے ناقہ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی کچھ افراد کو اس کام پر مامور کیا گیا آخر کار ان میں سے ایک نے ناقہ پر حملہ کیا اور اس پر ایک یا کئی وار کئے "اور اسے مار ڈالا"۔ [1]

اگر تم سچے ہو تو عذاب میں جلدی کرو

انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کے بعد وہ حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئے اور اعلانیہ ان سے کہنے لگے: "اگر تم واقعاً خدا کے رسول ہو تو جتنی جلد ہو سکے عذاب الٰہی

[1] سورۂ اعراف آیت 77

لے آؤ"۔ [1]

لیکن صالح علیہ السلام نے کہا: "اے میری قوم: تم نیکیوں کی کوشش اور ان کی تلاش سے پہلے ہی عذاب اور برائیوں کے لئے جلدی کیوں کرتے ہو؟" [2]

تم اپنی تمام تر فکر عذاب الہی کے نازل ہونے پر ہی کیوں مرکوز کرتے ہو؟ اگر تم پر عذاب نازل ہو گیا تو پھر تمہارا خاتمہ ہو جائے گا اور ایمان لانے کا موقع بھی ہاتھ سے چلا جائے گا۔ آؤ اور خدا کی برکت اور اس کی رحمت کے ساتھ ایمان کے زیر سایہ میری سچائی کو آزماؤ تم خدا کی بارگاہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کیوں نہیں کرتے ہو؟ تاکہ اس کی رحمت میں شامل ہو جاؤ صرف برائیوں اور عذاب نازل ہونے کا تقاضا کیوں کرتے ہو؟ یہ ہٹ دھری اور پاگل پن کی باتیں آخر کس لئے؟ یہ بات واقعاً عجیب ہے کہ انسان دعوائے محبت کی صداقت کو تباہ کن عذاب کے ذریعہ جانچ رہا ہے نہ کہ رحمت کا سوال کر کے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ قلبی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کے معترف تھے لیکن زبان سے اس کا انکار کیا کرتے تھے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص علم طب کا مدعی ہو اور اسے معلوم ہو کہ فلاں دوا سے صحت اور شفا حاصل ہوتی ہے اور فلاں چیز سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن وہ ایسی دوا حاصل کرنے کی کوشش کرے جو مہلک ہے نہ کہ جو مفید اور شفاء بخش۔ یہ تو واقعاً جہالت و نادانی کی حد ہے، کیونکہ یہ سب جہالت ہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی سرکشی، نافرمانی اور اس کے ہاتھوں قتل ناقہ کے بعد اسے خطرے سے آگاہ کیا اور کہا:

"پورے تین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے چاہو استفادہ کرو اور جان لو کہ

---

[1] سورہ اعراف آیت 77

[2] سورہ نمل آیت 46

ان تین دنوں کے بعد عذاب الٰہی آ کے رہے گا"۔ [1]

قوم ثمود کا انجام

قرآن کریم میں اس سرکش قوم (قوم ثمود) پر تین دن کی مدت ختم ہونے پر نزول عذاب کی کیفیت بیان کی گئی ہے: "اس گروہ پر عذاب کے بارے میں جب ہمارا حکم آ پہنچا تو صالح اور اس پر ایمان لانے والوں کو ہم نے اپنی رحمت کے زیر سایہ نجات بخشی"۔ [2]

انہیں نہ صرف جسمانی و مادی عذاب سے نجات بخشی بلکہ "رسوائی، خواری اور بے آبروئی سے بھی انہیں نجات عطا کی کہ جو اس روز اس سرکش قوم کو دامنگیر تھی"۔ [3]

کیونکہ تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر اور ہر کام پر تسلط رکھتا ہے اس کے لئے کچھ محال نہیں ہے اور اس کے ارادے کے سامنے کوئی طاقت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی، "لہٰذا اکثر جمعیت کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے سے صاحب ایمان گروہ کو کسی قسم کی کوئی مشکل اور زحمت پیش نہیں ہوگی یہ رحمت الٰہی ہے جس کا تقاضا ہے کہ بے گناہ، گنہگاروں کی آگ میں نہ جلیں اور بے ایمان افراد کی وجہ سے مومنین گرفتار بلا نہ ہوں۔

"لیکن ظالموں کو صیحہ آسمانی نے گھیر لیا اس طرح سے کہ یہ چیخ نہایت سخت اور وحشت ناک تھی اس کے اثر سے وہ سب کے سب گھروں ہی میں زمین پر گر کر مر گئے، وہ اس طرح مرے اور نابود ہوئے اور ان کے آثار مٹ گئے کہ گویا وہ اس سرزمین میں کبھی رہتے ہی نہ تھے"۔ [4]

---

[1] سورہ ہود آیت 65

[2] سورہ ہود آیت 66

[3] سورہ ہود آیت 66

[4] سورہ ہود آیت 67-68

جان لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا تھا اور انہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔" دور ہو قوم ثمود، اللہ کے لطف و رحمت سے اور ان پر لعنت ہو"۔ [1]

"صیحة" سے کیا مراد ہے؟

"صیحة۔ لغت میں "بہت بلند آواز" کو کہتے ہیں جو عام طور پر کسی انسان یا جانور کے منہ سے نکلتی ہے لیکن اس کا مفہوم اسی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی "نہایت بلند آواز" اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

آیات قرآنی کے مطابق صیحہ آسمانی کے ذریعہ چند ایک گنہگار قوموں کو سزا دی گئی ہے ان میں سے ایک یہی قوم ثمود تھی، دوسری قوم لوط [2]، اور تیسری قوم شعیب۔ [3]

قرآن کی دوسری آیات سے قوم ثمود کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاعقہ کے ذریعہ سزا ہوئی ارشاد الٰہی ہے: "اگر وہ منہ پھیر لیں تو پھر کہہ دو کہ میں ایسی بجلی سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر گری"۔ [4]

یہ چیز نشاندہی کرتی ہے کہ "صیحہ" سے مراد "صاعقہ" کی وحشت ناک آواز ہے۔

آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام بھی ایک عمومی صیحہ کے ذریعے ہوگا۔

فطری اور طبیعی ہے کہ اگر آواز کی لہروں کی شدت اس سے بھی زیادہ ہو جائے تو آسانی سے ممکن ہے کہ اعصاب میں، دماغ کی رگوں میں اور دل کی دھڑکن میں تباہ کن اختلال پیدا ہو جائے جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے۔ آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام میں تباہ کن اختلال پیدا ہو جائے گا جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے گا۔

[1] سورہ ہود آیت 86

[2] سورہ حجر آیت 73

[3] سورہ ہود آیت 94

[4] سورہ فصلت آیت 13

حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والے افراد

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کے دوستوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ جو آپ کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے اور حکم پروردگار کے مطابق فساد و گناہ سے لبریز اس علاقہ سے کوچ کر کے ''حضر موت'' جا پہنچے تھے۔

وادی القریٰ میں نو (9) مفسد ٹولوں کی سازش

یہاں پر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے جو درحقیقت گزشتہ حصے کا تتمہ ہے اور اسی پر اس داستان کا اختتام ہوتا ہے۔ اس میں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کا ذکر ہے جو نو کافر اور منافق لوگوں نے تیار کیا تھا اور خدا نے ان کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

فرمایا گیا ہے: ''اس شہر (وادی القریٰ) میں نو ٹولے تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔'' [1]

ان نو میں سے ہر گروہ کا ایک ایک سربراہ بھی تھا اور شاید ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قبیلے کی طرف منسوب بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ جب صالح علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور اپنا مقدس اور اصلاحی آئین لوگوں کے سامنے پیش کیا تو ان ٹولوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا یہی وجہ ہے کہ قرآن کے مطابق انھوں نے کہا: ''آؤ خدا کی قسم اٹھا کر عہد کریں کہ صالح علیہ السلام اور ان کے خاندان پر شب خون مار کر انہیں قتل کر دیں گے پھر ان کے خون کے وارث سے کہیں گے کہ ہمیں اس کے خاندان کے قتل کی کوئی خبر نہیں اور اپنی اس بات میں ہم بالکل سچے ہیں۔'' [2]

---

[1] سورہ نمل آیت 48

[2] سورہ نمل آیت 49

پھر لائق غور بات یہ ہے کہ انھوں نے قسم بھی "اللہ" کی کھائی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کو پوجنے کے علاوہ زمین وآسمان کے خالق اللہ پر بھی عقیدہ رکھتے تھے اور اپنے اہم مسائل میں اسی کے نام کی قسم کھاتے تھے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ اتنے مغرور اور بدمست ہو چکے تھے کہ اس قدر ہولناک جرم کے ارتکاب کے لئے بھی انھوں نے خدا ہی کا نام لیا گویا وہ کوئی اہم عبادت یا کوئی ایسا کام انجام دینے لگے ہوں جو اللہ کو بہت منظور ہے خدا سے بے خبر مغرور اور گمراہ لوگوں کا وطیرہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

وہ صالح علیہ السلام کے ہمنواؤں اور ان کے قوم وقبیلہ سے خوف کھاتے تھے لہٰذا انھوں نے ایسا منصوبہ بنایا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جائیں اور صالح علیہ السلام کے طرفداروں کے غیظ وغضب کا بھی شکار نہ ہوں۔ گویا وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے بنا بر این انھوں نے رات کے وقت حملہ کی ترکیب سوچی اور طے کرلیا کہ جب بھی کوئی شخص ان سے پوچھ گچھ کرے گا تو سب متفق ہو کر قسم اٹھائیں گے کہ اس منصوبے میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا یہاں تک کہ وہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ (کیونکہ ان کی صالح علیہ السلام کے ساتھ مخالفت پہلے سے دنیا کو معلوم تھی)۔

تاریخوں میں ہے کہ ان کی سازش کچھ یوں تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک پہاڑ تھا اور پہاڑ میں ایک غار تھی جس میں جناب صالح علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار وہ رات کو بھی اسی غار میں جا کر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے تھے اور اس سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔

انھوں نے طے کرلیا کہ وہاں کمین لگا کر بیٹھ جائیں گے جب بھی صالح وہاں آئیں گے انہیں قتل کردیں گے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ پر حملہ کر کے انہیں بھی راتوں رات موت کے گھاٹ اتار دیں گے پھر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اگر ان سے اس بارے میں کسی نے پوچھ بھی لیا تو اس سے لاعلمی کا اظہار کردیں گے۔

یہ خالی گھر ان کے ہیں؟

.. لیکن خداوند عالم نے ان کی اس سازش کو عجیب وغریب طریقے سے ناکام بنادیا اور ان کے اس منصوبے کو نقش برآب کردیا۔ جب وہ ایک کونے میں گھات لگائے بیٹھے تھے تو پہاڑ سے پتھر گرنے لگے اور ایک بہت بڑا ٹکڑا پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور آن کی آن میں اس نے ان سب کا صفایا کردیا۔ پھر قرآن پاک ان کی ہلاکت کی کیفیت اور ان کے انجام کو یوں بیان کرتا ہے: "دیکھو یہ ان لوگوں ہی کے گھر ہیں کہ جو اب ان کے ظلم وستم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں"۔ [1]

نہ وہاں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ نہ کسی قسم کا شور شرابہ سننے میں آتا ہے اور نہ ہی وہ زرق برق گناہ بھری محفلیں دکھائی دیتی ہیں۔

جی ہاں: وہاں پر ظلم وستم کی آگ بھڑکی جس نے سب کو جلا کر راکھ کردیا۔

"ظالموں کے اس انجام میں خداوند عالم کی قدرت کی واضح نشانی اور درس عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم وآگہی رکھتے ہیں"۔ [2]

لیکن اس بھٹی میں سب خشک وتر نہیں جلے بلکہ بے گناہ افراد، گناہگاروں کی آگ میں جلنے سے بچ گئے ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لا چکے تھے اور تقویٰ اختیار کر چکے تھے۔

بنابرایں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کے بعد ہی عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر کے قتل کی سازش کے واقعے میں فقط سازشی ٹولے ہلاک ہوئے اور دوسرے ظالموں کو سنبھل جانے کے لئے مہلت دی گئی، لیکن ناقہ کے قتل کے بعد تمام ظالم اور بے ایمان گناہگار فنا ہوگئے جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ اعراف کی آیات کے ملانے سے یہی نکلتا ہے۔

---

[1] سورہ نمل آیت 52

[2] سورہ نمل آیت 52

حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں 69 مقامات پر آیا ہے اور 65 سورتوں میں ان کے متعلق گفتگو ہوئی ہے، قرآن کریم میں اس عظیم پیغمبر کی بہت مدح وثناء کی گئی ہے۔ اور ان کے بلند صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی ذات ہر لحاظ سے راہنما اور اسوہ ہے اور وہ ایک کامل انسان کا نمونہ تھے۔

خدا کے بارے میں ان کی معرفت، بت پرستوں کے بارے میں ان کی منطق، جابر و قاہر بادشاہوں کے سامنے ان کا انتھک جہاد، حکم خدا کے سامنے ان کا ایثار اور قربانیاں، طوفان، حوادث اور سخت آزمائشوں میں ان کی بے نظیر استقامت، صبر اور حوصلے اور ان جیسے دیگر امور، ان میں سے ہر ایک مفصل داستان ہے اور ان میں مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ قرآنی ارشادات کے مطابق وہ ایک نیک اور صالح، [1] فروتنی کرنے والے، [2] صدیق، [3] بردبار [4] اور

---

[1] سورہ ص آیت 44

[2] سورہ نحل آیت 122

[3] سورہ نحل آیت 120

[4] سورہ مریم آیت 41

ایفائے عہد کرنے والے تھے۔ [1] وہ ایک بے مثال شجاع اور بہادر تھے۔ نیز بہت زیادہ سخی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پر تلاطم زندگی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو تین دور میں بیان کیا جاسکتا ہے:

1۔ قبل بعثت کا دور۔

2۔ دور نبوت اور بابل کے بت پرستوں سے مقابلہ۔

3۔ بابل سے ہجرت اور مصر، فلسطین اور مکہ میں سعی و کوشش کا دور۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے۔ یہ دنیا کا حیرت انگیز اور عمدہ خطہ تھا۔ اس پر ایک ظالم و جابر اور طاقتور حکومت مسلط تھی۔ [2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو بابل پر نمرود جیسا جابر و ظالم بادشاہ حکمران تھا۔ وہ اپنے آپ کو بابل کا بڑا خدا سمجھتا تھا۔ البتہ بابل کے لوگوں کے لئے یہی ایک بت نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مختلف مواد کے بنے ہوئے مختلف شکلوں کے کئی ایک بت تھے۔ وہ ان کے سامنے جھکتے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

حکومت وقت سادہ لوح افراد کو بیوقوف بنانے اور انہیں افیون زدہ رکھنے کے لئے بت

---

[1] سورہ توبہ آیت 114

[2] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ملک بابل کے شہر آور میں پیدا ہوئے۔

پرستی کو ایک موثر ذریعہ سمجھتی تھی لہٰذا وہ بت پرستی کی سخت حامی تھی۔ وہ کسی بھی بت کی اہانت کو بہت بڑا ناقابل معافی جرم قرار دیتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں مورخین نے عجیب وغریب داستان نقل کی ہے جس کا خلاصہ یوں پیش کیا جاتا ہے: بابل کے نجومیوں نے پیشن گوئی کی تھی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو نمرود کی غیر متنازعہ طاقت سے مقابلہ کرے گا۔ لہٰذا اس نے اپنی تمام توتیں اس بات پر صرف کردیں کہ وہ بچہ پیدا نہ ہو۔ اس کی کوشش تھی کہ ایسا بچہ پیدا ہو بھی جائے تو اسے قتل کردیا جائے۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور یہ بچہ آخر کار پیدا ہوگیا اس بچے کی جائے ولادت کے قریب ہی ایک غار تھی۔ اس کی ماں اس کی حفاظت کے لئے اسے اس میں لے گئی اور اسکی پرورش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس کی عمر کے تیرہ برس وہیں گزر گئے۔

اب بچہ نمرود کے جاسوسوں سے بچ بچ کر نوجوانی میں قدم رکھ چکا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اس عالم تنہائی کو چھوڑ دیا جائے اور لوگوں تک وہ درس توحید پہنچائے جو اس نے باطنی الہام اور فکری مطالعے سے حاصل کیا تھا۔

دور نبوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کب مبعوث نبوت ہوئے، اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ البتہ سورہ مریم سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنے چچا آزر سے بحث چھیڑی تو آپ مقام نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ آیت کہتی ہے کہ: ''اس کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو، وہ خدا کا بہت ہی سچا نبی تھا''۔ جب اس نے اپنے باپ (چچا) سے کہا: ''اے بابا تو ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے کہ جو نہ سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور تیری کوئی مشکل بھی حل

نہیں کرتی"۔ [1]

ہم جانتے ہیں کہ یہ واقعہ بت پرستوں کے ساتھ شدید معرکہ آرائی اور آپ کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کا ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 16 سال تھی۔ ہم اس کے ساتھ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ عظیم کار رسالت آغاز نوجوانی میں آپ کے دوش پر آن پڑا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ برجستہ صفات

قرآن مجید میں خدا کی شکر گزاری ایک کامل مصداق یعنی مکتب توحید کے مجاہد اور علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا ذکر اس لحاظ سے بھی خصوصیت کا حامل ہے کہ مسلمان بالعموم اور عرب بالخصوص حضرت ابراہیم کو اپنا پہلا پیشوا اور مقتداء سمجھتے ہیں۔

اس عظیم اور بہادر انسان کی صفات میں سے یہاں صرف پانچ صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

پہلے فرمایا گیا ہے: "ابراہیم اپنی ذات میں ایک امت تھے"۔ [2]

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "امت" کیوں قرار دیا گیا، مفسرین نے مختلف نکات بیان کیے ہیں ان میں سے چار قابل ملاحظہ ہیں:

1۔ ابراہیم علیہ السلام انسانیت کے عظیم رہبر، مقتداء اور معلم تھے اسی بناء پر انہیں امت کہا گیا ہے کیونکہ "امت" اسم مفعول کے معنی میں اسے کہا جاتا ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور جس کی رہبری لوگ قبول کریں۔

---

[1] سورہ مریم آیت 41، 42

[2] سورہ نحل آیت 120

2۔ ابراہیم علیہ السلام ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ اپنی ذات میں ایک امت تھے۔ کیونکہ بعض اوقات کسی انسان کی شخصیت کا نور اتنی وسیع شعاعوں کا حامل ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک دو یا بہت سے افراد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی شخصیت ایک عظیم امت کے برابر ہوجاتی ہے۔

ان دونوں معانی میں ایک خاص روحانی تعلق ہے کیونکہ جو شخص کسی ملت کا سچا پیشوا ہوتا ہے وہ ان سب کے اعمال میں شریک اور حصہ دار ہوتا ہے اور گویا وہ خود امت ہوتا ہے۔

3۔ وہ ماحول کہ جس میں کوئی خدا پرست نہ تھا اور جس میں سب لوگ شرک و بت پرستی کے جوہڑ میں غوطہ زن تھے۔ اس میں ابراہیم علیہ السلام تن تنہا موحد اور توحید پرست تھے پس آپ تنہا ایک امت تھے اور اس دور کے مشرکین ایک الگ امت تھے۔

4۔ ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے وجود کا سرچشمہ تھے اسی لئے آپ کو "امت" کہا گیا ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ اپنے دامن میں یہ تمام وسیع معانی لئے ہوئے ہو۔

جی ہاں، ابراہیم ایک امت تھے۔

وہ ایک عظیم پیشوا تھے۔

وہ ایک امت ساز جواں مرد تھے۔

جس ماحول میں کوئی توحید کا دم بھرنے والا نہ تھا وہ توحید کے عظیم علمبردار تھے۔

2۔ ان کی دوسری صفت یہ تھی کہ "وہ اللہ کے مطیع بندے تھے"۔ [1]

3۔ "وہ ہمیشہ اللہ کے سیدھے راستے اور طریق حق پر چلتے تھے"۔ [2]

4۔ "وہ کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے"۔ [3]

---

[1] سورہ نحل آیت 120

[2] سورہ نحل آیت 120

[3] سورہ نحل آیت 120

ان کے فکر کے ہر پہلو میں، ان کے دل کے ہر گوشے میں اور ان کی زندگی کے ہر طرف اللہ ہی کا نور جلوہ گر تھا۔

5۔ ان تمام خصوصیات کے علاوہ ''وہ ایسے جواں مرد تھے کہ اللہ کی سب نعمتوں پر شکر گزار تھے''۔ [1]

ان پانچ صفات کو بیان کرنے کے بعد ان کے اہم نتائج بیان کیے گئے ہیں:

1۔ ''اللہ نے ابراہیم کو نبوت اور دعوت کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا''۔ [2]

2۔ ''اللہ نے انہیں راہ راست کی ہدایت کی''۔ [3]

اور انہیں ہر قسم کی لغزش اور انحراف سے بچایا۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ خدائی ہدایت ہمیشہ لیاقت واہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جس کا مظاہرہ خود انسان کی طرف سے ہوتا ہے اس کی طرف سے کسی کو کوئی چیز استعداد اور کسی حساب کتاب کے بغیر نہیں دی جاتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی بنیاد پر یہ ہدایت نصیب ہوئی۔

3۔ ''ہم نے دنیا میں انہیں ''حسنہ'' سے نوازا وسیع معنی کے اعتبار سے ''حسنہ'' میں ہر قسم کی نیکی اور اچھائی کا مفہوم موجود ہے اس میں مقام نبوت رسالت سے لے کر اچھی اولاد وغیرہ تک کا مفہوم موجود ہے۔

4۔ ''اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے''۔ [4]

5۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا امتیاز عطا فرمایا ہے کہ ان کا مکتب و مذہب صرف ان کے اہل زمانہ کے لئے نہ تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے تھا خاص طور

---

[1] سورہ نحل آیت 121

[2] سورہ نحل آیت 121

[3] سورہ نحل آیت 121

[4] سورہ نحل آیت 122

پر اسلامی امت کے لئے بھی یہ ایک الہام بخش مکتب قرار پایا ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''پھر ہم نے تجھے وحی کی دین ابراہیم کی اتباع کر کہ جو خالص توحید کا دین ہے''۔ [1]

ابراہیم علیہ السلام سب کے لئے نمونہ ہیں

قرآن مجید بہت سے موارد میں اپنی تعلیمات کی تکمیل کے لئے ایسے نمونے جو جہان انسانیت میں موجود ہیں، گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس لئے قرآن میں بھی دشمنان خدا سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے بعد، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقہ کار میں ایک ایسے عظیم پیشوا کے عنوان سے جو تمام اقوام کے لئے اور خاص طور پر قوم عرب کے لئے احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔'' [2]

ابراہیم علیہ السلام پیغمبروں کے بزرگ تھے۔ ان کی زندگی سرتا سر خدا کی عبودیت، جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی پاک ذات کے عشق کے لئے ایک سبق تھی۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کہ امت اسلامی ان کی بابرکت دعا کا نتیجہ ہے اور ان کے رکھے ہوئے نام پر فخر کرتی ہے: وہ تمہارے لئے اس سلسلہ میں ایک اچھا نمونہ بن سکتے ہیں۔

"**والذین معه**" (جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے) کی تعبیر سے مراد وہ مومنین ہیں جو اس راہ میں ان کے پیرو اور ساتھی رہے۔ اگر چہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔ باقی رہا یہ احتمال کہ اس سے مراد وہ پیغمبر ہیں جو آپ کے ساتھ ہم آواز تھے یا ان کے زمانے کے پیغمبر، جیسا کہ بعض نے احتمال دیا ہے۔ تاہم یہ بہت بعید نظر آتا ہے۔ خصوصاً جبکہ مناسب یہ ہے کہ قرآن

---

[1] سورہ نحل آیت 4

[2] سورہ ممتحنہ آیت 4

یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اور مسلمانوں کو ان کے اصحاب اور انصار سے تشبیہ دے۔

یہ تواریخ میں بھی آیا ہے کہ بابل میں ایک گروہ ایسا تھا، جو ابراہیم علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد ان پر ایمان لے آیا تھا اور شام کی طرف ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کچھ وفادار یار و انصار بھی تھے۔

شائستہ اولاد

قرآن کریم میں بعض ان نعمات میں سے ایک کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی تھیں، اور وہ نعمت ہے صالح اور آبرومند اور لائق نسل جو نعمات الٰہی میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب (فرزند اسحاق) عطا کئے''۔ [1]

اور اگر یہاں ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند اسماعیل کی طرف اشارہ نہیں ہوا بلکہ بحث کے دوران کہیں ذکر آیا ہے شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اسحاق کا سارہ جیسی بانجھ ماں سے پیدا ہونا، وہ بھی بڑھاپے کی عمر میں، بہت عجیب و غریب امر اور ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کہیں یہ تصور نہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے دور میں کوئی علم بردار توحید نہیں تھا اور یہ کام بس انہی کے زمانے سے شروع ہوا ہے مزید کہتا ہے: ''اس سے پہلے ہم نے نوح کی بھی ہدایت و رہبری کی تھی''۔ [2]

---

[1] سورہ انعام آیت 84

[2] سورہ انعام آیت 84

اور ہم جانتے ہیں کہ نوح پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جو آئین وشریعت کے حامل تھے اور وہ پیغمبران اولوالعزم کے سلسلے کی پہلی کڑی تھے۔

حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت اور ان کے مقام کی طرف اشارہ کر کے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں، اور اسی طرح پیغمبروں کے اس گروہ کے مقام کا تذکرہ کر کے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ذریت میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ممتاز حیثیت کو وراثت، اصل اور ثمرہ کے حوالے سے مشخص کیا گیا ہے۔

اور اس کے بعد بہت سے انبیاء کے نام گنوائے ہیں جو ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون تھے''۔ [1]

اس کے بعد: ''زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کا نام لیا گیا ہے اور مزید کہا گیا ہے کہ یہ سب صالحین میں سے تھے۔'' [2]

آذر سے گفتگو

اس کے بعد ان کی اپنے باپ آزر کے ساتھ گفتگو بیان کی گئی ہے۔ (یہاں باپ سے مراد چچا ہے اور لفظ ''ابا'' عربی لغت میں کبھی باپ کے معنی میں اور کبھی چچا کے معنی میں آتا ہے)۔

قرآن کہتا ہے: اس وقت جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا: تو ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور نہ ہی تیری کوئی مشکل حل کر سکتی ہے۔ [3]

---

[1] سورہ انعام آیت 84

[2] سورہ انعام آیت 85

[3] سورہ مریم آیت 42

یہ مختصر اور زوردار بیان شرک اور بت پرستی کی نفی ونقصان کا احتمال ہے اسے علمائے عقائد "دفع ضرر محتمل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں کہ تو ایسے معبود کی طرف کیوں جاتا ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ تیری کسی مشکل کو حل نہیں کر سکتا، بلکہ وہ تو اصلاً سننے اور دیکھنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

دوسرے لفظوں میں عبادت ایسی ہستی کی کرنی چاہئے کہ جو مشکلات حل کرنے کی قدرت رکھتی ہو، اپنی عبادت کرنے والے کی حاجات وضروریات کو جانتی، دیکھتی اور سن سکتی ہو لیکن ان بتوں میں یہ تمام باتیں مفقود ہیں۔

درحقیقت ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنی دعوت اپنے چچا سے شروع کرتے ہیں، کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں اثر ونفوذ پیدا کرنا زیادہ ضروری ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ پہلے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام واضح منطق کے ساتھ اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس امر میں ان کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں: "اے بابا! مجھے وہ علم ودانش ملی ہے جو تجھے نصیب نہیں ہوئی اس بنا پر تو میری پیروی کر اور میری بات سن میری پیروی کرتا کہ میں تجھے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کروں"۔

میں نے وحی الٰہی کے ذریعہ سے بہت علم وآگہی حاصل کی ہے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں خطا کے راستے پر نہیں چلوں گا تجھے بھی ہرگز غلط راستے کی دعوت نہیں دوں گا میں تیری خوش بختی وسعادت کا خواہاں ہوں تو میری بات مان لے تا کہ فلاح ونجات حاصل کر سکے اور اس صراط مستقیم کو طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ جا۔

اس کے بعد اس اثباتی پہلو کو منفی پہلو اور ان آثار کے ساتھ ملاتے ہوئے، کہ جو اس دعوت پر مترتب ہوتے ہیں، کہتے ہیں: "اے بابا: شیطان کی پرستش نہ کر کیونکہ شیطان ہمیشہ

خدائے رحمٰن کا نافرمان رہا ہے"۔ [1]

البتہ ظاہر ہے کہ یہاں عبادت سے مراد شیطان کے لئے سجدہ کرنے اور نماز روزہ بجالانے والی عبادت نہیں ہے بلکہ اطاعت اور اس کے علم کی پیروی کرنے کے معنی میں ہے اور یہ بات خود ایک قسم کی عبادت شمار ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ پھر اسے شرک اور بت پرستی کے برے نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے بابا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تیرے اختیار کردہ شرک و بت پرستی کے سبب خدائے رحمٰن کی طرف سے تجھ پر عذاب آئے اور تو اولیائے شیطان میں سے ہو جائے۔ [2]

اے ابراہیم تم پر پتھر برساؤں گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان کے چچا کی ہدایت کے سلسلے میں منطقی باتیں جو خاص لطف و محبت کی آمیزش رکھتی تھیں گزر چکی ہیں اب آزر کے جوابات بیان کرنے کی نوبت ہے تاکہ ان دونوں کا آپس میں موازنہ کرنے سے حقیقت اور واقعیت ظاہر ہو جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ نہ صرف ابراہیم کی دل سوزیاں اور ان کا مدلل بیان آزر کے دل پر اثر انداز نہ ہو سکا بلکہ وہ ان باتوں کو سن کر سخت برہم ہوا، اور اس نے کہا: "اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے خداؤں سے روگردان ہے، اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گا تو میں ضرور ضرور تجھے سنگسار کروں گا، اور تو اب مجھ سے دور ہو جا میں پھر تجھے نہ دیکھوں"۔ [3]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اولاً آزر یہ تک کہنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ بتوں کے انکار، یا

---

[1] سورہ مریم آیت 44

[2] سورہ مریم آیت 45

[3] سورہ مریم آیت 46

مخالفت اور ان کے بارے میں بدگوئی کا ذکر زبان پر لائے، بلکہ بس اتنا کہا: کیا تو بتوں سے روگردان ہے؟ تا کہ کہیں ایسا نہ ہو بتوں کے حق میں جسارت ہو جائے ثانیاً ابراہیم علیہ السلام کو تہدید کرتے وقت اسے سنگسار کرنے کی تہدید کی وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ جو ''لام'' اور ''نون'' تاکید ثقیلہ سے جو "لارجمنك" میں وارد ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ سنگسار کرنا قتل کرنے کی ایک بدترین قسم ہے ثالثاً اس مشروط تہدید اور دھمکی پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اس حالت میں جناب ابراہیم کو ایک ناقابل برداشت وجود شمار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے دور ہو جا۔

یہ تعبیر بہت ہی توہین آمیز ہے، جسے سخت مزاج افراد اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور فارسی زبان میں اس کی جگہ ''گورت راگم کن'' کہتے ہیں، یعنی نہ صرف اپنے آپ کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھپالے بلکہ کسی ایسی جگہ چلے جاؤ کہ میں تمہاری قبر تک کو بھی نہ دیکھوں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام پیغمبروں اور آسمانی رہبروں کی مانند اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھا، اور تندی اور تیزی اور شدید خشونت و سختی کے مقابلے میں انتہائی بزرگواری کے ساتھ کہا: ''سلام ہو تجھ پر''۔ [1]

ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام الوداعی اور خدا حافظی کا سلام ہو، کیونکہ اس کے چند جملوں کے کہنے کے بعد حضرت ابرہیم علیہ السلام نے آزر کو چھوڑ دیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام ہو کہ جو دعوی اور بحث کو ترک کرنے کے لئے کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ قصص میں ہے: ''اب جبکہ تم ہماری بات قبول نہیں کرتے ہو، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہے ہم جاہلوں کے ہوا خواہ نہیں ہیں''۔ [2]

اس کے بعد مزید کہا: ''میں عنقریب تیرے لئے اپنے پروردگار سے بخشش کی

---

[1] سورہ مریم آیت 47

[2] سورہ قصص آیت 55

درخواست کروں گا، کیونکہ وہ میرے لئے رحیم ولطیف اور مہربان ہے"۔ [1]

حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کی خشونت وسختی اور تہدید ودھمکی کے مقابلے میں اسی جیسا جواب دینے کی بجائے اس کے برخلاف جواب دیا اور اس کے لئے پروردگار سے استغفار کرنے اور اس کے لئے بخشش کی دعا کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ: "میں تم سے (تجھ سے اور اس بت پرست قوم سے) کنارہ کشی کرتا ہوں اور اسی طرح ان سے بھی کہ جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو، یعنی بتوں سے بھی (کنارہ کشی کرتا ہوں)" "اور میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری دعا میرے پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئے بغیر نہیں رہے گا"۔ [2]

قرآن ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے مقابلے میں ادب کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ اس نے کہا کہ مجھ سے دور ہو جا تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسے قبول کرلیا اور دوسری طرف ان کی اپنے عقیدہ میں قاطعیت اور یقین کو واضح کرتی ہے یعنی وہ واضح کر رہے ہیں کہ میری تم سے یہ دوری اس بناء پر نہیں ہے کہ میں نے اپنے توحید اعتقاد راسخ سے دستبرداری اختیار کرلی ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ میں تمہارے نظریہ کو حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، لہٰذا میں اپنے عقیدے پر اسی طرح قائم ہوں۔

ضمنی طور پر یہ کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے خدا سے دعا کروں تو وہ میری دعا کو قبول کرتا ہے لیکن تم بیچارے تو اپنے سے زیادہ بیچاروں کو پکارتے ہو اور تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ تو تمہاری باتوں کو سنتے تک نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول کی وفا کی اور اپنے عقیدہ پر جتنا زیادہ سے زیادہ استقامت کے ساتھ رہا جا سکتا ہے، باقی رہے، ہمیشہ توحید کی منادی کرتے رہے اگرچہ اس وقت کے تمام

---

[1] سورہ مریم آیت 47

[2] سورہ مریم آیت 48

ؤسد اور برے معاشرے نے ان کے خلاف قیام کیا لیکن وہ جناب بالآخر اکیلے نہ رہے اور تمام قرون و اعصار میں بہت سے پیروکار پیدا کر لیے اس طور پر کہ دنیا کے تمام خدا پرست لوگ ان کے وجود پر فخر کرتے ہیں۔ [1]

لفظ "اب" عربی زبان میں عام طور پر باپ کے لئے بولا جاتا ہے، اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بعض اوقات چچا، نانا، مربی و معلم اور اسی طرح وہ افراد کہ جو انسان کی تربیت میں کچھ نہ کچھ زحمت و مشقت اٹھاتے ہیں ان پر بھی بولا جاتا ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ جب یہ لفظ بولا جائے اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو پھر معنی کے لئے پہلے باپ ہی ذہن میں آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سچ قرآن کہتا ہے کہ وہ بت پرست شخص (آزر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا، تو کیا ایک بت پرست اور بت ساز شخص ایک اولوالعزم پیغمبر کا باپ ہوسکتا ہے، اس صورت میں کیا انسان کی نفسیات وصفات کی وراثت اس کے بیٹے میں غیر مطلوب اثرات پیدا نہیں کردے گی۔

اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے پہلے سوال کا مثبت جواب دیا ہے اور آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ سمجھا ہے، جب کہ تمام مفسرین و علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، بعض اسے آپ کا نانا اور بہت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا سمجھتے ہیں۔

وہ قرائن جو شیعہ علماء کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں حسب ذیل ہیں:

1۔ کسی تاریخی منبع و مصدر اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر شمار نہیں کیا گیا بلکہ سب نے "تارخ" لکھا ہے۔ کتب عہدین میں بھی یہی نام آیا ہے، قابل توجہ بات یہ

---

[1] کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا؟

ہے کہ جو لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تھا، یہاں انہوں نے ایسی توجیہات کی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور اس کا لقب آزر تھا۔ حالانکہ یہ لقب بھی منابع تاریخ میں ذکر نہیں ہوا۔ یا یہ کہ آزر ایک بت تھا کہ جس کی ابراہیم علیہ السلام کا باپ پوجا کرتا تھا، حالانکہ یہ احتمال قرآنی آیت کے ظاہر کے ساتھ جو یہ کہتی ہے کہ آزر ان کا باپ تھا کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتی، مگر یہ کہ کوئی جملہ یا لفظ مقدر مانیں جو کہ خلاف ظاہر ہو۔

2۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ مسلمان یہ حق نہیں رکھتے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگر چہ وہ ان کے عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد اس غرض سے کہ کوئی آزر کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو دستاویز قرار نہ دے اس طرح کہتا ہے: ''ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر کے لئے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھی جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ [1]

چونکہ آپ نے یہ کہا تھا کہ: ''یعنی میں عنقریب تیرے لئے استغفار کروں گا۔''

یہ اس امید پر تھا کہ شاید وہ اس وعدہ کی وجہ سے خوش ہو جائے اور بت پرستی سے باز آجائے لیکن جب اسے بت پرستی کی راہ میں پختہ اور ہٹ دھرم پایا تو اس کے لئے استغفار کرنے سے دستبردار ہو گئے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے مایوس ہو جانے کے بعد پھر کبھی اس کے لئے طلب مغفرت نہیں کی۔ اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ تمام قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوانی کے زمانے کا ہے جب کہ آپ شہر بابل میں رہائش پذیر تھے اور بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ اور مقابلہ کر رہے تھے۔

---

[1] سورہ توبہ آیت 114

لیکن قرآن کی دوسری آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت کی ہے (البتہ ان آیات میں جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، باپ سے "اب" کو تعبیر نہیں کیا بلکہ "والد" کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو صراحت کے ساتھ باپ کے مفہوم کو ادا کرتا ہے)۔

جیسا کہ قرآن میں ہے: "حمد و ثنا اس خدا کے لئے ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے، میرا پروردگار دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے، اے پروردگار مجھے، میرے ماں باپ اور مومنین کو قیامت کے دن بخش دے"۔ [1]

سورہ ابراہیم کی اس آیت کو سورہ توبہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے جو مسلمانوں کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع کرتی ہے اور ابراہیم کو بھی ایسے کام سے سوائے ایک مدت محدود کے وہ بھی صرف ایک مقدس مقصد و ہدف کے لئے روکتی ہے، اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ زیر بحث قرآنی آیت میں "اب" سے مراد باپ نہیں ہے بلکہ چچا یا نانا یا کوئی اور اسی قسم کا رشتہ ہے دوسرے لفظوں میں "والد" باپ کے معنی میں صریح ہے جب کہ "اب" میں صراحت نہیں پائی جاتی۔

قرآن کی آیات میں لفظ "اب" ایک مقام پر چچا کے لئے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً

سورہ بقرہ آیت 133:

یعقوبؑ کے بیٹوں نے اس سے کہا ہم تیرے خدا اور تیرے آباء ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے خدائے یکتا کی پرستش کرتے ہیں۔

ہم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے باپ نہیں تھے۔

---

[1] (سورہ ابراہیم آیت 39 و 41)

3۔مختلف اسلامی روایات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''خداوند تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک آباؤ اجداد کے صلب سے پاک ماؤں کے رحم میں منتقل کرتا رہا اور اس نے مجھے کبھی زمانہ جاہلیت کی آلودگیوں اور گندگیوں میں آلودہ نہیں کیا''۔

طبری جو علمائے اہل سنت میں سے ہے اپنی تفسیر جامع البیان میں مشہور مجاہد سے نقل کرتا ہے۔وہ صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

اہل سنت کا ایک دوسرا مفسر الوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں مندرجہ ذیل قرآنی گفتگو میں کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ آزر،ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا شیعوں سے مخصوص ہے ان کی کم اطلاعی کی وجہ سے ہے کیونکہ بہت سے علماء(اہل سنت) بھی اسی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

''سیوطی''مشہور سنی عالم کتاب''مسالک الحنفاء''میں فخر الدین رازی کی کتاب ''اسرار التنزیل''سے نقل کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ اور اجداد کبھی بھی مشرک نہیں تھے اور اس حدیث سے جو ہم اوپر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر چکے ہیں استدلال کیا ہے،اس کے بعد سیوطی خود اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم اس حقیقت کو دو طرح کی اسلامی روایات سے ثابت کر سکتے ہیں:

پہلی قسم کی روایات تو وہ ہیں کہ جو یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر کے آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک ہر ایک اپنے زمانہ کا بہترین فرد تھا(ان احادیث کو''صحیح بخاری''اور''دلائل النبوۃ''سے بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے)۔

اور دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ ہر زمانے میں موحد و خدا پرست افراد موجود رہے ہیں،ان دونوں قسم کی روایت کو باہم ملانے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اجداد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام کے باپ بھی ہیں یقیناً موحد تھے۔

آسمانوں میں توحید کے دلائل

اس میں شک نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کی واضح ترین آلودگی شرک و بت پرستی ہے اور جنہوں نے اسے آلودگی کو زنا میں منحصر سمجھا ہے ان کے پاس اپنے قول پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے خصوصا جبکہ قرآن کہتا ہے: ''مشرکین گندگی میں آلودہ اور ناپاک ہیں''۔ [1]

اس سرزنش اور ملامت کے بعد جو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی کرتے تھے، اور اس دعوت کے بعد جو آپ نے آزر کو بت پرستی کو ترک کرنے کے لئے کی تھی یہاں خدا ابراہیم علیہ السلام کے بت پرستوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ منطقی مقابلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے واضح عقلی استدلالات کے طریق سے اصل توحید کو ثابت کرنے کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

قرآن پہلے کہتا ہے: ''جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کے نقصانات سے آگاہ کیا اسی طرح ہم نے اس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین پر پروردگار کی مالکیت مطلقہ اور تسلط کی نشاندہی کی''۔ [2]

اس میں شک نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کی یگانگت کا استدلال و فطری یقین رکھتے تھے، لیکن اسرار آفرینش کے مطالعہ سے یہ یقین درجہ کمال کو پہنچ گیا، جیسا کہ وہ قیامت اور معاد کا یقین رکھتے تھے، لیکن سر بریدہ پرندوں کے زندہ کرنے کے مشاہدہ سے ان کا ایمان ''عین الیقین'' کے مرحلہ کو پہنچ گیا۔

اس کے بعد میں اس موضوع کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے جو ستاروں اور آفتاب کے طلوع و غروب سے ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کو ان کے خدا نہ ہونے پر واضح کرتا ہے۔

---

[1] سورہ توبہ آیت 28

[2] سورہ انعام آیت 76

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "جب رات کے تاریک پردے نے سارے عالم کو چھپا لیا تو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ستارہ ظاہر ہوا، ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ میرا خدا ہے؟ لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو انھوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ میں ہرگز ہرگز غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انہیں عبودیت و ربوبیت کے لائق نہیں سمجھتا"۔ [1]

انھوں نے دوبارہ اپنی آنکھیں صفحۂ آسمان پر گاڑ دیں، اس دفعہ چاند کی چاندی جیسی ٹکیہ وسیع اور دل پذیر روشنی کے ساتھ صفحۂ آسمان پر ظاہر ہوئی، جب چاند کو دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ ہے میرا پروردگار؟ لیکن آخرکار چاند کا انجام بھی اس ستارے جیسا ہی ہوا اور اس نے بھی اپنا چہرہ پردہ افق میں چھپا لیا، تو حقیقت کے متلاشی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھے اپنی طرف رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں کی صف میں جا کھڑا ہوں گا۔ [2]

اس وقت رات آخر کو پہنچ چکی تھی اور اپنے تاریک پردوں کو سمیٹ کر آسمان کے منظر سے بھاگ رہی تھی، آفتاب نے افق مشرق سے سر نکالا اور اپنی زیبا اور لطیف نور کو زربفت کے ایک ٹکڑے کی طرح دشت و کوہ و بیابان پر پھیلا دیا، جس وقت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت بین نظر اس کے خیرہ کرنے والے نور پر پڑی تو پکار کر کہا: کیا میرا خدا یہ ہے؟ جو سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے، لیکن سورج کے غروب ہو جانے اور آفتاب کی ٹکیہ کے ہیولائے شب کے منہ میں چلے جانے سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری بات ادا کی، اور کہا: "اے گروہ (قوم) میں ان تمام بناوٹی معبودوں سے جنھیں تم نے خدا کا شریک قرار دے لیا ہے بری و بیزار ہوں"۔ [3]

اب جبکہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس متغیر و محدود اور قوانین طبیعت کے چنگل میں اسیر مخلوقات کے ماوراء ایک ایسا خدا ہے کہ جو اس سارے نظام کائنات پر قادر و حاکم ہے، تو میں تو اپنا

---

[1] سورہ انعام آیت 76

[2] سورہ انعام آیت 77

[3] سورہ انعام آیت 78

رخ ایسی ذات کی طرف کرتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس عقیدے میں کم سے کم شرک کو بھی راہ نہیں دیتا، میں تو موحد خالص ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ستاروں کی پرستش

جناب ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد و یکتا پرست نے کس طرح آسمان کے ستارے کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ یہ میرا خدا ہے مفسرین نے بہت بحث کی ہے، ان تمام تفاسیر میں سے دو تفسیریں زیادہ قابل ملاحظہ ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کو بعض بزرگ مفسرین نے اختیار کیا ہے ہم ان میں سے ایک کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ستارہ پرستوں اور سورج پرست لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے کی اور احتمال یہ ہے کہ بابل میں بت پرستوں کے ساتھ سخت قسم کے مقابلے اور مبارزات کرنے اور اس زمین سے شام کی طرف نکلنے کے بعد جب ان اقوام سے ان کا سامنا ہوا تو اس وقت یہ گفتگو کی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں نادان قوموں کی ہٹ دھرمی کو ان کی غلط راہ و رسم میں آزما چکے تھے لہٰذا اس بنا پر کہ آفتاب و ماہتاب کے پجاریوں اور ستارہ پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کریں، پہلے ان کے ہم صدا ہو گئے اور ستارہ پرستوں سے کہنے لگے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ زہرہ ستارہ میرا پروردگار ہے، بہت اچھا چلو اسے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ اس عقیدے کا انجام تمہارے سامنے پیش کروں، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس ستارے کا چمکدار چہرہ افق کے تاریک پردے کے پیچھے چھپ گیا، یہ وہ مقام تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک محکم ہتھیار آ گیا اور وہ کہنے لگے میں تو کبھی ایسے معبود کو قبول نہیں کر سکتا، اس بنا پر "ھذا ربی" کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے عقیدے کے مطابق یہ میرا خدا ہے، یا یہ کہ آپ نے بطور

---

[1] سورہ انعام آیت 79

استفہام فرمایا: ''کیا یہ میرا خدا ہے''؟

ستارہ سے کون سا ستارہ مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن زیادہ تر مفسرین نے زہرہ یا مشتری کا ذکر کیا ہے اور کچھ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانوں میں ان دونوں ستاروں کی پرستش کی جایا کرتی تھی اور خداؤں کے حصہ شمار ہوتے تھے لیکن اس حدیث میں جو امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے عیون الاخبار میں نقل ہوئی ہے یہ تصریح ہوئی ہے کہ یہ زہرہ ستارہ تھا تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی بات مروی ہے۔

توحید کی دعوت

قرآن دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا؛ اور جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ: خدائے واحد کی پرستش کرو اور اس کے لئے تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اگر تم جان لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے''۔ [1]

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دلائل بت پرستی کا باطل ہونا ثابت کرتے ہیں آپ نے اس دعویٰ کو مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے اور ان مشرکین کے معتقدات اور روش حیات کو نا درست ثابت کیا ہے۔ پہلی بات انھوں نے یہ فرمائی کہ: ''تم خدا سے منحرف ہو کے بتوں کی عبادت کرتے ہو''۔ [2]

حالانکہ یہ بت بے روح مجسمے ہیں نہ یہ صاحب ارادہ ہیں نہ صاحب عقل اور نہ صاحب شعور وہ ان تمام اوصاف سے محروم ہیں ان کی ہیئت ہی بت پرستی کے عقیدے کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 16

[2] سورہ عنکبوت آیت 17

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''صرف ان بتوں کی وضع ہی یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ معبود نہیں ہیں'' بلکہ تم بھی جانتے ہو کہ ''تم جھوٹی باتیں کرتے ہو اور اس بتوں کو معبود کہتے ہو''۔ [1]

تمہارے پاس اس جھوٹ کو ثابت کرنے کی بجز چند اوہام وخرافات کے اور کیا دلیل ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تیسری دلیل دیتے ہیں: اگر تم ان بتوں کو مادی منفعت کے لئے پوجتے ہو یا دوسرے جہان میں فائدے کے لئے، دونوں صورتوں میں تمہارا یہ خیال باطل ہے'' کیونکہ تم خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق اور روزی نہیں دے سکتے''۔ [2]

تم خود اقرار کرتے ہو کہ یہ بت خالق نہیں ہیں بلکہ خالق حقیقی خدا ہے اس بناء پر روزی دینے والا بھی وہی ہے ''لہٰذا تم روزی خدا سے طلب کرو''۔ [3]

اور چونکہ روزی دینے والا وہی ہے ''لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالاؤ''۔ [4]

اس مفہوم کا ایک پہلو یہ بھی ہے منعم حقیقی کے حضور میں ''حس شکر گزاری'' بے بھی عبادت کی تحریک ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ منعم حقیقی خدا ہی ہے پس شکر اور عبادت بھی اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

''نیز اگر تم آخرت کی زندگی کے خواستگار ہو تو سمجھ لو کہ ہم سب کی بازگشت اسی طرف ہے'' نہ کہ بتوں کی طرف۔ [5]

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 17

[2] سورہ عنکبوت آیت 17

[3] سورہ عنکبوت آیت 17

[4] سورہ عنکبوت آیت 17

[5] سورہ عنکبوت آیت 17

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تہدید کے طور پر ان مشرکین کی سرکشی سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اگر تم میرے پیام کی تکذیب کرتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں انھوں نے بھی اس طرح اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے اور آخر کار ان کا انجام بڑا دردناک ہوا"۔ [1]

"رسول اور فرستادۂ خدا کا فرض واضح ابلاغ کے علاوہ اور کچھ نہیں"۔ [2]

خواہ لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

ہمارے بڑے بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے

ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں انھوں نے کہا: "ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سارا دن ان پر توجہ رکھتے ہیں اور نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں"۔ [3]

اس تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ فقط اپنے اس عمل پر شرمندہ نہیں تھے بلکہ اس پر فخر و مباہات بھی کیا کرتے تھے کیونکہ ("ہم بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں") کا جملہ ان کے مقصود اور مدعا کے بیان کے لئے کافی تھا، ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا "ہم سارا سارا دن ان کے آستان پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں"۔

بہرحال ابراہیمؑ نے ان کی یہ باتیں سن کر ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور دوزبردست منطقی اور معتدل جملوں کے ذریعہ انہیں ایسی جگہ لا کھڑا کیا جہاں نہ پائے رفتن نہ جائے

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 17

[2] سورہ عنکبوت آیت 18

[3] سورہ شعراء آیت 71

مانند ان کے مصداق ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا آپ نے ان سے فرمایا: جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری فریاد سنتے بھی ہیں؟ یا کیا وہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں [1]

لیکن متعصب لوگ بجائے اس کے کہ اس منطقی سوال کا کوئی ٹھوس جواب دیتے وہی پرانا اور بار بار کا دہرایا ہوا جواب پیش کرتے ہیں: ''انھوں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے'' [2]

ان کا یہ جواب اپنے جاہل اور نادان بزرگوں کی اندھی تقلید کو بیان کر رہا ہے وہ جو جواب ابراہیم علیہ السلام کو دے سکتے تھے یہی تھا اور بس یہ ایسا جواب جس کے بطلان کی دلیل خود اسی میں موجود ہے اور کوئی بھی عقل مند انسان اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے لگ جائے، خاص کر جبکہ آنے والے لوگوں کے تجربے گزشتہ لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی اندھی تقلید کا نہ تو کوئی جواز رہتا ہے اور نہ ہی کوئی دلیل۔

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منظر

یہاں پر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے واقعہ اور ان سے بت پرستوں کی شدید مڈھ بھیڑ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ [3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بات سو فی صد صحیح اور محکم ہے اور وہ اس عقیدہ پر ہر مقام تک قائم ہیں اور اس کے نتائج و لوازم کو جو کچھ بھی ہوں انہیں

---

[1] سورہ شعراء آیات 72، 73

[2] سورہ شعراء آیت 74

[3] قرآن مجید میں واقعہ ابراہیم کو قصہ کے ساتھ اس طرح سے منسلک کیا گیا ہے: ''اور ابراہیم نوح کے پیروکاروں میں سے تھے۔'' (سورہ صافات آیت 83)

جان و دل سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مزید کہتے ہیں: " مجھے خدا کی قسم جس وقت تم یہاں پر موجود نہیں ہو گے اور یہاں سے کہیں باہر جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کو نابود کرنے کا منصوبہ بناؤں گا"۔ [1]

ان کی مراد یہ تھی کہ انہیں صراحت کے ساتھ سمجھا دیں کہ آخر کار میں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں نابود اور درہم و برہم کردوں گا۔

لیکن شاید ان کی نظر میں بتوں کی عظمت اور رعب اس قدر تھا کہ انھوں نے اس کو کوئی سنجیدہ بات نہ سمجھا اور کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا شاید انھوں نے یہ سوچا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی قوم وملت کے مقدسات کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے، جبکہ ان کی حکومت بھی سوفی صد ان کی حامی ہے وہ کس طاقت کے بل بوتے پر ایسا کام کرے گا۔

وہ اسی راہ توحید وعدل اور اسی راہ تقویٰ واخلاص پر گامزن تھا جو نوح کی سنت تھی، کیونکہ انبیاء سارے کے سارے ایک ہی مکتب کے مبلغ اور ایک ہی یونیورسٹی کے استاد ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پروگرام کو دوام بخشتا اسے آگے بڑھاتا اور اس کی تکمیل کرتا ہے، کیسی عمدہ تعبیر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نوح کے شیعوں میں سے تھے حالانکہ ان دونوں کے زمانے میں بہت فاصلہ تھا (بعض مفسرین کے قول کے مطابق تقریباً 2600 سال فاصلہ تھا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ مکتبی رشتے میں زمانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جو بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ اپنے دل میں کہا تھا یا بعض مخصوص افراد سے کہا تھا کسی لحاظ سے اس کی ضرورت نہیں ہے، خاص طور پر جبکہ یہ بات کامل طور سے قرآن کریم کے خلاف ہے۔

اسکے علاوہ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بت پرستوں کو ابراہیمؑ کی یہ بات یاد

---

[1] سورہ انبیاء آیت 57

آ گئی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان بتوں کے خلاف سازش کی بات کرتا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن جبکہ بت خانہ خالی پڑا تھا، اور بت پرستوں میں سے کوئی وہاں موجود نہیں تھا، اپنے منصوبہ کو عملی شکل دے دی۔

بابل کے بت پرست ہر سال ایک مخصوص عید کے دن کچھ رسومات ادا کیا کرتے تھے بت خانہ میں کھانے تیار کرتے ہیں اور وہیں انہیں دستر خوان پر چن دیتے تھے اس خیال سے کہ یہ کھانے متبرک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کے سب مل کر اکٹھے شہر سے باہر چلے جاتے تھے اور دن کے آخر میں واپس لوٹتے تھے اور عبادت کرنے اور کھانا کھانے کے لئے بت خانہ میں آ جاتے تھے۔۔ ایک روز اسی طرح جب شہر خالی ہو گیا اور بتوں کو توڑنے اور انہیں درہم برہم کرنے کے لئے ایک اچھا موقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ آ گیا۔ یہ ایسا موقع تھا جس کا ابراہیم عرصے سے انتظار کر رہے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

لہٰذا جب انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جشن میں شرکت کی دعوت دی تو "اس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا میں تو بیمار ہوں"۔ [1] اور اس طرح سے اپنی طرف سے عذر خواہی کی۔

"انھوں نے رخ پھیرا اور جلدی سے اس سے دور ہو گئے"۔ [2]

اور اپنے رسم و رواج کی طرف روانہ ہو گئے۔

تم یہ بہترین اور شیرین غذا کیوں نہیں کھاتے

حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے شہر میں رہ گئے اور بت پرست شہر خالی کر کے باہر چلے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ادھر ادھر دیکھا، شوق کی بجلی ان کی آنکھوں میں چمکی، وہ لمحات جن کا

---

[1] سورہ صافات 88-89

[2] سورہ صافات آیت 90

وہ ایک مدت سے انتظار کر رہے تھے آن پہنچے، انھوں نے اپنے آپ سے کہا، بتوں سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور ان کے پیکروں پر سخت ضرب لگا ایسی ضرب جو بت پرستوں کے سوئے دماغوں کو ہلا کر رکھ دے اور انہیں بیدار کر دے۔

قرآن کہتا ہے: "وہ ان کے خداؤں کے پاس آیا، ایک نگاہ ان پر اور کھانے کے ان برتنوں پر جو ان کے اطراف میں موجود تھے، ڈالی اور تمسخر کے طور پر کہا: تم یہ کھانے کھاتے کیوں نہیں"؟ [1]

حضرت علیہ السلام سے متعلق دو سوال

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف کیوں دیکھا، اس دیکھنے سے ان کا مقصد کیا تھا؟

دوسرا یہ کہ کیا واقعاً وہ بیمار تھے کہ انھوں نے کہا میں بیمار ہوں؟ انھیں کیا بیماری تھی؟

پہلے سوال کا جواب بابل کے لوگوں کے اعتقادات اور رسوم و عادات کو دیکھتے ہوئے واضح و روشن ہے وہ علم نجوم میں بہت ماہر تھے۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ان کے بت بھی ستاروں کے ہیکلوں اور شکلوں میں تھے اور اسی بنا پر ان کا احترام کرتے تھے کہ وہ ستاروں کے سمبل تھے۔

البتہ علم نجوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ بہت سی خرافات بھی ان کے یہاں پائی جاتی تھیں منجملہ یہ کہ وہ ستاروں کو اپنی تقدیر میں موثر جانتے تھے اور ان سے خیر و برکت طلب کرتے تھے اور ان کی وضع و کیفیت سے آنے والے واقعات پر استدلال کرتے تھے، ابراہیم نے اس غرض سے کہ انہیں مطمئن کر دیں، ان کی رسوم کے مطابق آسمان کے ستاروں پر ایک نظر ڈالی تاکہ

---

[1] سورہ صافات آیت 91

وہ یہ تصور کریں کہ انھوں نے اپنی بیماری کی پیشن گوئی ستاروں کے اوضاع کے مطالعے سے کی ہے اور وہ مطمئن ہو جائیں۔

بعض بزرگ مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ستاروں کی حرکت سے اپنی بیماری کا وقت ٹھیک طور سے معلوم کر لیں کیونکہ ایک قسم کی بیماری انہیں تھی وہ یہ کہ بخار انہیں ایک خاص وقفہ کے ساتھ آتا تھا لیکن بابل کے لوگوں کے افکار و نظریات کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ان کا آسمان کی طرف دیکھنا درحقیقت اسرار آفرینش میں مطالعہ کے لئے تھا اگرچہ وہ آپ کی نگاہ کو ایک منجم کی نگاہ سمجھ رہے تھے جو یہ چاہتا ہے کہ ستاروں کے اوضاع سے آئندہ کے واقعات کی پیش بینی کرے۔

دوسرے سوال کے مفسرین نے متعدد جواب دیئے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ واقعاً بیمار تھے، اگرچہ وہ صحیح و سالم بھی ہوتے تب بھی جشن کے پروگرام میں ہرگز شرکت نہ کرتے، لیکن ان کی بیماری ان مراسم میں شرکت نہ کرنے اور بتوں کو توڑنے کے لئے ایک سنہری موقع اور اچھا بہانہ بھی تھا، اور اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ انھوں نے یہاں ''توریہ'' کیا تھا، کیونکہ انبیاء کے لئے ''توریہ'' کرنا مناسب نہیں ہے۔

یہ کھانے تو تمہاری عبادت کرنے والوں نے فراہم کیے ہیں۔ مرغن و شیرین، طرح طرح کی رنگین غذائیں ہیں، کھاتے کیوں نہیں ہو؟

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بات کیوں نہیں کرتے؟ تم گونگے کیوں بن گئے ہو؟ تمہارا منہ کیوں بند ہے۔'' [1]

اس طرح کے تمام بیہودہ اور گمراہ عقائد کا مذاق اڑایا بلاشک وہ اچھی طرح جانتے تھے

[1] سورہ صافات آیت 92

کہ وہ نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ ہی بات کرتے ہیں اور بے جان موجودات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بت شکنی کے اقدام کی دلیل اس عمدہ اور خوبصورت طریقہ سے پیش کریں۔

پھر انھوں نے اپنی آستین چڑھالی، کلہاڑا ہاتھ میں اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ اسے گھمایا اور بھرپور "توجہ کے ساتھ ایک زبردست ضرب ان کے پیکر پر لگائی"۔ [1]

بہرحال تھوڑی سی دیر میں وہ آباد اور خوبصورت بت خانہ ایک وحشت ناک ویرانہ ہوگیا۔ تمام بت ٹوٹ پھوٹ گئے ہر ایک ہاتھ پاؤں تڑوائے ہوئے ایک کونے میں پڑا تھا اور یہ بت پرستوں کے لئے ایک دلخراش، افسوسناک اور غم انگیز منظر تھا۔ ابراہیم اپنا کام کر چکے اور پورے اطمینان وسکون کے ساتھ بتکدہ سے باہر آئے اور اپنے گھر چلے گئے اب وہ اپنے آپ کو آئندہ کے حوادث کے لئے تیار کر رہے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ انھوں نے شہر میں بلکہ پورے ملک بابل میں ایک بہت بڑا دھماکہ کیا ہے جس کی صدا بعد میں بلند ہوگی۔ غصہ اور غضب کا ایک ایسا طوفان اٹھے گا اور وہ اس طوفان میں اکیلے ہوں گے۔ لیکن ان کا خدا موجود ہے اور وہی ان کے لئے کافی ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نمرودیوں کی عدالت میں

آخر وہ عید کا دن ختم ہوگیا اور بت پرست خوشی مناتے ہوئے شہر کی طرف پلٹے اور سب بت خانے کی طرف گئے تاکہ بتوں سے اظہار عقیدت بھی کریں اور وہ کھانا بھی کھائیں کہ جو ان کے گمان کے مطابق بتوں کے پاس رکھے رہنے سے بابرکت ہوگیا تھا جونہی وہ بت خانے کے اندر پہنچے تو ایک ایسا منظر دیکھا کہ ان کے ہوش اڑ گئے آباد بت خانہ کے بجائے بتوں کا ایک ڈھیر تھا

---

[1] سورہ صافات آیت 93

ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے پر گرے ہوئے تھے۔ ''وہ تو چیخنے چلانے لگے: ''یہ بلا اور مصیبت ہمارے خداؤں کے سر پر کون لایا ہے''؟ ''یقیناً جو کوئی بھی تھا، ظالموں میں سے تھا''۔ [1]

اس نے ہمارے خداؤں پر بھی ظلم کیا ہے، ہماری قوم اور معاشرے پر بھی، اور خود اپنے اوپر بھی کیونکہ اس نے اپنے اس عمل سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو بتوں کے بارے میں ابراہیم کی دھمکیوں سے آگاہ تھے اور ان جعلی خداؤں کے بارے میں ان کی اہانت آمیز باتوں کو جانتے تھے، کہنے لگے:

''ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا، اس کا نام ابراہیم علیہ السلام ہے۔'' [2]

یہ ٹھیک ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت مکمل طور پر جوان تھے اور احتمال یہ ہے کہ ان کی عمر 16 سال سے زیادہ نہیں تھی اور یہ بھی درست ہے کہ جواں مردی کی تمام خصوصیات، شجاعت، شہامت، صراحت اور قاطعیت ان کے وجود میں جمع تھیں لیکن اس طرح سے بات کرنے سے بت پرستوں کی مراد یقیناً تحقیر کے علاوہ کچھ نہیں تھی، بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام کیا ہے، کہتے ہیں کہ ایک جوان ہے کہ جسے ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں، وہ اس طرح کہتا تھا یعنی ایک ایسا شخص کہ جو بالکل گمنام اور ان کی نظر میں بے حیثیت ہے۔

اصولاً معمول یہ ہے کہ جب کسی جگہ کوئی جرم ہو جائے تو اس شخص کو تلاش کرنے کے لئے کہ جس سے وہ جرم سرزد ہوا ہو ان سے دشمنی رکھنے والوں کو تلاش کیا جاتا ہے اور اس ماحول میں ابراہیم علیہ السلام کے سوا مسلماً کوئی شخص بتوں کے ساتھ دست و گریبان نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا تمام افکار انہیں کی طرف متوجہ ہو گئے اور بعض نے کہا: ''اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو جاؤ اور

---

[1] سورہ انبیاء آیت 59

[2] سورہ انبیاء آیت 60

اس کو لوگوں کے سامنے پیش کردیتا کہ وہ لوگ کہ جو پہچانتے ہیں اور خبر رکھتے ہیں گواہی دیں"۔ [1]

منادی کرنے والوں نے شہر میں ہر طرف یہ منادی کی کہ جو شخص بھی ابراہیم علیہ السلام کی بتوں سے دشمنی اور ان کی بدگوئی کے بارے میں آگاہ ہے، حاضر ہو جائے، جلد ہی جو آگاہ تھے وہ لوگ بھی اور تمام دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے تاکہ دیکھیں کہ اس ملزم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ایک عجیب و غریب شور و غل لوگوں میں پڑا ہوا تھا، چونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ایک ایسا جرم جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا جس نے ان کے دینی ماحول میں ایک دھماکہ کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل

آخر کار عدالت لگی اور باز پرس ہوئی زعمائے قوم وہاں جمع ہوئے بعض کہتے ہیں کہ خود نمرود اس عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔

پہلا سوال جو انہوں نے ابراہیم سے کیا وہ یہ تھا: "اے ابراہیم: کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔" [2] وہ اس بات تک کے لئے تیار نہیں تھے کہ یہ کہیں کہ تو نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، بلکہ صرف یہ کہا کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے ایسا جواب دیا کہ وہ خود گھر گئے اور ایسے گھرے کہ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا' ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے، ان سے پوچھو اگر یہ بات کرتے ہوں۔" [3]

---

[1] سورہ انبیاء آیت 61

[2] سورہ انبیاء آیت 62

[3] سورہ انبیاء آیت 63

جرائم کی تفتیش کے اصول یہ ہیں، کہ جس کے پاس آثار جرم ملے، وہ ملزم ہے (مشہور روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا تھا)۔

اصلاً تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ تم اپنے بڑے خدا کو ملزم قرار کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ چھوٹے خداؤں پر غضبناک ہو گیا ہو یا اس نے انہیں اپنا آئندہ کا رقیب فرض کرتے ہوئے ان سب کا حساب ایک ہی ساتھ پاک کر دیا ہو؟

ابراہیم علیہ السلام نے قطعی طور پر اس عمل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا، لیکن تمام قرائن اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ اس بات سے کوئی پختہ اور مستقل قصد نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ اس سے یہ چاہتے تھے کہ بت پرستوں کے مسلمہ عقائد کو، جو کہ خرافاتی اور بے بنیاد تھے، ان کے منہ پر دے ماریں اور ان کا مذاق اڑائیں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ یہ بے جان پتھر اور لکڑیاں اس قدر حقیر ہیں کہ ایک جملہ تک بھی منہ سے نہیں نکال سکتیں، کہ اپنی عبادت کرنے والوں سے مدد طلب کریں، چہ جائیکہ وہ یہ چاہیں کہ ان کی مشکلات کو حل کر دیں۔

اس تعبیر کی نظیر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں بہت زیادہ ہے کہ مدمقابل کی بات کو باطل کرنے کے لئے اس کے مسلمات کو امر یا خبر یا استفہام کی صورت میں اس کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ وہ مغلوب ہو جائے اور یہ بات کسی طرح بھی جھوٹ نہیں ہوتی "جھوٹ وہ ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ کوئی قرینہ نہ ہو"۔

اس روایت میں کہ جو کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے، یہ بیان ہوا ہے کہ: "ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ ان کے افکار کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ ایسے کام بتوں سے نہیں ہو سکتے۔" اس کے بعد امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: "خدا کی قسم یہ کام بتوں نے نہیں کیا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بھی نہیں بولا۔"

زودگذر بیداری

ابراہیم علیہ السلام کی باتوں نے بت پرستوں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کے سوئے ہوئے وجدان کو بیدار کیا اور اس طوفان کی مانند کہ جو آگ کی چنگاریوں کے اوپر پڑی ہوئی بہت سی راکھ کو ہٹا دیتا ہے اور اس کی چمک کو آشکار کر دیتا ہے، ان کی فطرت توحیدی کو تعصب، جہالت اور غرور کے پردوں کے پیچھے سے آشکار و ظاہر کر دیا۔ زودگزر لمحے میں وہ موت کی سی ایک گہری نیند سے بیدار ہو گئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "وہ اپنے وجدان اور فطرت کی طرف پلٹے اور خود اپنے آپ سے کہنے لگے کہ حق بات یہ ہے کہ ظالم تو تم خود ہی ہو۔" [1]

تم نے تو خود اپنے اوپر بھی ظلم وستم کیا ہے اور اس معاشرے کے اوپر بھی کہ جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اور نعمتوں کے بخشنے والے پروردگار کی ساحت مقدس میں بھی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں یہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ابراہیم پر ظالم ہونے کا اتہام لگایا تھا لیکن اب انہیں یہاں معلوم ہو گیا کہ اصلی اور حقیقی ظالم تو وہ خود ہیں۔

اور واقعاً ابراہیم علیہ السلام کا اصل مقصد بتوں کے توڑنے سے یہی تھا۔ مقصد تو بت پرستی کی فکر اور بت پرستی کی روح کو توڑنا تھا ورنہ بتوں کے توڑنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے، ہٹ دھرم بت پرست ان سے زیادہ اور ان سے بھی بڑے اور بنا لیتے اور ان کی جگہ پر رکھ دیتے جیسا کہ نادان، جاہل اور متعصب اقوام کی تاریخ میں اس مسئلے کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اس حد تک کامیاب ہوئے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کے ایک بہت ہی حساس اور ظریف مرحلہ کو ایک نفسیاتی طوفان پیدا کر کے طے کر لیا اور وہ تھا سوئے ہوئے وجدانوں کو بیدار کرنا۔

[1] سورہ انبیاء آیت 64

بت تو بولتے ہی نہیں

لیکن افسوس: کہ جہالت وتعصب اور اندھی تقلید کا زنگ اس سے کہیں زیادہ تھا کہ وہ توحید کے اس علمبرداری کی صیقل بخش پکار سے کلی طور پہ دور ہو جاتا ہے۔

افسوس کہ یہ روحانی اور مقدس بیداری زیادہ دیر تک نہ رہ سکی اور ان کے آلودہ اور تاریک ضمیر میں، جہالت اور شیطانی قوتوں کی طرف سے اس نور توحید کے خلاف قیام عمل میں آگیا اور ہر چیز اپنی پہلی جگہ پر پلٹ آئی قرآن کتنی لطیف تعبیر پیش کر رہا ہے: ''اس کے بعد وہ اپنے سر کے بل الٹے ہو گئے۔'' [1]

اور اس غرض سے کہ اپنے گونگے اور بے زبان خداؤں کی طرف سے کوئی عذر پیش کریں، انہوں نے کہا: ''تو تو جانتا ہے کہ یہ باتیں نہیں کرتے۔'' [2]

یہ تو ہمیشہ چپ رہتے ہیں اور خاموشی کے رعب کو نہیں توڑتے۔

اور اس تراشے ہوئے عذر کے ساتھ انہوں نے یہ چاہا کہ بتوں کی کمزوری، بدحالی اور ذلت کو چھپائیں۔

یہ وہ مقام تھا کہ جہاں ابراہیم جیسے ہیرو کے سامنے منطقی استدلال کے لئے میدان کھل گیا تا کہ ان پر بھرپور حملے کریں اور ان کے ذہنوں کو ایسی سرزنش اور ملامت کریں کہ جو منطقی اور بیدار کرنے والی ہو، (ابراہیم نے) پکار کر کہا: ''کیا تم خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو کہ جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ضرر''۔ [3]

---

[1] سورہ انبیاء آیت 65

[2] سورہ انبیاء آیت 65

[3] سورہ انبیاء آیت 66

یہ خیالی خدا کہ جو نہ بات کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، نہ شعور وادراک رکھتے ہیں، نہ خود اپنا دفاع کر سکتے ہیں، نہ بندوں کو اپنی حمایت کے لئے بلا سکتے ہیں، اصلاً ان سے کونسا کام ہو سکتا ہے اور یہ کس درد کی دوا ہیں؟ ایک معبود کی پرستش یا تو اس بناء پر ہوتی ہے کہ وہ عبودیت کے لائق ہے تو یہ بات بتوں کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی، یا کسی فائدہ کی امید میں ہوتی ہے اور یا ان سے کسی نقصان کے خوف سے، لیکن بتوں کے توڑنے کے میرے اقدام نے بتا دیا کہ یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کیا اس حال میں تمہارا یہ کام احمقانہ نہیں ہے؟

پھر یہ معلم توحید بات کو اس سے بھی بالاتر لے گیا اور سرزنش کے تازیانے ان کی بے درد روح پر لگائے اور کہا: ''تف ہے تم پر بھی اور تمہارے ان خداؤں پر بھی کہ جنہیں تم نے خدا کو چھوڑ کر اپنا رکھا ہے۔''

''کیا تم کچھ سوچتے نہیں ہو اور تمہارے سر میں عقل نہیں ہے۔'' [1]

لیکن انہیں برا بھلا کہنے اور سرزنش کرنے میں نرمی اور ملائمت کو بھی نہیں چھوڑا کہ کہیں اور زیادہ ہٹ دھرمی نہ کرنے لگیں درحقیقت ابراہیمؑ نے بہت ہی بچے تلے انداز میں اپنا منصوبہ آگے بڑھایا پہلی مرتبہ انہیں توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے انہیں پکار کر کہا: یہ بے روح مجسمے کیا ہیں؟ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ تمہارے بڑوں کی سنت ہے تو تم بھی گمراہ ہو اور وہ بھی گمراہ تھے۔

دوسرے مرحلے میں ایک عملی اقدام کیا تاکہ یہ بات واضح کر دیں کہ یہ بت اس قسم کی کوئی قدرت نہیں رکھتے کہ جو شخص ان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو اس کو نابود کر دیں، خصوصیت کے ساتھ پہلے سے خبردار کر کے بتوں کی طرف گئے اور انہیں بالکل درہم و برہم کر دیا تاکہ یہ بات واضح کریں کہ وہ خیالات وتصورات جو انہوں نے باندھے ہوئے ہیں سب کے

---

[1] سورہ انبیاء آیت 67

سب فضول اور بے ہودہ ہیں۔

تیسرے مرحلے میں اس تاریخی عدالت میں انہیں بری طرح پھنسا کے رکھ دیا کبھی ان کی فطرت کو ابھارا، کبھی ان کی عقل کو جھنجھوڑا، کبھی پند و نصیحت کی اور کبھی سرزنش و ملامت۔

خلاصہ یہ کہ اس عظیم خدائی معلم نے ہر ممکن راستہ اختیار کیا اور جو کچھ اس کے بس میں تھا اسے بروئے کار لایا لیکن تاثیر کے لئے ظرف میں قابلیت کا ہونا بھی مسلمہ شرط ہے۔ افسوس یہ اس قوم میں موجود نہیں تھی۔

لیکن بلاشبہ ابراہیمؑ کی باتیں اور کام، توحید کے بارے میں کم از کم استفہامی علامات کی صورت میں ان کے ذہنوں میں باقی رہ گئے اور یہ آئندہ کی وسیع بیداری اور آگاہی کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید بن گئے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ افراد اگرچہ وہ تعداد میں بہت کم تھے، لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت تھے، ان پر ایمان لے آئے تھے اور نسبتاً کچھ آمادگی کا سامان دوسروں کے لئے بھی پیدا ہو گیا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے

اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کے عملی و منطقی استدلالات کے ذریعے سب کے سب بت پرست مغلوب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے دل میں اس شکست کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

لیکن تعصب اور شدید ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئی لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے ابراہیم کے بارے میں بہت ہی سخت اور خطرناک قسم کا ارادہ کر لیا اور وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کو بدترین صورت میں قتل کرنا چاہتے تھے انہوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں جلا کر راکھ کر دیا جائے۔

عام طور پر طاقت اور منطق کے درمیان معکوس رابطہ ہوتا ہے، جس قدر انسان میں طاقت اور قدرت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اتنی ہی اس کی منطق کمزور ہوتی جاتی ہے سوائے مردان حق کے کہ وہ جتنا زیادہ قوی اور طاقتور ہوتے ہیں، اتنا ہی زیادہ متواضع اور منطقی ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ طاقت کی زبان سے بات کرتے ہیں جب وہ منطق کے ذریعے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں تو فوراً اپنی طاقت وقدرت کا سہارا لے لیتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ٹھیک یہی طرز عمل اختیار کیا گیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"ان لوگوں نے (چیخ کر) کہا: اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم سے کوئی کام ہو سکتا ہے۔" [1]

طاقتور صاحبان اقتدار بے خبر عوام کو مشتعل کرنے کے لئے عام طور پر ان کی نفسیاتی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ وہ نفسیات کو پہچانتے ہیں اور اپنا کام کرنا خوب جانتے ہیں۔

جیسا کہ انہوں نے اس قصہ میں کیا اور ایسے نعرے لگائے اور ان کی غیرت کو للکارا: یہ تمہارے خدا ہیں، تمہارے مقدسات خطرے میں پڑ گئے ہیں، تمہارے بزرگوں کی سنت کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا ہے، تمہاری غیرت وحمیت کہاں چلی گئی؟ تم اس قدر ضعیف حال کیوں ہو گئے ہو؟ اپنے خداؤں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ابراہیم کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر کچھ کام تم سے ہو سکتا ہے اور بدن میں توانائی اور جان ہے، دیکھو: سب لوگ اپنے مقدسات کا دفاع کرتے ہیں، تمہارا تو سب کچھ خطرے میں پڑ گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس قسم کی بہت سی فضول اور مہمل باتیں کیں اور لوگوں کو ابراہیم کے خلاف بھڑکایا اس طرح سے کہ لکڑیوں کے چند گٹھوں کی بجائے کہ جو کئی افراد کے جلانے کے

---

[1] سورہ انبیاء آیت 68

لئے کافی ہوتے ہیں، لکڑیوں کے ہزار ہا گٹھے ایک دوسرے پر رکھ کر لکڑیوں کا ایک پہاڑ بنا دیا اور اس کے بعد آگ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تا کہ اس عمل کے ذریعہ سے اپنا انتقام بھی اچھی طرح سے لے سکیں اور بتوں کا وہ خیالی رعب و دبدبہ اور عظمت بھی، جس کو ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے سخت نقصان پہنچا تھا، کسی حد تک بحال ہو سکے۔

تاریخ دانوں نے اس مقام پر بہت سے مطالب تحریر کیے ہیں کہ جن میں سے کوئی بھی بعید نظر نہیں آتا۔

فرشتوں کی فریاد

سب لوگ چالیس دن تک لکڑیاں جمع کرنے میں لگے رہے اور ہر طرف سے بہت سی خشک لکڑیاں لا لا کر جمع کرتے رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ عورتیں تک بھی کہ جن کا کام گھر میں بیٹھ کر چرخا کاتنا تھا، وہ اس کی آمدنی سے لکڑیوں کا گٹھا لے کر اس میں ڈلواتی تھیں اور وہ لوگ کہ جو قریب مرگ ہوتے تھے، اپنے مال میں سے لکڑیاں خریدنے کی وصیت کرتے تھے اور حاجت مند اپنی حاجتوں کے پورے ہونے کے لئے یہ منت مانتے تھے کہ اگر ان کی حاجت پوری ہو گئی، تو اتنی مقدار لکڑیوں کا اضافہ کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ جب ان لکڑیوں میں مختلف اطراف سے آگ لگائی گئی تو اس کے شعلے اتنے بلند ہو گئے تھے کہ پرندے اس علاقے کے اوپر سے نہیں گزر سکتے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کی آگ کے تو قریب بھی نہیں جایا جا سکتا چہ جائیکہ ابراہیم علیہ السلام کو لے جا کر اس میں پھینکیں مجبوراً منجنیق سے کام لیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اندر بٹھا کر بڑی تیزی کے ساتھ آگ کے اس دریا میں پھینک دیا گیا

ان روایات میں کہ جو شیعہ اور سنی فرقوں کی طرف سے نقل ہوئی ہیں، یہ بیان ہوا ہے

کہ: ''جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے اوپر بٹھایا گیا اور انہیں آگ میں پھینکا جانے لگا تو آسمان، زمین اور فرشتوں نے فریاد بلند کی اور بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ توحید کے اس علمبردار اور حریت پسندوں کے لیڈر کو بچالے۔''

اس وقت جبرائیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں تمہاری مدد کروں؟

ابراہیم علیہ السلام نے مختصر سا جواب دیا: تجھ سے حاجت؟ نہیں، نہیں، (میں تو اسی ذات سے حاجت رکھتا ہوں کہ جو سب سے بے نیاز اور سب پر مہربان ہے)

تو اس موقع پر جبرائیل نے کہا: تو پھر تم اپنی حاجت خدا سے طلب کرو۔

انہوں نے جواب میں کہا: ''میرے لئے یہی کافی ہے کہ وہ میری حالت سے آگاہ ہے''۔

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے اس طرح راز و نیاز کیا:

"یا احد یا احد یا صمد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد توکلت علی الله."

اے اکیلے، اے اکیلے اے بے نیاز اے بے نیاز اے وہ کہ جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ جو جنا گیا اور جس کا کوئی ہم پلہ نہیں: میں اللہ پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں۔

آگ گلزار ہو گئی

بہر حال لوگوں کے شور و غل اور جوش و خروش کے اس عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے شعلوں کے اندر پھینک دیئے گئے لوگوں نے خوشی سے اس طرح نعرے لگائے گویا

بتوں کو توڑنے والا ہمیشہ کے لئے نابود اور خاکستر ہو گیا۔

لیکن وہ خدا کہ جس کے فرمان کے سامنے تمام چیزیں سرخم کیے ہوئے ہیں۔ جلانے کی صلاحیت اسی نے آگ میں رکھی ہے اور ماؤں کے دل میں محبت بھی اسی نے ڈالی ہے اس نے ارادہ کرلیا کہ یہ خالص بندۂ مومن آگ کے اس دریا میں صحیح وسالم رہے تاکہ اس کے افتخار اور اعزاز کی سندوں میں ایک اور سند کا اضافہ ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن اس مقام پر کہتا ہے: ''ہم نے آگ سے کہا: اے آگ: ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔'' [1]

مشہور ہے کہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہو گئی کہ ابراہیم کے دانت ٹھنڈک کی شدت سے بجنے لگے اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق تو اگر ''سلاماً'' کی تعبیر ساتھ نہ ہوتی تو آگ اس قدر سرد ہو جاتی کہ ابراہیم کی جان سردی سے خطرے میں پڑ جاتی۔ مشہور روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ نمرود کی آگ خوبصورت گلستان میں تبدیل ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض نے تو کہا ہے کہ جس دن ابراہیمؑ آگ میں رہے، ان کی زندگی کے دنوں میں سب سے بہترین راحت و آرام کا دن تھا؟

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابراہیمؑ کے آگ میں صحیح وسالم رہ جانے سے صورت حال بالکل بدل گئی خوشی اور مسرت کا شور وغل ختم ہو گیا، تعجب سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کچھ لوگ ایک دوسرے کے کان میں رونما ہونے والی اس عجیب چیز کے بارے میں باتیں کر رہے تھے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے خدا کی عظمت کا ورد زبانوں پر جاری ہو گیا نمرود کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا لیکن پھر بھی تعصب اور ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں پوری طرح حائل ہو گئی اگرچہ کچھ بیدار دل اس واقعہ سے بہرہ ور بھی ہوئے اور ابراہیم کے خدا کے بارے میں ان

---

[1] سورہ انبیاء آیت 69

کے ایمان میں زیادتی اور اضافہ ہوا، مگر یہ لوگ اقلیت میں تھے۔

آگ نے حضرت ابراہیم کو کیوں نہ جلایا؟

مفسیرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن اجمالاً بات یہ ہے کہ بینش توحیدی کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی سبب سے بھی خدا کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا ایک دن وہ ابراہیم کے ہاتھ میں موجود چھری سے کہتا ہے: نہ کاٹ اور دوسرے دن آگ سے کہتا: نہ جلا اور ایک دن پانی کو جو سبب حیات ہے حکم دیتا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کو غرق کر دے۔

بہادر نوجوان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی اور بعض نے اس وقت ان کا سن 26 سال کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال وہ جوانی کی عمر میں تھے اور باوجود اس کے کہ ظاہری طور پر ان کا کوئی یار و مددگار نہیں تھا، اپنے زمانے کے اس عظیم طاغوت کے ساتھ پنجہ آزمائی کی کہ جو دوسرے طاغوتوں کا سرپرست تھا، آپ تن تنہا جہالت، خرافات اور شرک کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ماحول کے تمام خیالی مقدسات کا مذاق اڑایا اور لوگوں کے غصے اور انتقام سے ذرا بھی نہ گھبرائے کیونکہ ان کا دل عشق خدا سے معمور تھا اور ان کا اس پاک ذات پر ہی توکل اور بھروسہ تھا۔

ہاں: ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ یہ جہاں پیدا ہو جاتا ہے وہاں جرأت و شجاعت پیدا کر دیتا ہے اور جس میں یہ موجود ہو، اسے شکست نہیں ہو سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا، نمرود کو یقین ہو گیا تھا کہ ابراہیم مٹی بھر خاک میں تبدیل ہو گئے ہیں لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے

کہنے لگا مجھے تو ابراہیم زندہ دکھائی دے رہا ہے شاید مجھے اشتباہ ہو رہا ہے وہ ایک بلند مقام پر چڑھ گیا اور خوب غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ معاملہ تو اسی طرح ہے۔

نمرود نے پکار کر کہا: اے ابراہیم علیہ السلام: واقعاً تیرا خدا عظیم ہے اور اس قدر قدرت رکھتا ہے کہ اس نے تیرے اور آگ کے درمیان ایک رکاوٹ پیدا کر دی اب جبکہ یہ بات ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس کی قدرت اور عظمت کی وجہ سے اس کے لئے قربانی کروں (اور اس نے چار ہزار قربانیاں اس مقصد کے لئے تیار کیں) لیکن ابراہیم نے اس سے کہا: تجھ سے کسی قسم کی قربانی اور کار خیر قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ تو پہلے ایمان لے آئے۔

نمرود نے جواب میں کہا: "اس صورت میں تو میری حکومت ختم ہو جائے گی اور میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا۔"

بہر حال یہی حادثات اس بات کا سبب بن گئے کہ کچھ آگاہ اور بیدار دل لوگ ابراہیم کے خدا پر ایمان لے آئے یا ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا (اور شاید یہی واقعہ اس بات کا سبب بنا کہ نمرود ابراہیم کے مقابلہ میں کسی سخت ردعمل کا اظہار نہ کرے اور صرف ان کو سرزمین بابل سے جلاوطن کرنے پر قناعت کرے)۔

نمرود سے گفتگو

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدمقابل اس اجتماع میں کون تھا اور

کون آپؑ سے حجت بازی کر رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں اس کے نام کی صراحت نہیں ہے لیکن فرمایا گیا ہے:

اس غرور و تکبر کے باعث جو اس میں نشہ حکومت کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام سے حجت بازی کرنے لگا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام سے منقول درمنثور کی ایک حدیث میں اور اسی طرح تواریخ میں اس کا نام "نمرود بن کنعان" بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر اس مباحثے کا وقت نہیں بتایا گیا۔ لیکن قرائن سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی اور آگ کی بھٹی سے نجات کے بعد کا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ آگ میں ڈالے جانے سے قبل اس گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اور اصولی طور پر بت پرست آپ کو ایسے مباحثے کا حق نہ دے سکتے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا مجرم اور گنہ گار سمجھتے تھے جسے ضروری تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے اپنے اعمال اور خدایان مقدس کے خلاف قیام کی سزا ملے۔ وہ تو انہوں نے بت شکنی کے اقدام کا صرف سبب پوچھا تھا اور اس کے بعد انتہائی غصے اور سختی سے انہیں آگ میں جلانے کا حکم صادر ہوا تھا لیکن جب آپؑ حیرت انگیز طریقے سے آگ سے نجات پا گئے تو پھر اصطلاحی الفاظ میں "نمرود کے حضور رسائی ہوئی" اور پھر بحث و مباحثے کے لیے بیٹھ سکے۔ بہر حال نمرود اپنی حکومت کی وجہ سے بادہ غرور سے سرمست تھا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے لگا تیرا خدا کون ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: "وہی جو زندہ کرتا اور مارتا ہے" حقیقت میں آپؑ نے عظیم ترین شاہکار قدرت کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ مبداء جہان ہستی کے علم و قدرت کی واضح نشانی یہی قانون موت و حیات ہے لیکن اس نے مکروفریب کی راہ اختیار کی اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگوں اور اپنے حمایتیوں کو غافل رکھنے کے لئے کہا وہ تو میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں اور موت و حیات کا قانون میرے ہاتھ میں ہے۔ قرآن میں اس کے جملے کے بعد واضح نہیں ہے کہ اس نے اپنے پیدا کیے گئے مغالطے کی تائید کے لئے کس طرح عملی اقدام کیا لیکن احادیث و تواریخ میں آیا ہے کہ اس نے فوراً دو قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ قیدی لائے گئے تو

اس نے فرمان جاری کیا کہ ایک کو آزاد کردو اور دوسرے کو قتل کردو۔ پھر کہنے لگا: تم نے دیکھا کہ موت وحیات کس طرح میرے قبضے میں ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت وحیات سے متعلق دلیل ہر لحاظ سے قوی تھی لیکن دشمن سادہ لوح لوگوں کو جھل دے سکتا تھا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا استدلال پیش فرمایا کہ خدا آفتاب کو افق مشرق سے نکالتا ہے اگر جہاں ہستی کی حکومت تیرے ہاتھ میں ہے تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہاں دشمن خاموش، مبہوت اور عاجز ہوگیا۔ اس میں سکت نہ رہی کہ اس زندہ منطق کے بارے میں کوئی بات کرسکے۔ ایسے ہٹ دھرم دشمنوں کو لاجواب کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ یہ مسلم ہے کہ موت وحیات کا مسئلہ کئی جہات سے آسمان اور گردش شمس وقمری کی نسبت پروردگار عالم کے علم وقدرت پر زیادہ گواہی دیتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے وہی مسئلہ پیش کیا اور یہ فطری امر ہے کہ اگر صاحب فکر اور روشن ضمیر افراد اس مجلس میں ہوں گے تو وہ اسی دلیل سے مطمئن ہوگئے ہوں گے کیونکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک قیدی کو آزاد کرنا اور دوسرے کو قتل کردینا یہ طبیعی اور حقیقی موت وحیات سے بالکل ربط نہیں رکھتا، لیکن جو لوگ کم عقل تھے اور اس دور کے ظالم حکمران کے پیدا کردہ مغالطے سے متاثر ہوسکتے تھے ان کی فکر راہ حق سے منحرف ہوسکتی تھی لہٰذا آپؑ نے دوسرا استدلال پیش کیا اور سورج کے طلوع وغروب کا مسئلہ پیش کیا تاکہ حق ہر دو طرح کے افراد کے سامنے واضح ہوجائے۔

اس بات کی طرف توجہ کرنا مناسب ہے کہ قرآنی گفتگو سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ وہ ظالم اپنے بارے میں الوہیت کا مدعی تھا، یہی نہیں کہ وہ اپنی پرستش کرواتا تھا بلکہ اپنے آپ کو عالم ہستی کا پیدا کرنے والا بھی بتاتا تھا، یعنی اپنے آپ کو ''معبود'' بھی سمجھتا تھا اور ''خالق'' بھی۔

بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ اور اس خطرناک مرحلہ سے ان کی معجزانہ نجات نے نمرود کے ارکان حکومت کو لرزہ براندام کردیا، نمرود تو بالکل حواس باختہ ہوگیا کیونکہ اب وہ ابراہیم کو ایک فتنہ کھڑا کرنے والا اور نفاق ڈالنے والا جوان نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ابراہیم اب ایک خدائی رہبر اور بہادر رہبر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا اس نے دیکھا کہ ابراہیمؑ اس کے تمام تر طاقت ووسائل کے باوجود اس کے خلاف جنگ کی ہمت رکھتا ہے اس نے سوچا کہ اگر ابراہیم ان حالات میں اس شہر اور اس ملک میں رہا تو اپنی باتوں، قوی منطق اور بے نظیر شجاعت کے ساتھ، مسلمہ طور پر اس جابر، خودسر اور خودغرض حکومت کے لئے ایک خطرے کا مرکز بن سکتا ہے لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو ہر حالت میں اس سرزمین سے چلا جانا چاہئے۔

دوسری طرف ابراہیم حقیقت میں اپنی رسالت کا کام اس سرزمین میں انجام دے چکے تھے وہ حکومت کی بنیادوں پر یکے بعد دیگرے چکنا چور کرنے والی ضربیں لگا چکے تھے اس سرزمین میں ایمان وآگاہی کا بیج بو چکے تھے اب صرف ایک مدت کی ضرورت تھی کہ جس سے یہ بیج آہستہ آہستہ بارآور ہو اور بت پرستی کی بساط الٹ جائے۔

اب ان کے لئے بھی مفید یہی تھا کہ یہاں سے کسی دوسری سرزمین کی طرف چلے جائیں اور اپنی رسالت کے کام کو وہاں بھی عملی شکل دیں لہٰذا انہوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ لوط (جو آپ کے بھتیجے تھے) اور اپنی بیوی سارہ اور احتمالاً مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر اس سرزمین سے شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف نجات دی کہ جسے ہم نے سارے جہان والوں کے لئے برکتوں والا بنایا تھا۔"[1]

---

[1] سورہ انبیاء آیت 71

اگرچہ قرآن میں اس سرزمین کا نام صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے لیکن سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت (سبحان الذی۔ بارکنا حولہ۔) پر توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہی شام کی سرزمین ہے جو ظاہری اعتبار سے بھی پر برکت، زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے اور معنوی لحاظ سے بھی، کیونکہ وہ انبیاء کی پرورش کا مرکز تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ ہجرت خود اپنے آپ کی تھی یا نمرود کی حکومت نے انہیں جلاوطن کیا یا یہ دونوں ہی صورتیں واقع ہوئیں، اس بارے میں تفاسیر وروایات میں مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا مجموعی مفہوم یہی ہے کہ ایک طرف تو نمرود اور اس کے ارکان حکومت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے، لہٰذا انھوں نے انہیں اس سرزمین سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام بھی اس سرزمین میں اپنی رسالت کا کام تقریباً مکمل کر چکے تھے اور اب کسی دوسرے علاقے میں جانے کے خواہاں تھے کہ دعوت توحید کو وہاں بھی پھیلائیں خصوصاً بابل میں باقی رہنے سے ممکن تھا کہ آپ کی جان چلی جاتی اور آپ کی عالمی دعوت نامکمل رہ جاتی۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں یہ بیان ہوا کہ جس وقت نمرود نے یہ ارادہ کیا کہ ابراہیمؑ کو اس سرزمین سے جلاوطن کر دے تو اس نے یہ حکم دیا کہ ابراہیمؑ کی بھیڑیں اور ان کا سارا مال ضبط کر لیا جائے اور وہ اکیلا ہی یہاں سے باہر جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے اگر تم میرا مال لینا چاہتے ہو تو میری اس عمر کو جو میں نے اس سرزمین میں گزاری ہے مجھے واپس دے دو لہٰذا طے یہ پایا کہ حکومت کے قاضیوں میں سے ایک اس بارے میں فیصلہ دے، قاضی نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مال لے لیا جائے اور جو عمر انہوں نے اس سرزمین میں خرچ کی ہے وہ انہیں واپس کر دی جائے۔

جس وقت نمرود اس واقعے سے آگاہ ہوا تو اس نے بہادر قاضی کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیا اور حکم دیا کہ ابراہیم کا مال اور اس کی بھیڑیں اسے واپس کر دی جائیں تاکہ وہ انہیں ساتھ لے جائے اور کہا: "مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ یہاں رہ گیا تو وہ تمہارے دین وآئین کو خراب کر دے گا اور

تمہارے خداؤں کو نقصان پہنچائے گا"۔

کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا؟

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام دریا کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دریا کے کنارے ایک مردار پڑا ہوا دیکھا، اس کا کچھ حصہ دریا کے اندر اور کچھ باہر تھا دریا اور خشکی کے جانور دونوں طرف سے اسے کھا رہے تھے بلکہ کھاتے کھاتے ایک دوسرے سے لڑنے لگتے تھے، اس منظر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے مسئلہ کی فکر میں ڈال دیا جس کی کیفیت سب تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں اور وہ ہے موت کے بعد مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت ابراہیم علیہ السلام سوچنے لگے کہ اگر ایسا ہی انسانی جسم کے ساتھ ہو اور انسان کا بدن جانوروں کے بدن کا جزء بن جائے تو قیامت میں اٹھنے کا معاملہ کیسے عمل میں آئے گا جب کہ وہاں انسان کو اسی بدن کے ساتھ اٹھنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: خدایا مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں دل کو تسلی ہو جائے۔

خداتعالیٰ نے حکم دیا: چار پرندے لے لو اور ان کا گوشت ایک دوسرے سے ملا دو پھر اس سارے گوشت کے کئی حصے کر دو اور ہر حصہ کو ایک پہاڑ پر رکھ دو اس کے بعد ان پرندوں کو پکارو تا کہ میدان حشر کا منظر دیکھ سکو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو انتہائی حیرت کے ساتھ دیکھا کہ پرندوں کے اجزا مختلف مقامات سے جمع ہو کر ان کے پاس آ گئے ہیں اور ان کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

"اس وقت (کو یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: خدایا: مجھے دکھا دے تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا: کیا تم ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے: کیوں نہیں، میں چاہتا ہوں میرے دل کو اطمینان ہو جائے فرمایا: یہ بات ہے تو چار پرندے انتخاب کرلو (ذبح کرنے کے بعد) انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرلو (پھر ان کے گوشت کو آپس میں ملا دو) پھر ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دو، پھر انہیں پکارو، وہ تیزی سے تمہارے پاس آئیں گے، اور جان لو کہ خدا غالب اور حکیم ہے"۔ [1] (وہ مردوں کے اجزائے بدن کو بھی جانتا ہے اور انہیں جمع کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔)

چند اہم نکات

1۔ چار پرندے: اس میں شک نہیں کہ مذکورہ چار پرندے مختلف قسم کے پرندوں میں سے تھے کیونکہ اس کے بغیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ہر ایک کے اجزاء اس کے اصلی بدن میں واپس آئیں اور یہ مختلف قسم کے ہونے کی صورت میں ہی ظاہر ہو سکتا تھا۔ مشہور روایت کے مطابق وہ چار پرندے اس طرح تھے مور، مرغ، کبوتر اور کوا جو کہ کئی پہلوؤں سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

بعض ان پرندوں کو انسانوں کی مختلف صفات اور جذبات کا مظہر سمجھتے ہیں۔

مور: خودنمائی، زیبائش اور تکبر کا مظہر ہے۔

مرغ: شدید جنسی میلانات کا مظہر ہے۔

کبوتر: لہو ولعب اور کھیل کود کا مظہر ہے۔

کوا: لمبی چوڑی آرزوؤں اور تمناؤں کا مظہر ہے۔

2۔ پہاڑوں کی تعداد: جن پہاڑوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے

---

[1] سورہ بقرہ آیت 259

اجزا اور کھے تھے ان کی تعداد کی صراحت قرآن حکیم میں نہیں ہے لیکن روایات اہل بیت علیہم السلام میں یہ تعداد دس بتائی گئی ہے۔ [1]

3۔ واقعہ کب رونما ہوا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں تھے یا جب شام چلے آئے تھے، یوں لگتا ہے، یہ شام میں آنے کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ سرزمین بابل میں پہاڑ نہیں ہیں۔

اسماعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کو منتقل کرنے کا حکم

سالہا سال گذر گئے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اس صالح فرزند کے انتظار اور خواہش میں زندگی بسر کرتے رہے، انھوں نے عرض کیا: "پروردگارا! مجھے ایک فرزند صالح عطا فرما۔" [2]

آخر کار خدا نے ان کی دعا قبول کر لی، پہلے انھیں اسماعیل علیہ السلام اور پھر اسحاق علیہ السلام مرحمت فرمائے کہ جن میں سے ہر ایک بزرگ پیغمبر اور صاحب منزلت تھے۔

آپ نے اپنی کنیز ہاجرہ کو اپنی بیوی بنالیا تھا۔ اس سے انہیں اسمٰعیل جیسا بیٹا نصیب ہوا آپ کی پہلی بیوی سارہ نے ان سے حسد کیا یہی حسد سبب بنا کہ آپ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے کو حکم خدا سے فلسطین سے لے کر مکہ کی جلتی ہوئی سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین میں لے گئے یہ وہ علاقہ تھا جہاں پانی کی ایک بوند بھی دستیاب نہ تھی آپ حکم خدا سے ایک عظیم امتحان سے گزرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ کر واپس فلسطین آ گئے۔

وہاں چشمہ زمزم پیدا ہوا اس اثنا میں جرہم قبیلہ ادھر سے گزرا اس نے جناب ہاجرہ سے وہاں قیام کی اجازت چاہی۔۔ گویا واقعات کا ایک طولانی سلسلہ ہے کہ جو اس علاقے کی

[1] اسی لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال کا ایک جز فلاں سلسلے میں صرف کرنا اور اس کی مقدار معین نہ کر جائے تو مال کا دسواں حصہ دینا کافی ہے۔

[2] سورہ ابراہیم آیت 37 تا 41

آبادی کا باعث بنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس جگہ کو آباد اور پر برکت شہر بنا دے اور لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف مائل کر دے ان کی اولاد وہاں پھلنے پھولنے لگی تھی۔ [1]

یہ بات جاذب نظر ہے کہ بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر واپس جانا چاہتے تھے تو جناب ہاجرہ نے فریاد کی: اے ابراہیم علیہ السلام آپ کو کس نے حکم دیا ہے کہ ہمیں ایسی جگہ پر چھوڑ جائیں کہ جہاں نہ کوئی سبزہ ہے، نہ دودھ دینے والا کوئی جانور، یہاں تک کہ یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں ہے آپ پھر بھی ہمیں بغیر زاد و توشہ اور مونس و مددگار کے چھوڑے جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختصر سا جواب دیا: میرے پروردگار نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

ہاجرہ نے یہ سنا تو کہنے لگیں: اگر ایسا ہے تو پھر خدا ہرگز ہمیں یونہی نہیں چھوڑے گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے حکم خدا کی اطاعت کی اور انہیں سرزمین مکہ میں لے گئے جو ایک خشک اور بے آب و گیاہ جگہ تھی۔ وہاں کسی پرندے کا بھی نام و نشان نہ تھا جب ابراہیم انہیں چھوڑ کر تنہا واپس ہونے تو ان کی اہلیہ رونے لگیں کہ ایک عورت اور ایک شیر خوار بچہ اس بے آب و گیاہ بیابان میں کیا کریں گے۔

اس خاتون کے گرم آنسو اور ادھر بچے کا نالہ و گریہ زاری اس منظر نے ابراہیم علیہ السلام کا دل جلا کے رکھ دیا۔

انہوں نے بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا:

خداوندا: میں تیرے حکم پر اپنی بیوی اور بچے کو اس جلا دینے والے بے آب و گیاہ

[1] سورہ صافات آیت 100

بیابان میں تنہا چھوڑ رہا ہوں، تاکہ تیرا نام بلند اور تیرا گھر آباد ہو۔

یہ کہہ کر غم واندوہ اور شدید محبت کے عالم میں الوداع ہوئے۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ماں کے پاس آب وغذا کا جو توشہ تھا ختم ہو گیا اور اس کی چھاتی کا دودھ بھی خشک ہو گیا شیر خوار بچے کی بے تابی اور تضرع وزاری نے ماں کو ایسا مضطرب کردیا کہ وہ اپنی پیاس بھول گئی وہ پانی کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئی، پہلے کوہ صفا کے قریب گئی تو پانی کا کوئی نام ونشان نظر نہ آیا، سراب کی چمک نے اسے کوہ مروہ کی طرف کھینچا تو وہ اس کی طرف دوڑی لیکن وہاں بھی پانی نہ ملا، وہاں وہی چمک صفا پر دکھائی دی تو پلٹ کر آئی۔ زندگی کی بقاء اور موت سے مقابلہ کے لئے اس نے سات چکر لگائے۔ آخر شیر خوار بچہ زندگی کی آخری سانسیں لینے لگا کہ اچانک اس کے پاؤں کے پاس انتہائی تعجب خیز طریقہ سے زمزم کا چشمہ ابلنے لگا، ماں اور بچے نے پانی پیا اور موت جو یقینی ہو گئی تھی اس سے بچ نکلے۔

زمزم کا پانی گویا آب حیات تھا، ہر طرف سے پرندے اس چشمہ کی طرف آنے لگے۔ قافلوں نے پرندوں کی پرواز دیکھی تو اپنے رخ وہاں کی طرف موڑ دیا اور ظاہرا ایک چھوٹے سے خاندان کی فداکاری کے صلے میں ایک عظیم مرکز وجود میں آ گیا۔

آج خانہ خدا کے پاس اس خاتون اور اس کے فرزند اسماعیل علیہ السلام کا مسکن ہے، ہر سال تقریبا 20 لاکھ افراد اطراف عالم سے آتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اس مسکن کو جسے مقام اسماعیل کہتے ہیں اپنے طواف میں شامل کریں گویا اس خاتون اور اس کے بیٹے کے مدفن کو طواف کعبہ کا یا حج کا جزء سمجھیں۔

اسماعیل علیہ السلام قربان گاہ میں

اسماعیل کا سن 13 سال کا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک عجیب اور حیرت انگیز

خواب دیکھا۔ یہ خواب اس عظیم الشان پیغمبر کے لئے ایک اور آزمائش کو بیان کرتا تھا۔ انھوں نے خواب دیکھا کہ انہیں خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور اسے ذبح کر دیں۔

ابراہیم وحشت زدہ خواب سے بیدار ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبروں کے خواب حقیقت اور شیطانی وسوسوں سے دور ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود دو راتوں میں بھی یہی خواب دیکھا جو اس امر کے لازم ہونے اور اسے جلد انجام دینے کے لئے تاکید تھی۔

کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ "شب ترویہ" (آٹھ ذی الحجہ کی رات) یہ خواب دیکھا اور "عرفہ" اور "عید قربان" (نویں اور دسویں ذی الحجہ) کی راتوں میں خواب کا تکرار ہوا۔ لہٰذا اب ان کے لئے ذرا سا بھی شک باقی نہ رہا کہ یہ خدا کا قطعی فرمان ہے۔

ابراہیم جو بارہا امتحان خداوندی کی گرم بھٹی سے سرفراز ہو کر باہر آ چکے تھے، اس دفعہ بھی چاہتے کہ بحر عشق میں کود پڑیں اور خداوند عالم کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیں، اور اس فرزند کو جس کے انتظار میں عمر کا ایک حصہ گزار دیا تھا اور اب وہ ایک آبرومند نوجوان تھا، اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیں۔

لیکن ضروری ہے کہ ہر چیز سے پہلے اپنے فرزند کو اس کام کے لئے آمادہ کریں، لہٰذا اس کی طرف رخ کر کے فرمایا: "میرے بیٹے: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تم دیکھو: تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟"[1]

بیٹا بھی تو ایثار پیشہ باپ کے وجود کا ایک حصہ تھا اور جس نے صبر و استقامت اور ایمان کا درس اپنی چھوٹی سی عمر میں اسی کے مکتب میں پڑھا تھا، اس نے خوشی خوشی خلوص دل کے ساتھ اس فرمان الٰہی کا استقبال کیا اور صراحت اور قاطعیت کے ساتھ کہا: "ابا جان: جو حکم آپ کو دیا گیا

[1] سورہ صافات آیت 102

ہے اس کی تعمیل کیجئے"۔ [1]

میری طرف سے بالکل مطمئن رہیے۔" انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے"۔ [2]

باپ اور بیٹے کی یہ باتیں کس قدر معنی خیز ہیں اور کتنی باریکیاں ان میں چھپی ہوئی ہیں۔

ایک طرف تو باپ، 13 سالہ بیٹے کے سامنے اسے ذبح کرنے کی بات بڑی صراحت کے ساتھ کرتا ہے اور اس سے اس کی رائے معلوم کرتا ہے اس کے لئے مستقل شخصیت اور ارادے کی آزادی کا قائل ہوتا ہے۔ وہ ہرگز اپنے بیٹے کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا اور اسے اندھیرے میں رکھتے ہوئے امتحان کے اس عظیم میدان میں آنے کی دعوت نہیں دیتا وہ چاہتا ہے کہ بیٹا بھی اس عظیم امتحان میں پورے خلوص دل کے ساتھ شرکت کرے اور باپ کی طرح تسلیم و رضا کا مزہ چکھے۔

دوسری طرف بیٹا بھی یہ چاہتا ہے کہ باپ اپنے عزم و ارادہ میں پکا اور مضبوط رہے، یہ نہیں کہتا کہ مجھے ذبح کریں بلکہ کہتا ہے: جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے بجالائیں میں اس کے امر و فرمان کے سامنے سر تسلیم خم ہوں، خصوصاً باپ کو "یا ابت" (ابا جان!) کہہ کر مخاطب کرتا ہے، تا کہ اس بات کی نشاندہی کر دے کہ اس مسئلے پر جذبات فرزند و پدر کا سوئی کی نوک کے برابر بھی اثر نہیں، کیونکہ فرمان خدا ہر چیز پر حاکم ہے۔

اور تیسری طرف سے پروردگار کی بارگاہ میں مراتب آداب کی اعلیٰ ترین طریقے سے پاسداری کرتا ہے، ہرگز اپنے ایمان اور عزم و ارادہ کی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ پر تکیہ کرتا ہے اور اس عبادت کے ساتھ اس سے پامردی اور استقامت کی توفیق چاہتا ہے۔

[1] سورہ صافات آیت 102

[2] سورہ صافات آیت 102

اس طرح سے باپ بھی اور بیٹا بھی اس عظیم آزمائش کے پہلے مرحلے کو مکمل کامیابی کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔

شیطانی وسوسہ

شیطان نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میدان سے کامیاب ہو کر نہ نکلیں، کبھی وہ (اسمٰعیل کی) ماں ہاجرہ کے پاس آیا اور ان سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ آج اپنے بیٹے کو ذبح کر دے۔

ہاجرہ نے کہا: دور ہو جا، محال اور نہ ہونے والی بات نہ کر، کیونکہ وہ تو بہت مہربان ہے اپنے بیٹے کو کیسے ذبح کر سکتا ہے؟ اصولاً کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان پیدا ہو سکتا ہے جو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے؟

شیطان نے اپنے وسوسہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا: اس کا دعویٰ ہے کہ خدا نے اسے حکم دیا ہے۔ ہاجرہ نے کہا: اگر خدا نے اسے حکم دیا ہے تو پھر اسے اطاعت کرنا چاہیے، اور سوائے رضا و تسلیم کے کوئی دوسری راہ نہیں ہے

پھر شیطان ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں ورغلانے لگا، ان سے بھی اسے کچھ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ اس نے اسماعیل علیہ السلام کو تسلیم و رضا کا پیکر پایا۔

آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے کہا: ابراہیم علیہ السلام: جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ شیطانی خواب ہے، تم شیطان کی اطاعت نہ کرو۔

ابراہیم علیہ السلام نے نور ایمان اور نبوت کے پر تو میں اسے پہچان لیا: چلا کر کہا: ''دور ہو جا اے دشمن خدا۔''

ایک حدیث میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ''مشعر الحرام'' میں آئے تا کہ

بیٹے کی قربانی دیں، تو شیطان ان کے پیچھے دوڑا۔ وہ "جمرہ اولیٰ" کے پاس آئے شیطان کو دیکھا، اس کو سات پتھر مارے، اس کے بعد وہاں سے جمرہ دوم پر آئے وہاں شیطان کو دیکھا تو دوبارہ سات پتھر اسے مارے یہاں تک کہ "جمرہ عقبہ" میں آئے تو سات اور پتھر اسے مارے۔ (اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنے سے مایوس کر دیا)۔

میری والدہ کو سلام کہنا

اس دوران کیا کیا حالات پیش آئے، قرآن نے انہیں تشریح کے ساتھ بیان نہیں کیا اور صرف اس عجیب ماجرے کے نہایت حساس پہلو ذکر کئے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ فداکار بیٹے نے اس بنا پر کہ باپ کی اس ماموریت کی انجام دہی میں مدد کرے اور ماں کے رنج و اندوہ میں کمی کرے جس وقت وہ اسے سرزمین "منیٰ" کے خشک اور جلا ڈالنے والے گرم پہاڑوں کے درمیان، قربان گاہ میں لائے تو باپ سے کہا: ابا جان: رسی کو مضبوطی کے ساتھ باندھ دیجئے، تاکہ میں فرمان خداوندی کے اجراء کے وقت ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سے میرے اجر میں کمی واقع نہ ہو جائے۔

ابا جان: چھری تیز کر لیجیے اور تیزی کے ساتھ میرے گلے پر چلائیے کہ اسے برداشت کرنا مجھ پر بھی (اور آپ پر بھی) زیادہ آسان ہو جائے۔

ابا جان: میرا کرتا پہلے ہی میرے بدن سے اتار لیجئے تاکہ وہ خون آلود نہ ہو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری ماں اسے دیکھے تو دامن صبر اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔

پھر مزید کہا: میرا سلام میری ماں کو پہنچا دیجئے گا اور اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو میرا کرتا اس کے لئے لے جائیے جو اس کی تسلی خاطر اور تسکین کا باعث بنے گا کیونکہ وہ اس سے بیٹے کی خوشبو سونگھے گی اور جس وقت دل بے قرار ہوگا تو اسے اپنی آغوش میں لے لے گی اس طرح یہ

اس کے دردِ دل میں تخفیف کا باعث ہوگا۔

باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر رونے لگے

آخر وہ حساس لمحے آن پہنچے جب فرمان الٰہی کی تعمیل ہونا تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کے مقام تسلیم کو دیکھا، اسے اپنی آغوش میں لے لیا، اس کے رخساروں کے بوسے لئے اور اس گھڑی دونوں رونے لگے۔ ایسا گریہ تھا کہ ان کے جذبات اور لقائے خدا کے لئے ان کا شوق ظاہر ہوتا تھا۔

قرآن مختصر اور معنی خیز عبارت میں صرف اتنی سی بات کہتا ہے: ''جب دونوں آمادہ و تیار ہوگئے اور (باپ) ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا''۔ [1]

قرآن یہاں پھر اختصار کے ساتھ گزر گیا ہے اور سننے والے کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کی موجوں کے ساتھ قصے کو سمجھے۔

بعض نے کہا ہے کہ "تلہ للجبین" سے مراد یہ تھی کہ پیشانی خود اس کی فرمائش پر زمین پر رکھی کہ مبادا ان کی نگاہ بیٹے کے چہرے پر پڑے اور پدری جذبات جوش میں آجائیں اور فرمان خدا کے اجراء میں مانع ہوجائیں۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے چہرے کو خاک پر رکھا اور چھری کو حرکت دی اور تیزی اور طاقت کے ساتھ اسے بیٹے کے گلے پر پھیر دیا جب کہ ان کی روح ہیجان میں تھی اور صرف عشق خدا ہی انہیں اپنی راہ میں کسی شک کے بغیر آگے بڑھا رہا تھا۔

لیکن تیز دھار چھری نے بیٹے کے لطیف و نازک گلے پر معمولی سا بھی اثر نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حیرت میں ڈوب گئے، دوبارہ چھری کو چلایا، لیکن پھر بھی وہ کارگر

[1] سورہ صافات آیت 103

ثابت نہ ہوئی، ہاں: خلیل تو کہتے ہیں کہ "کاٹ" لیکن خداوند جلیل یہ حکم دے رہا ہے کہ "نہ کاٹ" اور چھری تو صرف اسی کی فرمانبردار ہے۔

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں قرآن ایک مختصر اور معنی خیز جملے کے ساتھ انتظار کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس وقت ہم نے ندا دی (اور پکار کر کہا) کہ اے ابراہیم: خواب میں جو حکم تمہیں دیا گیا تھا وہ تم نے پورا کر دیا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔" [1]

ہم ہی انہیں امتحان میں کامیابی کی توفیق دیتے ہیں اور ہم ایسا بھی نہیں ہونے دیں گے کہ ان کا فرزند دل بند ان کے ہاتھ ہی سے چلا جائے ہاں: جو شخص سر تا پا ہمارے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اس نے نیکی کو اعلیٰ حد تک پہنچا دیا ہے، اس کی اس کے سوا اور کوئی جزا نہیں ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "بے شک یہ اہم اور آشکار امتحان ہے۔" [2]

بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا، وہ بھی نیک اور لائق بیٹا، اس باپ کے لئے جس نے ایک عمر ایسے فرزند کے انتظار میں گذاری ہو، آسان کام نہیں ہے۔ ایسے فرزند کی یاد کس طرح دل سے نکال سکتا تھا؟ اس سے بھی بالاتر یہ کہ وہ انتہائی تسلیم و رضا کے ساتھ ماتھے پر شکن لائے بغیر ایسے فرمان کی تعمیل کے لئے آگے بڑھے اور اس کے تمام مقدمات کو آخری مرحلے تک انجام دے، اس طور پر کہ روحانی اور عملی آمادگی کے لحاظ سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب، اس فرمان کے آگے اس نوجوان کی اطاعت شعاری کی انتہا، وہ خوشی خوشی، اطمینان قلب کے ساتھ پروردگار کے لطف سے، اس کے ارادے کے سامنے، سر تسلیم خم کرتے ہوئے، ذبح کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔

---

[1] سورہ صافات آیت 104

[2] سورہ صافات آیت 106

جبرائیل علیہ السلام کی فریاد تکبیر

جس وقت یہ کام انجام پاچکا تو جبرائیل نے (تعجب کرتے ہوئے) پکار کر کہا "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" ابراہیم علیہ السلام کے فرزند نے کہا: "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" ۔اور عظیم فداکار باپ نے بھی کہا "اللہ اکبر وللہ الحمد"۔

اور یہ ان تکبیروں کے مشابہ ہے جو ہم عید قربان کے دن پڑھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی روایات میں عید الاضحیٰ کے بارے میں جو احکام آئے ہیں ان میں کچھ مخصوص تکبیریں ہیں جو تمام مسلمان پڑھتے ہیں چاہے وہ مراسم حج میں شریک ہوں اور یا منیٰ میں موجود ہوں اور چاہے دوسرے مقامات پر ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ جو منیٰ میں ہیں وہ ان نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں جن سے پہلی عید کے دن کی نماز ظہر ہے اور جو منیٰ میں نہیں ہوتے وہ ان نمازوں کے بعد تکرار کرتے ہیں اور ان تکبیرات کی صورت اس طرح ہے:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد، اللہ اکبر علی ماھدانا۔

جس وقت ہم اس حکم کا اس حدیث کے ساتھ موازنہ کرکے دیکھتے ہیں، جسے ہم پہلے نقل کرچکے ہیں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکبیریں حقیقت میں جبرائیل علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تکبیروں کا مجموعہ ہیں، اور کچھ اس پر اضافہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم آزمائش میں کامیابی کی یاد لوگوں کی نظروں میں زندہ کرتے ہیں، اور تمام مسلمانوں کو ایک پیغام الٰہی دیتے ہیں چاہے وہ منیٰ میں

ہوں یا منیٰ کے علاوہ دوسرے مقامات پر۔ [1]

ذبح عظیم

لیکن اس غرض سے کہ ابراہیم علیہ السلام کا پروگرام بھی نامکمل نہ رہ جائے اور خدا کی بارگاہ میں ان کی طرف سے قربانی بھی ہو جائے اور ابراہیم کی آرزو پوری ہو جائے، خدا نے ایک بہت بڑا مینڈھا بھیج دیا تاکہ بیٹے کی جگہ اس کی قربانی کریں اور مراسم "حج" اور سرزمین "منیٰ" میں آنے والوں کے لئے اپنی سنت چھوڑ جائیں چنانچہ قرآن کہتا ہے: "ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا۔" [2]

اس ذبح کی عظمت کی ایک نشانی یہ ہے کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال زیادہ وسعت پا رہی ہے۔

اس وقت ہر سال اس ذبح عظیم کی یاد میں دس لاکھ سے زیادہ "منیٰ" میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور اس یاد کو زندہ کیا جاتا ہے۔

مفسرین نے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا، لیکن کوئی مانع نہیں کہ یہ تمام جہات ذبح عظیم میں جمع ہوں اور وہ مختلف جہات سے عظمت کی حامل ہو۔

وہ بہت بڑا مینڈھا ابراہیم کو کس طرح دیا گیا اس بارے میں زیادہ تر اس بات کے معتقد ہیں کہ اسے جبرائیل لائے تھے، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ "منیٰ" کے پہاڑوں کے دامن

[1] سورہ حجر آیت 51

[2] سورہ صافات آیت 107

اس بارے میں کہ اس ذبح کی عظمت کس لحاظ سے تھی، جسمانی اور ظاہری لحاظ سے یا اس جہت سے کہ فرزند ابراہیم کا فدیہ تھی یا اس لحاظ سے کہ خدا کی راہ میں اور خدا کے لئے تھی یا اس لحاظ سے کہ قربانی خدا کی طرف سے ابراہیم کے لئے بھیجی گئی تھی۔

سے پیش آئی تھی۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا خدا کے حکم اور اس کے ارادے سے تھا، خدا نے نہ صرف اس دن کے عظیم امتحان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامیابی کی تعریف و توصیف کی بلکہ اس کی یاد کو جاویدانی بنا دیا۔

جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: "ہم نے ابراہیم کے نیک نام کو بعد کی امتوں میں باقی رہنے والا بنایا۔"[1]

وہ آنے والی سب نسلوں اور لوگوں کے لئے نمونہ اور تمام پاکباز اور کوئے دوست کے دلدادہ عاشقوں کے لئے راہنما بن گئے اور ہم نے ان کے طرز عمل کو رہتی دنیا تک کے لئے حج کی سنت کے طور پر جاویدانی بنا دیا وہ عظیم پیغمبروں کے باپ تھے وہ امت اسلامی اور پیغمبر اسلام کے باپ تھے۔

"ابراہیم پر سلام (جو مخلص اور پاکباز تھے)۔"[2] ہاں "ہم اسی طرح سے نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔"[3] عظمت دنیا کا صلہ، تمام زمانوں میں باقی رہنے والا صلہ، خدائے بزرگ کے لائق درود و سلام کا صلہ۔

ذبیح اللہ کون ہے؟

اس بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں (اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام) میں سے کون قربان گاہ میں لایا گیا اور کس نے ذبیح اللہ کا لقب پایا؟ مفسرین کے درمیان شدید بحث ہے ایک گروہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو "ذبیح" جانتا ہے اور ایک جماعت حضرت

[1] سورہ صافات آیت 108

[2] سورہ صافات آیت 109

[3] سورہ صافات آیت 110

اسماعیل علیہ السلام کو پہلے نظریہ کو بہت سے مفسرین اہل سنت اور دوسرے نظریہ کو مفسرین شیعہ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن جو کچھ قرآن کی مختلف آیات سے ظاہر ہے ہم آہنگ ہے وہ یہی ہے کہ "ذبیح" "اسماعیل علیہ السلام" تھے۔

جناب اسحاق علیہ السلام کی بشارت

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ سے شروع کی گئی ہے (وہی فرشتے کہ جو آپ کے پاس انسانی لباس میں آئے تھے پہلے انھوں نے آپ کو ایک ذی وقار بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر قوم لوط کے دردناک انجام کی خبر دی)۔

ارشاد فرمایا: "میرے بندوں کو ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں خبر دو۔" [1]

یہ بن بلائے مہمان وہی فرشتے تھے جنھوں نے "ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر پہلے انجانے طور پر اسے سلام کیا۔" [2]

جیسا کہ ایک بزرگوار میزبان کا فریضہ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کی پذیرائی کا اہتمام کیا فوراً ان کے لئے مناسب غذا فراہم کی لیکن جب دسترخوان بچھایا گیا تو انجانے مہمانوں نے غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس پر وحشت ہوئی، انھوں نے اپنی پریشانی چھپائی نہیں صراحت سے ان سے کہا: "ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔" [3]

یہ خوف اس رواج کی بنا پر تھا کہ اس زمانے میں اور بعد میں بھی بلکہ ہمارے زمانے تک بعض قوموں کا معمول ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا نان نمک کھا لیتا ہے تو اسے ضرر نہیں

[1] سورہ حجر آیت 51

[2] سورہ حجر آیت 52

[3] سورہ حجر آیت 52

پہنچاتا اور اپنے آپ کو اس کا ممنون احسان سمجھتا ہے لہٰذا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے کو برا سمجھتا ہے اور اسے کینہ وعداوت کی دلیل شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو پریشانی سے نکال دیا اور ان سے کہا: "ڈرو نہیں ہم تجھے ایک عالم و دانا بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔" [1]

یہ کہ **غلام علیم** (صاحب علم لڑکے) سے کون مراد ہے؟ قرآن کی دیگر آیات کو سامنے رکھتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد اسحاق ہیں کیونکہ فرشتوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کو یہ بشارت دی تو ان کی بیوی سارہ جو ظاہراً ایک بانجھ عورت تھی وہ بھی موجود تھی انھوں نے اسے بھی یہ بشارت دی۔ [2]

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سارہ حضرت اسحاقؑ کی والدہ تھیں اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے صاحب اولاد تھے حضرت اسماعیلؑ ان کے فرزند تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ طبیعی معمول کے مطابق ان سے ایسے بیٹے کی پیدائش بہت بعید ہے اگرچہ خدا کی قدرت کاملہ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں ہے مگر انھوں نے معمول سے ہٹ کر ہونے والی بات کی طرف توجہ دی اور ان سے تعجب کا اظہار کیا لہٰذا انھوں نے کہا مجھے ایسی بشارت دیتے ہو حالانکہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہوں واقعاً مجھے کس چیز کی بشارت دے رہے ہو۔ [3]

"کیا تمہاری یہ بشارت حکم الٰہی سے ہے یا خود تمہاری طرف سے ہے صراحت سے کہو تاکہ مجھے زیادہ اطمینان ہو۔"

ممکن ہے یہ جملہ اس لحاظ سے ہو کہ ابراہیم ایک اچھے تجربے سے گذرے تھے کہ

[1] سورہ حجر آیت 53

[2] سورہ ہود آیت 71 میں ہے "ان کی بیوی کھڑی تھی، وہ ہنسی اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی"

[3] سورہ حجر آیت 54

بڑھاپے میں ہی ان کے بیٹے اسماعیل پیدا ہوئے تھے لہٰذا نئے بیٹے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں انہیں تعجب نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن معلوم ہونا چاہیے، کہ بعض مفسرین کے بقول حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی پیدائش میں دس سال سے زیادہ کا فاصلہ تھا لہٰذا بڑھاپے میں دس سال گذر جائیں تو بچے کی پیدائش کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے۔

ثانیاً اگر کوئی واقعہ خلاف معمول ہو اگرچہ استثنائی طور پر ہو، اس سے مشابہ مواقع پر تعجب کرنے سے مانع نہیں ہے۔

کیونکہ ایسے سن وسال میں بچے کی پیدائش بہر حال ایک امر عجیب ہے، کہتے ہیں کہ جناب اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جناب ابرہیم علیہ السلام کی 99 سال کی عمر تھی اور جناب اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے وقت 112 کی عمر ہو چکی تھی۔ [1]

بہر حال فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد یا زیادہ تعجب کا موقع نہ دیا، اور ان سے صراحت وقاطعیت سے کہا: "ہم تجھے حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں۔" [2]

وہ بشارت کہ جو خدا کی طرف سے ہے اور اس کے حکم سے ہے اسی بناء پر یہ حق ہے مسلم ہے۔ اس کے بعد اس لئے کہ مبادا ابراہیم مایوس و ناامید ہوں تاکید کے طور پر کہنے لگے: "اب جبکہ ایسا ہے تو مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو"۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام نے فوراً ان کے اس خیال کو دور کردیا کہ یہاں پر مایوسی اور رحمت خدا سے ناامیدی کا غلبہ نہیں ہے اور واضح کیا کہ یہ تو صرف طبیعی معمولات کے حوالے سے تعجب ہے، لہٰذا صراحت سے کہا: "گمراہوں کے سوا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون مایوس ہوگا۔" [3]

وہی گمراہ کہ جنھوں نے خدا کو اچھی طرح نہیں پہچانا اور اس کی بے پایاں قدرت پر ان

[1] سورہ حجر آیت 55

[2] سورہ حجر آیت 53

[3] سورہ حجر آیت 55

کی نگاہ نہیں۔ وہ خدا کہ جو مشت خاک سے ایسا عجیب وغریب انسان پیدا کرتا ہے اور ناچیز نطفہ سے ایک مکمل بچہ وجود میں لاتا ہے خرمے کا خشک درخت جس کے حکم سے پھل سے لد جاتا ہے اور جلانے والی آگ جس کے حکم سے گلزار ہو جاتی ہے، کون شخص ایسے پروردگار کی قدرت میں شک کرے یا اس کی رحمت سے مایوس ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر نو

قرآن کی مختلف آیات، احادیث اور تواریخ اسلامی سے واضح ہوتا ہے خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا کیونکہ سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کی زبانی یوں آیا ہے:

"پروردگار: میں اپنی ذریت میں سے (بعض کو) اس بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسا رہا ہوں۔" [1]

یہ آیت واضح طور پر گواہی دیتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل اور اپنی زوجہ کے ساتھ سرزمین مکہ میں آئے تو خانہ کعبہ کے آثار موجود تھے۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی ہے: "پہلا گھر جو عبادت خدا کی خاطر انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ سرزمین مکہ میں تھا"۔ [2]

یہ مسلم ہے کہ عبادت خدا اور مرکز عبادت کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے نہیں پڑی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے یہ سلسلہ جاری تھا۔

اتفاقاً قرآن کی تعبیر بھی اس معنی کو تقویت دیتی ہے کہ فرمایا گیا ہے: یاد کرو اس وقت کو

[1] سورہ حجر آیت 53

[2] سورہ آل عمران آیت 96

جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام (جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہو گئے تو) خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کر رہے تھے اور کہتے تھے: ''پروردگارا ہم سے قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔'' [1]

آیت کا یہ انداز بتاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیادیں موجود تھیں اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس کے ستون بلند کر رہے تھے۔

نہج البلاغہ کے مشہور خطبہ قاصعہ میں بھی ہے: ''کیا دیکھتے نہیں کہ ہو کہ خدا نے آدم سے لے کر آج تک کچھ پتھروں کے ذریعہ امتحان لیا (وہ پتھر کہ) جنہیں اپنا محترم گھر قرار دیا، پھر آدم اور اولاد آدم کو حکم دیا کہ اس کے گرد طواف کریں''۔

مختصر یہ کہ آیات قرآن اور روایات، تاریخ کی اس مشہور بات کی تائید کرتی ہیں کہ خدا کعبہ پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں بنا۔ پھر طوفان نوح علیہ السلام میں گر گیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انعام میں امامت ملی

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین موڑ یعنی ان کی بڑی بڑی آزمائشوں اور ان میں ان کی کامیابی کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ آزمائشیں جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کی عظمت، مقام اور شخصیت کو مکمل طور پر نکھار دیا اور ان کی شخصیت کی بلندی کو روشن کر دیا، ارشاد ہوتا ہے: اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے ابراہیم کو مختلف طریقوں سے آزمایا اور وہ ان آزمائشوں میں اچھی طرح سے کامیاب ہوئے۔ [2]

جب ابراہیم علیہ السلام ان امتحانات میں کامیاب ہو گئے تو وہ منزل آئی کہ خدا انہیں انعام

---

[1] سورہ بقرہ آیت 127

[2] سورہ بقرہ آیت 124

دے، تو فرمایا: "میں تمہیں لوگوں کا امام، رہبر اور پیشوا قرار دیتا ہوں۔" [1]

"ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ میری ذریت اور خاندان سے بھی آئمہ قرار دے تا کہ یہ رشتہ نبوت و امامت منقطع نہ ہو، اور صرف مجھ سے قائم نہ رہے۔" [2]

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: "میرا عہدہ یعنی مقام امامت ظالموں تک ہرگز نہیں پہنچے گا۔" [3]

یعنی ہم نے تمہاری درخواست قبول کر لی ہے لیکن تمہاری ذریت میں سے صرف وہ لوگ اس مقام کے لائق ہیں جو پاک اور معصوم ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا کن چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا گیا

آیات قرآن سے اور ابراہیم علیہ السلام کے وہ نظر نواز اعمال جن کی خدا نے تعریف کی ہے، ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلمات (وہ جملے جو خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے) در اصل ذمہ داریوں کا ایک گراں اور مشکل سلسلہ تھا جو خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے ذمہ کیا اور اس مخلص پیغمبر نے انہیں بہترین طریقے سے انجام دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں یہ امور شامل تھے:

(1) بیٹے کو قربان گاہ میں لے جانا اور فرمان خدا سے اسے قربان کرنے کے لئے پر عزم آمادگی کا مظاہرہ کرنا۔

(2) اپنی بیویاں اور بیٹے کو مکہ کی خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں لے جانا جہاں

---

[1] سورہ بقرہ آیت 124

[2] سورہ بقرہ آیت 124

[3] سورہ بقرہ آیت 124

کوئی انسان نہ بستا تھا۔

(3) بابل کے بت پرستوں کے مقابلے میں قیام کرنا، بتوں کو توڑنا اور اس تاریخی مقدموں میں پیش ہونا اور نتیجتاً آگ میں پھینکا جانا اور ان تمام مراحل میں اطمینان وایمان کا ثبوت دینا۔

(4) بت پرستوں کی سرزمین سے ہجرت کرنا اور اپنی زندگی کے سرمائے کو ٹھوکر مارنا اور دیگر علاقوں میں جا کر پیغام حق سنانا، ایسے اور بھی بہت سے امور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک بہت سخت اور مشکل آزمائش تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام ایمانی قوت کے ذریعہ ان تمام امتحانات میں پورا اترے اور ثابت کیا کہ وہ مقام ''امامت'' کی اہلیت رکھتے تھے۔

امام کسے کہتے ہیں؟

قرآن کریم سے اجمالاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مقام امامت بخشا گیا وہ مقام نبوت ورسالت سے بالاتر تھا۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوند عالم نے نبی بنانے سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو عبد قرار دیا، اور اللہ نے انہیں رسول بنانے سے قبل نبی قرار دیا، اور انہیں خلیل بنانے سے پہلے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور اس سے پہلے کہ امام بناتا انہیں اپنا خلیل بنایا جب یہ تمام مقامات ومناصب انہیں حاصل ہو چکے تو اللہ نے فرمایا: میں تمہیں انسانوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ مقام عظیم دیا تو انہوں نے عرض کیا: خدایا میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے۔ ارشاد ہوا: میرا عہدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا، بے وقوف شخص متقی لوگوں کا امام نہیں ہو سکتا۔''

حضرت لوط علیہ السلام

جناب لوط علیہ السلام خدا کے عظیم پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور جناب ابراہیم علیہ السلام سے قریبی رشتہ داری تھی (کہا جاتا ہے کہ آپ جناب ابراہیم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے)۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام عراق اور سرزمین بابل سے ہجرت کرنے کے بعد شامات کی طرف گئے، کہتے ہیں کہ لوط بھی ان کے ساتھ تھے لیکن کچھ مدت کے بعد (توحید کی طرف دعوت دینے اور فتنہ وفساد سے مبارزہ کے لئے) شہر ''سدوم'' کی طرف گئے۔

''سدوم'' قوم لوط کے ایک شہر اور آبادی کا نام تھا جو شامات (ملک اردن میں) ''بحر المیت'' کے قریب واقع تھا جو آباد اور درختوں اور سبزہ زار سے بھرا تھا، لیکن اس بدکار و بے غیرت قوم پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے کے بعد، ان کے شہر مسمار اور تہ وبالا ہو گئے، چنانچہ انہیں ''مدائن موتفکات''۔ (تہ وبالا ہونے والے شہر) کہتے ہیں۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ ان شہروں کے ویرانے زیر آب آ گئے ہیں، اور ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ''بحر المیت'' کے ایک گوشہ میں کچھ ستون اور دوسرے آثار جو ان شہروں کے خرابوں پر دلالت کرتے ہیں دیکھے ہیں۔

جب کہ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ قوم لوط کے شہر زیر آب نہیں آئے، اور اب بھی ''بحر المیت'' کے قریب ایک علاقہ ہے جو سیاہ پتھروں کے نیچے ڈھکا ہوا ہے، احتمال ہے کہ قوم لوط کے

شہروں کی جگہ یہیں ہو۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا مرکز شہر "حبرون" میں تھا، جو شہر "سدوم" سے چنداں دور فاصلہ پر نہیں تھا، اور جس وقت زلزلہ یا صاعقہ کے زیر اثر ان کے شہروں کو آگ لگی تو اس وقت ابراہیم حبرون کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اور شہر سے جو دھواں اٹھ رہا تھا اسے اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔

اس گفتگو کے مجموعہ سے ان شہروں کے قریباً حدود واضح ہو گئے، اگرچہ ان کے جزئیات کے ابھی تک پردہ ابہام میں ہیں۔

قوم لوط کا سب سے بڑا اخلاقی انحراف

قرآن کریم اس عظیم پیغمبر اور ان کی قوم کے واقعہ کو اس طرح شروع کرتا ہے کہ "لوط کی قوم نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی۔" [1]

"مرسلین" رسولوں کو جمع کی صورت میں بیان کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہوتی ہے لہٰذا کسی بھی پیغمبر کی تکذیب سب کی تکذیب شمار کی جاتی ہے یا پھر اس لئے ہے کہ وہ گزشتہ کسی بھی پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر فرمایا گیا ہے: میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔

اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو پرہیز گاری اختیار کرو، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، کیونکہ میں راہ سعادت کا رہبر ہوں۔" [2]

"کیا اب تک تم نے مجھ سے کوئی خیانت دیکھی ہے؟ اس کے بعد وحی الٰہی اور تمہارے

---

[1] سورہ شعراء آیت 161

[2] سورہ شعراء آیت 162

رب کا پیغام پہنچانے میں بھی یقیناً امانت کو مدنظر رکھوں گا۔"

"یہ نہ سمجھو کہ یہ دعوت الٰہی میرے گزر اوقات کا ایک ذریعہ ہے یا کسی مادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایسا کام کر رہا ہوں، نہ، میں تو ذرہ بھر بھی تم سے اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف عالمین کے رب کے پاس ہے۔" [1]

پھر وہ ان کے ناشائستہ اعمال اور ان کی کچھ اخلاقی بے راہ روی کی باتوں کو بیان کرتے ہیں اور چونکہ ان کا بڑا انحراف اور ہم جنس بازی تھا لہٰذا اسی بات پر زیادہ زور دے کر کہتے ہیں:

"آیا تم ساری دنیا میں صرف مردوں کے پاس ہی جاتے ہو"۔ [2]

یعنی باوجودیکہ خداوند عالم نے اس قدر جنس مخالف تمہارے لئے خلق فرمائی ہے جن سے صحیح طریقے سے شادی کر کے پاک وپاکیزہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کر سکتے ہوں خدا کی اس پاک اور فطری نعمت کو چھوڑ کر تم نے خود کو اس طرح کے پست اور حیا سوز کام سے آلودہ کر لیا ہے۔

"اپنی ازواج کو ترک کر دیتے ہو جنھیں خدا نے تمہارے لئے خلق فرمایا ہے تم تو تجاوز کرنے والی قوم ہو۔" [3]

یقیناً کسی روحانی یا جسمانی فطری ضرورت نے تمہیں اس بے راہ روی پر آمادہ نہیں کیا بلکہ یہ تمہاری سرکشی ہے جس نے تمہارے دامن کو اس شرمناک فعل کی گندگی سے آلودہ کر دیا ہے۔

تمہارے کام کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص خوشبودار میوے، مقوی اور صحیح سالم غذائیں چھوڑ کر زہر آلود اور مار ڈالنے والی غذاؤں کو استعمال کرے یہ فطری خواہش نہیں بلکہ

---

[1] سورہ شعراء آیت 163

[2] سورہ شعراء آیت 165

[3] سورہ شعراء آیت 166

سرکشی ہے۔

جہاں پر عفت ایک عیب ہو

قوم لوط کے افراد جو بادہ شہوت وغرور سے مست ہو چکے تھے، اس رہبر الٰہی کی نصیحتوں کو جان ودل سے قبول کرنے اور خود کو اس دلدل سے باہر نکالنے کی بجائے اس کے مقابلے پر تل گئے اور ان سے کہا: ''اے لوط علیہ السلام کافی ہو چکا ہے، اب خاموش رہو اگر ان باتوں سے باز نہ آئے تو تمہارا اشمار بھی اس شہر سے نکال دیئے جانے والوں میں سے ہوگا''۔ [1]

تمہاری باتیں ہماری فکر اور آرام میں خلل ڈال رہی ہیں ہم ان باتوں کے سننے کے ہرگز روادار نہیں، اگر تمہاری یہی حالت رہی تو ہم تمہیں سزا دیں گے جو کم از کم جلاوطنی کی صورت میں ہوگی۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے کہ انھوں نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنایا اور حکم دیا کہ لوط علیہ السلام کے خاندان کو شہر سے باہر نکال دو کیونکہ وہ پاک لوگ ہیں اور گناہ نہیں کرتے۔

ان گمراہ اور گناہ سے آلود لوگوں کی جسارت اس حد تک جا پہنچی کہ تقویٰ اور طہارت ان کے درمیان بہت بڑا عیب سمجھا جانے لگا اور ناپاکی اور گناہ سے آلودگی سرمایہ افتخار اور یہ کسی معاشرے کی تباہی کی علامت ہوتی ہے جو تیزی کے ساتھ برائیوں کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فاسق وفاجر گروہ نے ایسے پاک وپاکیزہ لوگوں کو پہلے باہر نکال دیا جو ان کو ان کے بے ہودہ اعمال سے روکا کرتے تھے لہٰذا انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھی یہی دھمکی دی کہ اگر تم نے اپنے اس تبلیغی سلسلے کو جاری رکھا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا۔ بعض تفسیروں میں صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ وہ پاک دامن لوگوں کو بدترین طریقے سے جلاوطن کر دیا کرتے تھے۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 167

قرآن کہتا ہے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تھا کہ ایک دوسرے سے کہا: ''لوط کے خاندان کو اپنے شہر اور علاقے سے نکال باہر کرو کیونکہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں اور یہ اپنے تئیں ہم سے ہم آہنگ نہیں کر سکتے''۔ [1]

یہ ایک ایسا جواب ہے جو ان کی فکری پستی اور انتہائی اخلاقی تنزل کا آئینہ دار ہے۔

جی ہاں: مجرم اور گناہ سے آلودہ ماحول میں پاکیزگی ایک جرم وعیب ہوا کرتی ہے یوسفؑ جیسے پاکدامن کو عفت و پارسائی کے جرم میں زندانوں میں ڈالا جاتا ہے جبکہ زلیخا ئیں اس ماحول میں آزاد اور صاحب جاہ و مقام ہوا کرتی ہیں اور قوم لوط علیہ السلام اپنے اپنے گھروں میں آرام و آسائش کے ساتھ رہتی ہے۔

یہیں پر قرآن مجید کا مصداق واضح ہو جاتا ہے جو وہ گمراہ لوگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ: ہم (ان کے اپنے اعمال کی بنا پر) ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اور ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کی دلدل میں اس حد تک پھنس چکے تھے کہ لوط کے خاندان کا تمسخر اڑا کر کہتے تھے کہ وہ ہمیں ناپاک سمجھتے ہیں اور خود بڑے پاکباز بنتے ہیں، یہ کیسا مذاق ہے؟

یہ عجیب بات نہیں تو اور کیا ہے کہ بے حیائی اور بے شرمی کے فعل سے مانوس ہو جانے کی وجہ سے انسان کی حس شناخت ہی یکسر بدل جائے یہ بالکل اس چمڑا رنگنے والے کی مثال ہے جو بدبو سے مانوس ہو چکا تھا اور جب ایک مرتبہ وہ عطاروں کے بازار سے گزر رہا تھا تو عطر کی نامانوس بو کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا، جب اسے حکیم کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ چمڑا رنگنے والوں کے بازار میں لے

---

[1] سورہ شعراء آیت 167

جایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ہوش میں آ گیا اور مرنے سے بچ گیا یہ واقعہ اس بارے میں ایک دلچسپ حسی مثال ہے۔

30 سال سعی وکوشش

جناب لوط علیہ السلام نے اس قوم کو تیس سال تک تبلیغ کی، لیکن اپنے خاندان کے سوا (اور وہ بھی بیوی کو مستثنیٰ کر کے کیونکہ وہ مشرکین کے ساتھ ہم عقیدہ ہو گئی تھی)، اور کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔

لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا اور کہا: ''میں تمہارے ان کاموں کا دشمن ہوں۔'' [1]

یعنی میں اپنا احتجاج برابر جاری رکھوں گا، تم جو کچھ میرا بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو، مجھے راہ خدا اور برائیوں کے خلاف جہاد کے سلسلے میں ان دھمکیوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اس احتجاج میں اور بھی بہت سے لوگ جناب لوط علیہ السلام کے ہمنوا ہو چکے تھے، یہ اور بات ہے کہ سرکش قوم نے آخرکار انہیں جلاوطن کر دیا۔

لائق توجہ بات یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''تمہارے اعمال کا دشمن ہوں'' یعنی مجھے تمہاری ذات سے دشمنی نہیں بلکہ تمہارے شرمناک اعمال سے نفرت ہے اگر ان اعمال کو اپنے سے دور کر دو تو پھر تم میرے پکے دوست بن جاؤ گے۔

بہرحال جناب لوط علیہ السلام کی ذمہ داری کا آخری مرحلہ آن پہنچا لہٰذا وقت آ پہنچا کہ جناب لوط علیہ السلام خود کو بھی اور جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں انہیں بھی اس گناہ آلود علاقے سے باہر نکال کر لے جائیں تاکہ ہولناک عذاب اس بے حیا قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 167

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دست دعا بلند کر کے کہا: ''پروردگار: جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں مجھے اور میرے خاندان کو اس سے نجات دے۔''[1]

یہ ہے گناہ گاروں کا انجام

آخر کار حضرت لوط علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا کی طرف سے اس قوم تباہ کار کے خلاف سخت سزا کا حکم صادر ہوا، وہ فرشتے جو عذاب نازل کرنے پر مامور تھے قبل اس کے کہ سرزمین لوط پر اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جاتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک اور پیغام لے کر گئے اور وہ پیغام تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کی پیدائش کی خوشخبری۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابراہیمؑ شام کی طرف جلاوطن ہونے کے بعد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے اور ہر قسم کے شرک و بت پرستی کے خلاف مبارزہ کرنے میں مصروف تھے، حضرت لوط علیہ السلام جو ایک عظیم پیغمبر تھے، ان ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ آپ ہی کی طرف سے مامور ہوئے تھے، کہ گمراہوں کو تبلیغ و ہدایت کرنے کے لئے شام کے ایک علاقہ (یعنی سدوم کے شہروں کی طرف) سفر کریں، وہ ایک ایسی گناہگار قوم کے درمیان آئے جو شرک اور بہت سے گناہوں میں آلودہ تھی، اور سب سے قبیح گناہ اغلام اور لواطت تھی، آخر کار فرشتوں کا ایک گروہ، اس قوم کی ہلاکت پر مامور ہوا لیکن وہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی وضع و قطع سے سمجھ گئے کہ یہ کسی اہم کام کے لئے جا رہے ہیں، اور صرف بیٹے کی ولادت کی بشارت کے لئے نہیں آئے، کیونکہ اس قسم کی بشارت کے لئے تو ایک ہی شخص کافی تھا، یہ اس عجلت کی وجہ ہے جو وہ چلنے کے لئے کر رہے تھے، اس سے محسوس کیا کہ کوئی اہم ڈیوٹی رکھتے ہیں۔ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ہے چنانچہ کہا گیا

---

[1] سورہ شعراء آیت 169

ہے: "جس وقت ہمارے ایلچی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر گئے۔ انہیں اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی اور پھر (قوم لوط کی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ ہم اس شہر اور اس میں رہنے والوں کو ہلاک کر دیں گے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں"۔ [1]

چونکہ فرشتوں نے "ھذہ القریة" کہا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم لوط اسی مقام کے قرب جوار میں رہتی تھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہتے تھے۔ اور اس قوم کو لفظ "ظالم" سے یاد کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے یہاں تک کہ اس طرف سے گزرنے والے مسافروں اور قافلوں پر بھی ستم کرتے تھے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات سنی تو انہیں حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر خدا کی فکر ہوئی اور کہا: "اس آبادی میں تو لوط بھی ہے"۔ [2]

اس پر کیا گزرے گی؟

مگر فرشتوں نے فوراً جواب دیا: "آپ فکر نہ کریں ہم ان سب لوگوں سے خوب واقف ہیں جو اس بستی میں رہتے ہیں"۔ [3]

ہم اندھا دھند عذاب نازل نہیں کریں گے ہمارا پروگرام نہایت سنجیدہ اور نپا تلا ہے۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ "ہم لوط علیہ السلام اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے بجز اس کی بیوی کے کہ جو اس قوم کے ساتھ ہی مبتلائے عذاب ہوگی"۔ [4]

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 31

[2] سورہ عنکبوت آیت 32

[3] سورہ عنکبوت آیت 32

[4] سورہ عنکبوت آیت 32

صرف ایک خاندان مومن اور پاک

قرآن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے کی تمام آبادیوں اور بستیوں میں صرف ایک ہی خاندان مومن اور پاک نفس تھا اور خدا نے بھی اسے عذاب سے نجات دی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

''ہم نے وہاں ایک خاندان کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ پایا۔'' [1]

یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ بھی مومنین کی صف سے خارج تھی اس لئے وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی۔

وہ عورت جو خانوادہ نبوت میں شامل تھی اسے تو ''مومنین اور مسلمین'' سے جدا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر وہ اپنے کفر و شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اس صنف سے جدا ہو گئی۔

اس طرح کلام سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عورت منحرف العقیدہ تھی کچھ بعید نہیں کہ اس میں یہ بدعقیدگی اس مشرک معاشرے کے اثر سے پیدا ہو گئی ہو اور ابتدا میں مومن و موحد ہو اس صورت میں حضرت لوط علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ انھوں نے ایک مشرکہ سے نکاح ہی کیوں کیا تھا؟

یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور لوگ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لائے ہوں گے تو وہ حتماً نزول عذاب سے پہلے اس گناہ آلود زمین سے ہجرت کر گئے ہوں گے تنہا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال اس مقام پر اس توقع سے آخری وقت تک ٹھہرے ہوں گے کہ ممکن ہے ان کی تبلیغ اور ڈرانے کا لوگوں پر اثر ہو۔

یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں کی گفتگو ختم ہو گئی اور وہ حضرت لوط علیہ السلام

---

[1] سورہ ذاریات آیت 36

کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"جب ہمارے رسول، لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے پر بہت ہی ناراحت اور پریشان ہوئے، ان کی فکر اور روح مضطرب ہوئی اور غم واندوہ نے انہیں گھیر لیا۔" [1]

اسلامی روایات اور تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے، اچانک انہوں نے خوبصورت نوجوانوں کو دیکھا جو ان کی طرف آ رہے تھے وہ ان کے یہاں مہمان ہونا چاہتے تھے، اب حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کی پذیرائی بھی چاہتے تھے لیکن اس حقیقت کی طرف بھی ان کی توجہ تھی کہ ایسے شہر میں جو انحراف جنسی کی آلودگی میں غرق ہے۔

ان خوبصورت نوجوانوں کا آنا طرح طرح کے مسائل کا موجب ہے اور ان کی آبروریزی کا بھی احتمال ہے، اس وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام سخت مشکل سے دوچار ہو گئے یہ مسائل، روح فرسا افکار کی صورت میں ان کے دماغ میں ابھرے اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ سے کہنا شروع کیا: "آج بہت سخت اور وحشت ناک دن ہے۔" [2]

بہر حال حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے نو وارد مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے، لیکن اس بناء پر کہ وہ غفلت میں نہ رہیں راستے میں چند مرتبہ ان کے گوش گزار کر دیا کہ اس شہر میں شریر اور منحرف لوگ رہتے ہیں تا کہ اگر مہمان ان کا مقابلہ نہیں

---

[1] سورہ ہود آیت 77

[2] سورہ ہود آیت 77

کر سکتے تو صورت حال کا اندازہ کر لیں۔

خداوند عالم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جب تک یہ پیغمبر تین مرتبہ اس قوم کی برائی اور انحراف کی گواہی نہ دے انہیں عذاب نہ دیا جائے (یعنی یہاں تک کہ ایک گنہگار قوم سے متعلق بھی حکم خدا عدالت کے ایک عادلانہ فیصلے کی روشنی میں انجام پائے) اور ان رسولوں نے راستے میں تین مرتبہ لوط علیہ السلام کی گواہی سن لی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو اتنی دیر تک (کھیت میں) ٹھہرائے رکھا کہ رات ہوگئی تاکہ شاید اس طرح اس شریر اور آلودہ قوم کی آنکھ سے بچ کر حفظ آبرو کے ساتھ ان کی پذیرائی کر سکیں لیکن جب انسان کا دشمن خود اس کے گھر کے اندر موجود ہو تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کہ جو ایک بے ایمان عورت تھی اور اس گنہگار قوم کی مدد کرتی تھی جب اسے ان نوجوانوں اور خوبصورت مہمانوں کے آنے کی خبر ہوئی تو چھت پر چڑھ گئی پہلے اس نے تالی بجائی پھر آگ روشن کر کے اس کے دھوئیں کے ذریعے اس نے منحرف قوم کے بعض لوگوں کو آگاہ کیا کہ لقمہ تر جال میں پھنس چکا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام آپ کے گھر میں داخل ہوگئی

شہر والوں کو جب لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے نئے مہمانوں کا پتہ چلا تو وہ ان کے گھر کی طرف چل پڑے، راستے میں وہ ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے تھے۔ گمراہی کی شرمناک وادی میں بھٹکنے والے ان افراد کا خیال تھا کہ گویا تر مال ان کے ہاتھ آ گیا ہے خوبصورت اور خوش رنگ نوجوان اور وہ بھی لوط کے گھر میں۔

قرآن میں اس جگہ اہل مدینہ استعمال ہوا ہے اور یہ کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ کم از کم شہر کے بہت سے لوگ ٹولیوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف چل پڑے، اس سے یہ امر

واضح ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک بے شرم، ذلیل اور جسور تھے خصوصاً لفظ "یستبشرون" (ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے) ان کی آلودگی کی گہرائی کی حکایت کرتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا شرمناک عمل ہے کہ شاید کسی نے اس کی نظیر جانوروں میں بھی بہت ہی کم دیکھی ہوگی اور یہ عمل اگر کوئی انجام دیتا بھی ہے تو کم از کم چھپ چھپا کر اور احساس شرمندگی کے ساتھ ایسا کرتا ہے لیکن یہ بدکار اور کمینہ صفت قوم کھلم کھلا ایک دوسرے کو مبارکباد دیتی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کا شور وغل سنا تو بہت گھبرائے اور مضطرب ہوئے انہیں اپنے مہمانوں کے بارے میں بہت خوف ہوا کیونکہ ابھی تک وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مہمان ماموریں عذاب ہیں اور قادر و قاہر خدا کے فرشتے ہیں لہٰذا وہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "یہ میرے مہمان ہیں، میری آبرو نہ گنواؤ۔" [1]

یعنی اگر تم خدا، پیغمبر اور جزاء وسزا کے مسئلہ سے صرف نظر کرلو تو بھی کم از کم یہ انسانی مسئلہ ہے اور یہ بات تو سب انسانوں میں چاہے مومن ہوں یا کافر، موجود ہے کہ وہ مہمانوں کا احترام کرتے ہیں تم کیسے انسان ہو کہ اتنی سی بات بھی نہیں مانتے ہو اگر تمہارا کوئی دین نہیں تو تم از کم آزاد انسان تو بنو۔ اس کے بعد آپ نے مزید کہا: "آؤ خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے شرمسار نہ کرو۔" [2]

لیکن، وہ بہت جسور اور منہ پھٹ تھے بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہوتے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام سے کیسا مطالبہ کیا ہے الٹا اس طرح سے پیش آئے جیسے لوط علیہ السلام سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے انھوں نے زبان اعتراض درازی اور کہنے لگے: "کیا ہم نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ دنیا والوں کو اپنے یہاں مہمان نہ ٹھہرانا اور کسی کو اپنے یہاں نہ آنے دینا۔" [3]

[1] سورہ حجر آیت 68

[2] سورہ حجر آیت 69

[3] سورہ حجر آیت 70

تم نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی اور ہمارے کہنے پر عمل کیوں نہ کیا۔

یہ اس بناء پر تھا کہ یہ قوم انتہائی کم ظرف اور کنجوس تھی یہ لوگ ہرگز کسی کو اپنے یہاں مہمان نہیں ٹھہراتے تھے اور اتفاق سے ان کے شہر قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ کام بعض آنے والوں کے ساتھ اس لئے کہ کوئی ان کے یہاں ٹھہرے نہ، آہستہ آہستہ ان کی عادت بن گئی لہذا جب حضرت لوط علیہ السلام کو شہر میں کسی مسافر کے آنے کی خبر ہوتی تو اسے اپنے گھر میں دعوت دیتا کہ وہ کہیں ان کے چنگل میں نہ پھنس جائے ان لوگوں کو جب اس کا پتہ چلا تو بہت سیخ پا ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کھل کر کہنے لگے کہ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اب تم کسی مہمان کو اپنے گھر لے جاؤ۔

اے کاش میں تم سے مقابلہ کرسکتا

بہر حال جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی یہ جسارت اور کمینہ پن دیکھا تو انھوں نے ایک طریقہ اختیار کیا تا کہ انہیں خواب غفلت اور انحراف و بے حیائی کی مستی سے بیدار کرسکیں۔ آپ نے کہا: "تم کیوں انحراف کے راستے پر چلتے ہو اگر تمہارا مقصد جنسی تقاضوں کو پورا کرنا ہے تو جائز اور صحیح طریقے سے شادی کر کے انہیں پورا کیوں نہیں کرتے، یہ میری بیٹیاں ہیں (تیار ہوں کہ انہیں تمہاری زوجیت میں دے دوں) اگر تم صحیح کام انجام دینا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے۔"[1]

اس میں شک نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی تو چند بیٹیاں تھیں اور ان افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مقصد یہ تھا کہ ان پر اتمام حجت کیا جائے اور کہا جائے کہ میں اپنے مہمانوں کے احترام اور حفاظت اور تمہیں برائی کی دلدل سے نکالنے کے لئے اس حد تک ایثار کے لئے تیار ہوں۔ یہ

[1] سورہ حجر آیت 71

بات واضح ہے کہ جناب لوط علیہ السلام یونہی اپنی لڑکیوں کا عقد ان مشرکوں اور گمراہوں سے نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ پہلے ایمان لے آؤ تاکہ بعد میں اپنے لڑکیوں کی شادی تم سے کر دوں۔

لیکن افسوس شہوت، انحراف اور ہٹ دھرمی کے اس عالم میں ان میں ذرہ بھر بھی انسانی اخلاق اور جذبہ باقی ہوتا تو کم از کم اس امر کے لئے کافی تھا کہ وہ شرمندہ ہوتے اور پلٹ جاتے مگر نہ صرف یہ کہ وہ شرمندہ نہ ہوئے بلکہ اپنی جسارت میں اور بڑھ گئے اور چاہا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔

وہ قوم حرص اور شوق کے عالم میں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بڑی تیزی سے لوط کی طرف آئی۔

مگر اس تباہ کار قوم نے نبی خدا حضرت لوط علیہ السلام کو بڑی بے شرمی سے جواب دیا: "تو خود اچھی طرح سے جانتا ہے کہ ہمارا تیری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں، اور یقیناً تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" [1]

یہ وہ مقام تھا کہ اس بزرگوار پیغمبر نے اپنے آپ کو ایک محاصرے میں گھرا ہوا پایا اور انہوں نے ناراحتی و پریشانی کے عالم میں فریاد کی: "اے کاش: مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنے مہمانوں کا دفاع کر سکتا اور تم جیسے سرپھروں کی سرکوبی کر سکتا"۔ [2]

یا کوئی مستحکم سہارا ہوتا، کوئی قوم و قبیلہ میرے پیروکارں میں سے ہوتا اور میرے کوئی طاقتور ہم پیمان ہوتے کہ جن کی مدد سے تم منحرف لوگوں کا مقابلہ کرتا۔ [3]

[1] سورہ حجر آیت 79

[2] سورہ حجر آیت 80

[3] سورہ حجر آیت 80

اے لوط! آپ پریشان نہ ہوں:

آخر کار پروردگار کے رسولوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی شدید پریشانی دیکھی اور دیکھا کہ وہ روحانی طور پر کس اضطراب کا شکار ہیں تو انہوں نے اپنے اسرار کار سے پردہ اٹھایا اور ان سے کہا: "اے لوط: ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، پریشان نہ ہو مطمئن رہو کہ وہ ہرگز تم پر دسترس حاصل نہیں کر سکیں گے"۔ [1]

قرآن میں دوسری جگہ پر ہے: وہ لوط کے مہمانوں کے بارے میں تجاوز کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ اس وقت حملہ آور قوم پروردگار کے ارادے سے اپنی بینائی کھو بیٹھی تھی اور حملے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بعض روایات میں بھی ہے کہ ایک فرشتے نے مٹھی بھر خاک ان کے چہروں پر پھینکی جس سے وہ نابینا ہو گئے۔

بہر حال جب لوط اپنے مہمانوں کے بارے میں ان کی ماموریت کے بارے میں آگاہ ہوئے تو یہ بات اس عظیم پیغمبر کے جلتے ہوئے دل کے لئے ٹھنڈک کی مانند تھی، ایک دم انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے غم کا بار گراں ختم ہو گیا ہے اور ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، ایسا ہوا جیسے ایک شدید بیمار کی نظر مسیحا پر جا پڑے، انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور سمجھ گئے کہ غم واندوہ کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور اس بے شرم حیوان صفت قوم کے چنگل سے نجات پانے کا اور خوشی کا وقت آپہنچا ہے۔

مہمانوں نے فوراً لوط علیہ السلام کو حکم دیا: تم تاریکی شب میں اپنے خاندان کو اپنے ساتھ لے لو اور اس سرزمین سے نکل جاؤ لیکن یہ پابندی ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص پس پشت، نہ

[1] سورہ ہود آیت 81

دیکھے۔"[1]

"اس حکم کی خلاف ورزی فقط تمہاری معصیت کا ر بیوی کرے گی کہ جو تمہاری گنہگار قوم کو پہنچنے والی مصیبت میں گرفتار ہوگی۔"[2]

کیا صبح قریب نہیں ہے؟

بالآخر انھوں نے لوط علیہ السلام سے آخری بات کہی: "نزول عذاب کا لمحہ اور وعدہ کی تکمیل کا موقع صبح ہے اور صبح کی پہلی شعاع کے ساتھ ہی اس قوم کی زندگی غروب ہو جائے گی۔"[3]

ابھی اٹھ کھڑے ہو اور جتنا جلدی ممکن ہو شہر سے نکل جاؤ" کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔"[4]

بعض روایات میں ہے کہ جب ملائکہ نے کہا کہ عذاب کے وعدہ پر عمل درآمد صبح کے وقت ہوگا تو حضرت لوط علیہ السلام کو جو اس آلودہ قوم سے سخت ناراحت اور پریشان تھے، وہی قوم کہ جس نے اپنے شرمناک اعمال سے ان کا دل مجروح کر رکھا تھا اور ان کی روح کو غم واندوہ سے

---

[1] ولا یلتفت منکم احد کی تفسیر میں مفسرین نے چند احتمال ذکر کیے ہیں:
پہلا یہ کوئی شخص اپنی پس پشت نہ دیکھے۔
دوسرا یہ کہ شہر میں سے مال اور وسائل لے جانے کی فکر نہ کرے بلکہ صرف اپنے آپ کو اس ہلاکت سے نکال لے جائے۔
تیسرا یہ کہ اس خاندان کے اس چھوٹے سے قافلہ میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہ جائے۔
چوتھا یہ کہ تمہارے نکلنے کے وقت زمین ہلنے لگے گی اور عذاب کے آثار نمایاں ہو جائیں گے لہذا اپنے پس پشت نگاہ نہ کرنا اور جلدی سے دور نکل جانا۔
البتہ کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ سب احتمالات اس آیت کے مفہوم میں جمع ہوں

[2] سورہ ہود آیت 81

[3] سورہ ہود آیت 81

[4] سورہ ہود آیت 81

بھر دیا تھا، فرشتوں سے خواہش کی کہ اب جب کہ ان کو نابود ہی ہونا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ جلدی ایسا ہو لیکن انہوں نے حضرت لوط ؑ کی دلجوئی اور تسلی کے لئے کہا: کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟

آخرکار عذاب کا لمحہ آن پہنچا اور لوط پیغمبر ؑ کے انتظار کے لمحے ختم ہوئے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''جس وقت ہمارا فرمان آن پہنچا تو ہم نے اس زمین کو زیروزبر کر دیا اور ان کے سروں پر مٹیلے پتھروں کی پیہم بارش برسائی۔'' [1]

پتھروں کی یہ بارش اس قدر تیز اور پے در پے تھی کہ گویا پتھر ایک دوسرے پر سوار تھے۔ لیکن یہ معمولی پتھر نہ تھے بلکہ تیرے پروردگار کے یہاں معین اور مخصوص تھے "**مسومة عند ربك**۔ البتہ یہ تصور نہ کریں کہ یہ پتھر قوم لوط کے ساتھ ہی مخصوص تھے بلکہ'' یہ کسی ظالم قوم اور جمعیت سے دور نہیں ہیں۔'' [2]

اس بے راہ رو اور منحرف قوم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور اپنے معاشرے پر بھی وہ اپنی قوم کی تقدیر سے بھی کھیلے اور انسانی ایمان واخلاق کا بھی مذاق اڑایا، جب ان کے ہمدرد رہبر نے دادوفریاد کی تو انہوں نے کان نہ دھرے اور تمسخر کیا اعلیٰ ذھنائی، بے شرمی اور بے حیائی یہاں تک آپہنچی کہ وہ اپنے رہبر کے مہمانوں کی حرمت وعزت پر تجاوز کے لئے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے ہر چیز کو الٹ کر رکھ دیا ان کے شہروں کو بھی الٹ جانا چاہئے تھا فقط یہی نہیں کہ ان کے شہر تباہ و برباد ہو جاتے بلکہ ان پر پتھروں کی بارش بھی ہونا چاہئے تھی تا کہ ان کے آخری آثار حیات بھی درہم وبرہم ہو جائیں اور وہ ان پتھروں میں دفن ہو جائیں اس سے کہ ان کا نام ونشان اس سرزمین میں نظر نہ آئے، صرف وحشت ناک، تباہ وبرباد بیابان، خاموش قبرستان اور پتھروں میں دبے ہوئے مردوں کے علاوہ ان میں کچھ باقی نہ

[1] سورہ ہود آیت 82

[2] سورہ ہود آیت 83

رہے۔

کیا صرف قوم لوط علیہ السلام کو یہ سزا ملنی چاہئے نہیں، یقیناً ہرگز نہیں بلکہ ہر منحرف گروہ اور ستم پیشہ قوم کے لئے ایسا ہی انجام انتظار میں ہے کبھی سنگریزوں کی بارش کے نیچے، کبھی آگ اگلتے بموں کے نیچے اور کبھی معاشرے کے لئے تباہ کن اختلافات کے تحت خلاصہ یہ کہ ہر ستمگر کو کسی نہ کسی صورت میں ایسے عذاب سے دو چار ہونا پڑے گا۔

صبح کے وقت نزول عذاب کیوں؟

یہاں پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول عذاب کے لئے صبح کا وقت کیوں منتخب کیا گیا رات کے وقت ہی عذاب کیوں نازل نہیں ہوا؟

ایسا اس لئے تھا کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آنے والے افراد اندھے ہوگئے اور قوم کے پاس لوٹ کر گئے اور واقعہ بیان کیا تو وہ کچھ غور وفکر کرنے لگے، معاملہ کیا ہے خدا نے صبح تک انہیں مہلت دی کہ شاید بیدار ہو جائیں اور اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں اور توبہ کریں یا یہ کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ رات کی تاریکی میں ان پر شب خون مارا جائے اسی بناء پر حکم دیا کہ صبح تک مامور عذاب سے ہاتھ روکے رکھیں۔ تفاسیر میں اس کے بارے میں تقریباً کچھ نہیں لکھا گیا لیکن جو کچھ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اس سلسلے میں چند قابل مطالعہ احتمالات ہیں۔

زیروزبر کیوں کیا گیا

ہم کہہ چکے ہیں کہ عذاب کی گناہ سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہونا چاہئے، اس قوم نے انحراف جنسی کے ذریعہ چونکہ ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیا تھا لہذا خدا نے بھی ان شہروں کو زیروزبر

کر دیا اور چونکہ روایات کے مطابق ان کے منہ سے ہمیشہ رکیک اور گندی گندگی کی بارش ہوتی تھی لہٰذا خدا نے بھی ان پر پتھروں کی بارش برسائی

جس نکتے کا ہم آخر میں ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جنسی انحراف کی طرف افراد کے میلان کے بہت سے علل واسباب ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ کا اپنی اولاد سے سلوک یا ہم جنس اولاد کی نگرانی نہ کرنا، ان کے طرز معاشرت اور ایک ہی جگہ پر سونا وغیرہ بھی ہوسکتا ہے اس آلودگی کا ایک عامل بن جائے۔

بعض اوقات ممکن ہے کہ اس انحراف سے ایک اور اخلاقی انحراف جنم لے لے، یہ امر قابل توجہ ہے کہ قوم لوط کے حالات میں ہے کہ ان کے اس گناہ میں آلودہ ہونے کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ بخیل اور کنجوس لوگ تھے اور چونکہ ان کے شہر شام جانے والے قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کی پذیرائی کریں لہٰذا ابتداء میں وہ اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کو اپنے سے دور بھگائیں لیکن تدریجاً یہ عمل ان کی عادت بن گیا اور انحراف جنسی کے میلانات آہستہ آہستہ ان کے وجود میں بیدار ہوگئے اور معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک اس میں آلودہ ہوگئے۔ [1]

قوم لوط علیہ السلام کا اخلاق

اسلامی روایات وتواریخ میں جنسی انحراف کے ساتھ ساتھ قوم لوط علیہ السلام کے برے اور شرمناک اعمال اور گھٹیا کردار بھی بیان ہوا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ان کی مجالس اور بیٹھکیں طرح طرح کے منکرات اور برے اعمال سے

---

[1] یہاں تک پہنچے کہ فضول قسم کا مذاق جو کبھی کبھی لڑکوں کے درمیان اپنے ہم جنسوں کے بارے میں ہوتا ہے بعض اوقات ان انحرافات کی طرف کھینچ لے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

آلودہ تھیں وہ آپس میں رکیک جملوں، فحش کلامی اور پھبتیوں کا تبادلہ کرتے تھے ایک دوسرے کی پشت پر مکے مارتے تھے قمار بازی کرتے تھے بچوں والے کھیل کھیلتے تھے گزرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے طرح طرح کے آلات موسیقی استعمال کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہو جاتے تھے اور اپنی شرمگاہوں کو ننگا کر دیتے تھے۔

واضح ہے کہ اس قسم کے گندے ماحول میں ہر روز انحراف اور بدی نئی شکل میں رونما ہوتی ہے اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے ایسے ماحول میں اصولی طور پر برائی کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور لوگ اس طرح سے اس راہ پر چلتے ہیں کہ کوئی کام ان کی نظر میں برا اور قبیح نہیں رہتا ان سے زیادہ بد بخت وہ قومیں ہیں جو علم کی پیش رفت کے زمانے میں انہی راہوں پر گامزن ہیں، بعض اوقات تو ان کے اعمال اس قدر شرمناک اور رسوا کن ہوتے ہیں کہ قوم لوط کے اعمال بھول جاتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافروں کے لئے مثال

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "خدا نے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے" نوح علیہ السلام کی بیوی کی مثال اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال "وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ما تحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی، لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انہیں کوئی نفع نہیں دیا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔"[1]

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام "والھہ" اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "والعۃ" تھا

[1] سورہ تحریم آیت 10

اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے یعنی نوح کی بیوی کا نام ''والعۃ'' اور لوط کی بیوی کا نام ''والھہ'' یا ''واہلہ'' کہا ہے۔

بہر حال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جائدہ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے: ''کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی''۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز انہیں بتاتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہما السلام

داستان عشق یا پاکیزگی کا بہترین سبق

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے چند چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے:

1۔ بے ہدف داستان پردازوں یا پست اور غلیظ مقاصد رکھنے والوں نے اس اصلاح کنندہ واقعہ کو ہوس بازوں کے لئے ایک عاشقانہ داستان بنانے اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے واقعات کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے ایک رومانی فلم بنا کر پردہ سیمیں پر پیش کرنا چاہا ہے، لیکن قرآن مجید نے کہ جس کی ہر چیز نمونہ اور اسوہ ہے اس واقعے کے مختلف مناظر سے پیش کرتے ہوئے اعلیٰ ترین عفت و پاکدامنی، خودداری، تقویٰ، ایمان اور ضبط نفس کے درس دیئے ہیں اس طرح سے کہ ایک شخص اسے جتنی مرتبہ بھی پڑھے ان قوی جذبوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسی بنا پر قرآن نے اسے ''احسن القصص'' (بہترین داستان) جیسا خوبصورت نام دیا ہے اور اس میں صاحبان فکر و نظر کے لئے متعدد عبرتیں بیان کی ہیں۔

قہرمان پاکیزگی

2۔اس واقعہ میں غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن تمام پہلوؤں سے معجزہ ہے اور اپنے واقعات میں جو ہیرو پیش کرتا ہے وہ حقیقی ہیرو ہوتے ہیں نہ کہ خیالی۔ کہ جن میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، وہ بت شکن ہیرو، جن کی روح بلند تھی اور جو طاغوتیوں کی کسی سازش میں نہ آئے۔

حضرت نوح علیہ السلام طویل اور پر برکت عمر میں۔صبر واستقامت، پامردی اور دلسوزی کے ہیرو بنے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ ہیرو کہ جنہوں نے ایک سرکش اور عصیان گر طاغوت کے مقابلے کے لئے ایک ہٹ دھرم قوم کو تیار کر لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام: ایک خوبصورت، ہوس باز اور حیلہ گر عورت کے مقابلے میں پاکیزگی، پارسائی اور تقویٰ کے ہیرو بنے۔

علاوہ ازیں اس واقعے میں قرآنی وحی کی قدرت بیان اس طرح جھلکتی ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کئی مواقع پر یہ واقعہ عشق کے بہت ہی باریک مسائل تک جا پہنچتا ہے اور قرآن انہیں چھوڑ کر ایک طرف سے گزرے بغیر ان تمام مناظر کو ان کی باریکیوں کے ساتھ اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ سامع میں ذرہ بھر منفی اور غیر مطلوب احساس پیدا نہیں ہوتا۔قرآن تمام واقعات کے تن سے گزرتا ہے لیکن تمام مقامات پر تقویٰ و پاکیزگی کی قوی شعاعوں نے مباحث کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد

3۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام بھی داستان یوسف لوگوں میں مشہور تھی کیونکہ تو ریت میں سفر پیدائش کی چودہ فصلوں (فصل 37 تا 50) میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ البتہ ان چودہ فصلوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ توریت میں جو کچھ ہے وہ قرآن سے بہت ہی مختلف ہے۔ ان اختلافات کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ کس حد تک پیراستہ اور ہر قسم کے خرافات سے پاک ہے۔ یہ جو قرآن پیغمبر سے کہتا ہے: ''اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا،، اس عبرت انگیز داستان کی خالص واقعیت سے ان کی عدم آگہی کی طرف اشارہ ہے'' (اگر احسن القصص سے مراد واقعہ یوسفؑ ہو)۔

موجودہ توریت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص دیکھی تو کہا: ''یہ میرے بیٹے کی قبا ہے جسے جانور نے کھالیا ہے یقیناً یوسفؑ چیر پھاڑ ڈالا گیا ہے۔''

پھر یعقوبؑ نے اپنا گریبان چاک کیا ٹاٹ اپنی کمر سے باندھا اور مدت دراز تک اپنے بیٹے کے لئے گریہ کرتے رہے، تمام بیٹوں اور بیٹیوں نے انہیں تسلی دینے میں کسر اٹھا نہ رکھی لیکن انہیں قرار نہ آیا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اسی طرح غمزدہ قبر میں جاؤں گا۔

جبکہ قرآن کہتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست سے بیٹوں کے جھوٹ کو بھانپ گئے اور انہوں نے اس مصیبت میں داد و فریاد نہیں کی اور نہ اضطراب دکھایا بلکہ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اس مصیبت کا بڑے صبر سے سامنا کیا اگر چہ ان کا دل جل رہا تھا، آنکھیں اشکبار تھیں، فطری طور پر کثرت گریہ سے ان کی بینائی جاتی رہی۔ لیکن قرآن کی تعبیر کے مطابق انہوں نے صبر جمیل کا مظاہرہ کیا اور اپنے اوپر قابو رکھا (**كظيمة**) انہوں نے گریبان چاک کر نے ،، داد و فریاد کرنے اور پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے گریز کیا جو کہ عزاداری کی مخصوص علامات

تھیں۔

بہر حال اسلام کے بعد بھی یہ واقعہ مشرق مغرب کے مؤرخین کی تحریروں میں بعض اوقات حاشیہ آرائی کے ساتھ آیا ہے فارسی اشعار میں سب سے پہلے "یوسف زلیخا"، کے قصے کی نسبت فردوسی کی طرف دی جاتی ہے اس کے بعد شہاب الدین عمق اور مسعودی قمی کی "یوسف زلیخا" ہے اور ان کے بعد نویں صدی کے مشہور شاعر عبدالرحمن جامی کی "یوسف زلیخا" ہے۔

احسن القصص

4۔ قرآن میں داستان یوسف کو شروع کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے: "ہم اس قرآن کے ذریعہ (جو آپ پر وحی ہوتی ہے)، کے ذریعہ "احسن القصص" بیان کرتے ہیں"۔ [1]

یہ واقعہ کیسے بہترین نہ ہو جب کہ اس کے ہیجان انگیز پیچ و خم میں زندگی کے اعلیٰ ترین دروس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس واقعے میں ہر چیز پر خدا کے ارادے کی حاکمیت کا ہم اچھی طرح مشاہدہ کرتے ہیں۔

حسد کرنے والوں کا منحوس انجام ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کی سازشوں کو نقش بر آب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

بے عفتی کی عار و ننگ اور پارسائی و تقویٰ کی عظمت و شکوہ اس کی سطور میں ہم مجسم پاتے ہیں کنویں کی گہرائی میں ایک ننھے بچے کی تنہائی، زندان کی تاریک کوٹھری میں ایک بے گناہ قیدی کے شب و روز، یاس و نا امیدی۔ کے سیاہ پردوں کے پیچھے نور امید کی تجلی اور آخر کار ایک وسیع حکومت کی عظمت و شکوہ کہ جو آگاہی و امانت کا نتیجہ ہے یہ تمام چیزیں اس داستان میں انسان کی آنکھوں کے سامنے ساتھ ساتھ گزرتی ہیں۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 3

وہ لمحے کہ جب ایک معنی خیز خواب سے ایک قوم کی سرنوشت بدل جاتی ہے۔

وہ وقت کہ جب ایک قوم کی زندگی ایک بیدار خدائی زمام دار کے علم وآگہی کے زیر سایہ نابودی سے نجات پالیتی ہے۔

اور ایسے ہی دسیوں درس، جس داستان میں موجود ہوں وہ کیوں نہ "احسن القصص" ہو۔

البتہ یہی کافی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان "احسن القصص" ہے اہم بات یہ ہے کہ ہم میں یہ لیاقت ہو کہ یہ عظیم درس ہماری روح میں اتر جائے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو ایک اچھے رومانوی واقعہ کے عنوان سے دیکھتے ہیں، ان جانوروں کی طرح جنھیں ایک سرسبز وشاداب اور پھل پھول سے لدے ہوئے باغ میں صرف کچھ گھاس نظر پڑتی ہے کہ جو ان کی بھوک کو زائل کردے۔

ابھی تک بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اس داستان کو جھوٹے پر وبال دے کر کوشش کرتے ہیں کہ اس سے ایک سیکسی (sexsi) داستان بنالیں جب کہ اس واقعہ کے لئے یہ بات ناشائستہ ہے اور اصل داستان میں تمام اعلیٰ انسانی قدریں جمع ہیں آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اس واقعہ کے جامع خوبصورت پیچ وخم کو نظر انداز کر کے نہیں گزرا جاسکتا ایک شاعر شیریں سخن کے بقول:

"کبھی کبھی اس داستان کے پرکشش پہلوؤں کی مہک انسان کو اس طرح سرمست کر دیتی ہے کہ وہ بے خود ہو جاتا ہے۔"

امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کا آغاز قرآن ان کے عجب اور معنی خیز خواب سے کرتا

ہے کیونکہ یہ خواب دراصل حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاطم خیز زندگی کا پہلا موڑ شمار ہوتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے آپ بڑے شوق اور وارفتگی سے باپ کے پاس آئے اور انہیں ایک نیا واقعہ سنایا جو ظاہراً کوئی زیادہ اہم نہ تھا لیکن درحقیقت ان کی زندگی میں ایک تازہ باب کھلنے کا پتہ دے رہا تھا۔

''یوسف نے کہا: ابا جان: ! میں نے کل رات گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے نیچے اترے سورج اور چاند ان کے ہمراہ تھے سب کے سب میرے پاس آئے اور میرے سامنے سجدہ کیا۔'' [1]

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب شب جمعہ دیکھا تھا کہ جو شب قدر بھی تھی (وہ رات جو مقدرات کے تعین کی رات ہے)۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت آپ کی عمر کتنے سال تھی اس سلسلے میں بعض نے نو سال بعض نے بارہ سال اور بعض نے سات سال عمر لکھی ہے جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ بہت کم سن تھے۔

اس ہیجان انگیز اور معنی خیز خواب پر خدا کے پیغمبر یعقوب فکر میں ڈوب گئے کہ سورج، چاند اور آسمان کے گیارہ ستارے، وہ گیارہ ستارہ نیچے اترے اور میرے بیٹے یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

یہ کس قدر معنی آفریں ہے یقیناً سورج اور چاند میں اور اس کی ماں (یا میں اور اس کی خالہ) ہیں اور گیارہ ستارے اس کے بھائی ہیں میرے بیٹے کی قدر و منزلت اور مقام اس قدر بلند ہوگا کہ آسمان کے ستارے، سورج اور چاند اس کے آستانہ پر جبیں سائی کریں گے یہ بارگاہ الٰہی میں اس قدر عزیز اور باوقار ہوگا کہ آسمان والے بھی اس کے سامنے خضوع کریں گے کتنا پر شکوہ

[1] سورہ یوسف آیت 4

اور پر کشش خواب ہے۔

لہٰذا پریشانی اور اضطراب کے انداز میں کہ جس میں ایک مسرت بھی تھی، اپنے بیٹے سے کہنے لگے "میرے بیٹے: اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ بتانا، کیونکہ وہ تیرے خلاف خطرناک سازش کریں گے، میں جانتا ہوں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ [1]

وہ موقع کی تاڑ میں ہے تاکہ اپنے وسوسوں کا آغاز کرے، کینہ و حسد کی آگ بھڑکائے یہاں تک کہ بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنادے۔ لیکن یہ خواب صرف مستقبل میں یوسفؑ کے مقام کی ظاہری و مادی عظمت بیان نہیں کرتا تھا بلکہ نشاندہی کرتا تھا کہ وہ مقام نبوت تک بھی پہنچیں گے کیونکہ آسمان والوں کا سجدہ کرنا آسمانی مقام کے بلندی پر پہنچنے کی دلیل ہے اسی لئے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید کہا: "اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے منتخب کرے گا اور تجھے تعبیر خواب کا علم دے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوبؑ پر تمام کرے گا، جیسے اس نے قبل ازیں تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر تمام کی۔ ہاں! تیرا پروردگار عالم ہے اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے۔" [2]

بھائیوں کی سازش

یہاں سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش شروع ہوتی ہے، قرآن میں ان بہت سے اصلاحی دروس کی طرح اشارہ کیا گیا ہے جو اس داستان میں موجود ہیں، ارشاد ہوتا ہے: "یقیناً یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کی داستان میں سوال کرنے والوں کے

---

[1] سورہ یوسف آیت 5

[2] سورہ یوسف آیت 6

لئے نشانیاں تھیں۔"[1]

اس سے بڑھ کر اور کیا درس ہوگا کہ چند طاقتور افراد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہ جس کا سرچشمہ حسد تھا ظاہراً ایک کمزور اور تنہا شخص کو نابود کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوشش صرف کرتے ہیں مگر اس کام سے انہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ اسے ایک حکومت کے تخت پر بٹھا رہے ہیں اور ایک وسیع مملکت کا فرماں روا بنا رہے ہیں اور آخر کار وہ سب اس کے سامنے سر تعظیم و تسلیم خم کرتے ہیں یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اس کام کو اس کے مخالفین کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچا دے تا کہ یہ واضح ہو جائے گا کہ ایک پاک اور صاحب ایمان انسان اکیلا نہیں ہے اور اگر سارا جہان اس کی نابودی پر کمر باندھ لے لیکن خدا نہ چاہے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں یوسف اور بنیامین ایک ماں سے تھے ان کی والدہ کا نام "راحیل" تھا یعقوب علیہ السلام ان دونوں بیٹوں سے خصوصاً یوسف سے زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو یہ ان کے چھوٹے بیٹے تھے لہذا فطرتاً زیادہ توجہ او محبت کے محتاج تھے اور دوسرا ان کی والدہ "راحیل" فوت ہو چکی تھیں اس بناء پر بھی انہیں زیادہ توجہ اور محبت کی ضرورت تھی علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام میں نابغہ اور غیر معمولی شخصیت ہونے کے آثار نمایاں تھے؛ مجموعی طور پر ان سب باتوں کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام واضح طور پر ان سے زیادہ پیار محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

حاسد بھائیوں کی توجہ ان پہلوؤں کی طرف نہیں تھی اور وہ اس پر بہت ناراحت اور ناراض تھے۔ خصوصاً شاید ماؤں کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے بھی فطرتاً ان میں رقابت موجود تھی لہذا وہ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: "یوسف اور اس کے بھائی کو باپ ہم سے زیادہ پیار کرتا

---

[1] سورہ یوسف آیت 7

ہے حالانکہ ہم طاقتور اور مفید لوگ ہیں۔"[1]

اور باپ کے امور کو بہتر طور پر چلا سکتے ہیں اس لئے اسے ان چھوٹے بچوں کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے جب کہ ان سے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اس طرح یک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے باپ کے خلاف کہا کہ "ہمارا باپ واضح گمراہی میں ہے۔"[2]

حسد اور کینے کی آگ نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ معاملے کے تمام اطراف پر غور وفکر کرتے اور ان دو بچوں سے اظہار محبت پر باپ کے دلائل معلوم کرتے کیونکہ ہمیشہ ذاتی مفادات ہر شخص کی فکر پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اسے یک طرفہ فیصلوں پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ جن کا نتیجہ حق وعدالت کے راستے سے گمراہی ہے۔ البتہ ان کی مراد دین ومذہب کے اعتبار سے گمراہی نہ تھی کیونکہ بعد میں آنے والی گفتگو نشاندہی کرتی ہے کہ اپنے باپ کی عظمت اور نبوت پر ان کا عقیدہ تھا اور انہیں صرف ان کے طرز معاشرت پر اعتراض تھا۔

یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے

بغض، حسد اور کینے کے جذبات نے آخر کار بھائیوں کو ایک منصوبہ بنانے پر آمادہ کیا وہ ایک جگہ جمع ہوئے اور دو تجاویز ان کے سامنے تھیں کہنے لگے: "یا یوسفؑ کو قتل کر دو یا اسے دور دراز کے کسی علاقے میں پھینک آؤ تاکہ باپ کی محبت کا پورا رخ ہماری طرف ہو جائے"۔[3]

یہ ٹھیک ہے کہ اس کام پر تمہیں احساس گناہ ہو گا اور وجدان کی ندامت ہو گی کیونکہ اپنے چھوٹے بھائی پر یہ ظلم کرو گے لیکن اس گناہ کی تلافی ممکن ہے، توبہ کر لینا" اور اس کے بعد

[1] سورہ یوسف آیت 8

[2] سورہ یوسف آیت 8

[3] سورہ یوسف آیت 9

صالح جمعیت بن جاتا"۔ [1]

لیکن بھائیوں میں سے ایک بہت سمجھدار تھا یا اس کا ضمیر نسبتاً زیادہ بیدار تھا اسی لئے اس نے یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبے کی مخالفت کی اور اسی طرح کسی دور دراز علاقے میں پھینک آنے کی تجویز پیش کی، کیونکہ اس منصوبے میں یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا خطرہ تھا۔ اس نے ایک تیسرا منصوبہ پیش کیا، وہ کہنے لگا: "اگر تمہیں ایسا کام کرنے پر اصرار ہی ہے تو یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی کنویں میں پھینک دو (اس طرح سے کہ وہ زندہ رہے) تاکہ راہ گزاروں کے کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور اس طرح یہ ہماری اور باپ کی آنکھوں سے دور ہو جائے"۔ [2]

منحوس سازش

یوسفؑ کے بھائیوں نے جب یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنے کی آخری سازش پر اتفاق کر لیا تو یہ سوچنے لگے کہ یوسفؑ کو کس طرح لے کر جائیں لہٰذا اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا اس کے لئے وہ باپ کے پاس آئے اور اپنا حق جتانے کے انداز میں، نرم و نازک لہجے میں محبت بھرے شکوے کی صورت میں کہنے لگے: "بابا جان: آپ یوسفؑ کو کیوں کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے اور ہمارے سپرد نہیں کرتے آپ ہمیں بھائی کے بارے میں امین کیوں نہیں سمجھتے حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں"۔ [3]

"آیئے: جس کا آپ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اسے جانے دیجئے، علاوہ ازیں ہمارا بھائی نو

[1] سورہ یوسف آیت 9

[2] سورہ یوسف آیت 10

[3] سورہ یوسف آیت 11

عمر ہے، اس کا بھی حق ہے اسے بھی شہر سے باہر کی آزاد فضا میں گھومنے پھرنے کی ضرورت ہے اسے گھر کے اندر قید کر دینا درست نہیں بلکہ اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تا کہ یہ شہر سے باہر نکلے، چلے پھرے، درختوں کے پھل کھائے، کھیلے کودے اور سیر و تفریح کرے"۔ [1]

اور اگر آپ کو اس کی سلامتی کا خیال ہے اور پریشانی ہے "تو ہم سب اپنے بھائی کے محافظ و نگہبان ہوں گے"۔ [2]

کیونکہ آخر یہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری جان کے برابر ہے۔ اس طرح انہوں نے بھائی کو باپ سے جدا کرنے کا بڑا ماہرانہ منصوبہ تیار کیا، ہوسکتا ہے انہوں نے یہ باتیں یوسفؑ کے سامنے کی ہوں تا کہ وہ بھی باپ سے تقاضا کریں اور ان سے صحرا کی طرف جانے کی اجازت لے لیں۔

اس منصوبہ میں ایک طرف باپ کے لئے انہوں نے یہ مشکل پیدا کر دی تھی کہ اگر وہ یوسفؑ کو ہمارے سپرد نہیں کرتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کھیل کود اور سیر و تفریح کے لئے شہر سے باہر جانے کی یوسفؑ کے لئے تحریک تھی۔

کنعان کے بھیڑئے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادران یوسفؑ کی باتوں کے جواب میں بجائے اس کے کہ انہیں برے ارادے کا الزام دیتے، کہنے لگے کہ میں جو تمہارے ساتھ یوسفؑ کو بھیجنے پر تیار نہیں ہوں تو اس کی دو وجوہ ہیں: "پہلی یہ کہ یوسفؑ کی جدائی میرے لئے غم انگیز ہے"۔ [3] اور

[1] سورہ یوسف آیت 12

[2] سورہ یوسف آیت 12

[3] سورہ یوسف آیت 13

دوسری یہ کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے اردگرد کے بیابانوں میں خونخوار بھیڑیے ہوں" اور مجھے ڈر ہے کہ مبادا کوئی بھیڑیا میرے فرزند دلبند کو کھا جائے اور تم اپنے کھیل کود، سیر و تفریح اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو"۔ [1]

یہ بالکل فطری امر تھا کہ اس سفر میں بھائی اپنے آپ میں مشغول ہوں اور اپنے چھوٹے بھائی سے غافل ہوں اور بھیڑیوں سے بھرے اس بیابان میں کوئی بھیڑیا یوسف کو اٹھائے البتہ بھائیوں کے پاس باپ کی پہلی دلیل کا کوئی جواب نہ تھا کیونکہ یوسف کی جدائی کا غم ایسی چیز نہ تھی کہ جس کی وہ تلافی کر سکتے بلکہ شاید اس بات نے بھائیوں کے دل میں حسد کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہو۔

دوسری طرف بیٹے کو باہر لے جانے کے بارے میں باپ کی دلیل کا جواب تھا کہ جس کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی اور وہ یہ کہ آخر کار بیٹے کو نشوونما اور تربیت کے لئے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے باپ سے جدا ہونا ہے اور اگر وہ "نورستہ" کے پودے کی طرح ہمیشہ باپ کے زیر سایہ رہے تو نشوونما نہیں پا سکے گا اور بیٹے کے تکامل وارتقاء کے لئے باپ مجبور ہے کہ یہ جدائی برداشت کرے آج کھیل کود ہے کل تحصیل علم و دانش ہے پرسوں زندگی کے لئے کسب وکار اور سعی وکوشش ہے آخر کار جدائی ضروری ہے۔

لہٰذا اصلاً انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ دوسری دلیل کا جواب شروع کیا کہ جوان کی نگاہ میں اہم اور بنیادی تھی اور کہنے لگے: "کیسے ممکن ہے کہ ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم طاقتور لوگ ہیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم زیاں کار و بدبخت ہوں گے" [2]

یعنی کیا ہم مردہ ہیں کہ بیٹھ جائیں اور دیکھتے رہیں گے اور بھیڑیا ہمارے بھائی کو کھا جائے گا، بھائی کو بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے اس کے علاوہ جو بات اس کی حفاظت پر ہمیں ابھارتی

[1] سورہ یوسف آیت 13

[2] سورہ یوسف آیت 14

ہے یہ ہے کہ ہماری لوگوں میں عزت وآبرو ہے لوگ ہمارے متعلق کیا کہیں گے، یہی نا کہ طاقتور موٹی گردنوں والے بیٹھے رہے اور اپنے بھائی پر بھیڑیئے کو حملہ کرتے دیکھتے رہے کیا پھر ہم لوگوں میں جینے کے قابل رہیں گے۔ [1]

انہوں نے ضمناً باپ کی اس بات کا بھی جواب دیا کہ ہوسکتا ہے تم کھیل کود میں لگ جاؤ اور یوسفؑ سے غافل ہو جاؤ اور وہ یہ کہ یہ مسئلہ گویا ساری دولت اور عزت وآبرو کے ضائع ہونے کا ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ کھیل کود ہمیں غافل کردے کیونکہ اس صورت میں ہم لوگ بے وقعت ہو جائیں گے اور ہماری کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی۔

بہر حال انہوں نے بہت حیلے کئے خصوصاً حضرت یوسف علیہ السلام کے معصوم جذبات کو تحریک کیا اور انہیں شوق دلایا کہ وہ شہر سے باہر تفریح کے لئے جائیں اور شاید یہ ان کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ باپ کو اس کے لئے راضی کریں اور بہر صورت اس کام کے لئے ان کی رضامندی حاصل کریں۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنائے کی زبان میں بات کی تھی اور ان کی نظر بھیڑیا صفت انسانوں کی طرف تھی، جیسے یوسفؑ کے بعض بھائی تھے۔

---

[1] یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ تمام خطرات میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف بھیڑیئے کے حملے کے خطرے کی نشاندہی کیوں کی تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ کنعان کا بیابان بھیڑیوں کا مرکز تھا، اس لئے زیادہ خطرہ اسی طرف سے محسوس ہوتا تھا۔

بعض دیگر کہتے ہیں کہ یہ ایک خواب کی وجہ سے تھا کہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے دیکھا تھا کہ بھیڑیوں نے ان کے بیٹے یوسف پر حملہ کر دیا ہے۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنائے کی زبان میں بات کی تھی اور ان کی نظر بھیڑیا صفت انسانوں کی طرف تھی، جیسے یوسف کے بعض بھائی تھے۔

روتے ہوئے جناب یوسف علیہ السلام کو وداع کیا

آخر کار بھائی کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے باپ کو راضی کر لیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ وہ رات انہوں نے اس خوش خیالی کے ساتھ گزاری کہ کل یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے گا اور راستے کی رکاوٹ اس بھائی کو ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دیں گے۔ پریشانی انہیں صرف یہ تھی کہ باپ پشیمان نہ ہو اور اپنی بات واپس نہ لے لے۔

صبح سویرے وہ باپ کے پاس گئے اور یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے بارے میں باپ نے ہدایات دہرائیں۔ انہوں نے بھی اظہار اطاعت کیا۔ باپ کے سامنے اسے بڑی محبت و احترام سے اٹھایا اور چل پڑے۔

کہتے ہیں شہر کے دروازے تک باپ ان کے ساتھ آئے اور آخری دفعہ یوسف علیہ السلام کو ان سے لے کر اپنے سینے سے لگایا۔ آنسو ان کی آنکھوں سے برس رہے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کو ان کے سپرد کر کے ان سے جدا ہو گئے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اسی طرح بیٹوں کے پیچھے تھیں۔ جہاں تک باپ کی آنکھیں کام کرتی تھیں وہ بھی یوسف علیہ السلام پر نوازش اور محبت کرتے رہے لیکن جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب باپ انہیں نہیں دیکھ سکتا تو اچانک انہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ سالہا سال سے حسد کی وجہ سے جو ان کے اندر تہ بہ تہ بغض و کینہ موجود تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نکلنے لگا۔ ہر طرف سے اسے مارنے لگے وہ ایک سے بچ کر دوسرے کی پناہ لیتے لیکن کوئی انہیں پناہ نہ دیتا۔

یوسف علیہ السلام کی ہنسی اور ان کا رونا

ایک روایت میں ہے کہ اس طوفان بلا میں حضرت یوسف علیہ السلام آنسو بہا رہے تھے اور جب وہ انہیں کنویں میں پھینکنے لگے تو اچانک حضرت یوسف علیہ السلام ہنسنے لگے، بھائیوں کو بہت تعجب ہوا یہ ہنسنے کا کونسا مقام ہے گویا یوسفؑ نے اس مسئلے کو مذاق سمجھا ہے اور بات سے بے خبر ہے کہ سیاہ وقت اور بدبختی اس کے انتظار میں ہے لیکن یوسفؑ نے اس ہنسنے کے مقصد سے پردہ اٹھایا اور سب کو عظیم درس دیا، وہ کہنے لگے:

''میں نہیں بھولتا کہ ایک دن تم طاقتور بھائیوں، تمہارے قوی بازوؤں اور بہت زیادہ جسمانی طاقت پر میں نے نظر ڈالی تو میں بہت خوش ہوا اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جس کے اتنے دوست اور مددگار ہوں اسے سخت حوادث کا کیا غم ہے اس دن میں نے تم پر بھروسہ کیا اور پناہ لیتا ہوں اور تم مجھے پناہ نہیں دیتے خدا نے تمہیں مجھ پر مسلط کیا ہے تاکہ میں یہ درس سیکھ لوں کہ اس کے غیر پر یہاں تک کہ بھائیوں پر بھی بھروسہ نہ کروں''؟

اس کے آگے قرآن مزید کہتا ہے: ''اس وقت ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی، اسے تسلی دی اور اس کی دلجوئی کی اور اس سے کہا کہ غم نہ کھاؤ۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ تم انہیں ان تمام منحوس سازشوں اور منصوبوں سے آگاہ کرو گے اور وہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے''۔ [1]

وہ دن کہ جب تم تخت حکومت پر تکیہ لگائے ہو گے اور تمہارے یہ بھائی تمہاری طرف دست نیاز پھیلائیں گے اور ایسے تشنہ کاموں کی طرح کہ جو چشمہ خوش گوار کی تلاش میں تپتے ہوئے بیابان میں سرگرداں ہوتے ہیں تمہارے پاس بڑے انکسار اور فروتنی سے آئیں گے لیکن تم اتنے بلند مقام پر پہنچے ہوں گے کہ انہیں خیال بھی نہ ہو گا کہ تم ان کے بھائی ہو اس روز تم ان

---

[1] سورہ یوسف آیت 15

سے کہو گے کہ کیا تم ہی تھے جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی یوسف کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اس دن یہ کس قدر شرمسار اور پشیمان ہوں گے۔ [1]

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ انھوں نے اتفاق کیا کہ اسے کنویں کی مخفی جگہ پر ڈال دیں یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا نہیں تھا بلکہ نیچے لے گئے تھے، کنویں کی تہ میں ایک چبوترا سا نیچے جانے والوں کے لئے بنایا جاتا ہے اور سطح آب کے قریب ہوتا ہے انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر میں طناب ڈال کر وہاں تک پہنچایا اور وہاں چھوڑ دیا۔

جناب یوسف علیہ السلام برہنہ کنویں میں

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینکا تو ان کا کرتہ اتار لیا اور ان کا بدن برہنہ ہو گیا تو یوسف علیہ السلام نے بہت داد و فریاد کی کہ کم از کم میرا کرتہ تو مجھے دے دو تاکہ اگر میں زندہ رہوں تو میرا بدن ڈھانپے اور اگر مر جاؤں تو میرا کفن بن جائے۔ بھائی کہنے لگے: اسی سورج، چاند اور ستاروں سے کہہ جنہیں خواب میں دیکھا تھا، تقاضا کرو کہ اس کنویں میں تیرے مونس و غمخوار ہوں اور تجھے لباس پہنائیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس پر انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق عمل کر لیا۔ لیکن آخر کار انہیں واپس لوٹنے کے بارے میں سوچنا تھا کہ جا کر کوئی ایسی بات کریں کہ باپ کو یقین آ جائے کہ یوسف کسی سازش کے تحت نہیں بلکہ طبیعی طور پر وادی عدم میں

---

[1] سورہ یوسف کی آیت 22 کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الٰہی وحی نبوت نہ تھی بلکہ یوسف کے دل پر الہام تھا تاکہ وہ جان لے کہ وہ تنہا نہیں ہے اور اس کا ایک حافظ و نگہبان ہے، اس وحی نے قلب یوسف پر امید کی ضیا پاشی کی اور یاس و ناامیدی کی تاریکیوں کو اس کی روح سے نکال دیا۔

چلا گیا ہے اور اس طرح وہ باپ کی نوازشات کو اپنی جانب موڑ سکیں۔

ذلیل کنندہ جھوٹ

قرآن کہتا ہے: "رات کے وقت بھائی روتے ہوئے آئے"۔ [1]

ان کے جھوٹے آنسوؤں اور ٹسوے بہانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹا رونا بھی ممکن ہے اور صرف روتی ہوئی آنکھ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

باپ جو بڑی بے تابی اور بے قراری سے اپنے فرزند دلبند یوسفؑ کی واپسی کے انتظار میں تھا اس نے جب انہیں واپس آتے دیکھا اور یوسفؑ ان میں دکھائی نہ دیا تو وہ لرز گئے اور کانپ اٹھے۔ حالات پوچھے تو انہوں نے کہا: "ابا جان ہم گئے اور ہم (سواری اور تیر اندازی کے) مقابلوں میں مشغول ہو گئے اور یوسفؑ کہ چھوٹا تھا اور ہم سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ہم اسے اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے، اس کام میں ہم اتنے محو ہو گئے کہ ہر چیز یہاں تک کہ بھائی کو بھی بھول گئے، اس اثنا میں ایک بے رحم بھیڑیا اس طرف آپہنچا اور اس نے اسے چیر پھاڑ کھایا"۔ [2]

"لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ہرگز ہماری باتوں کا یقین نہیں کرو گے اگرچہ ہم سچے ہوں کیونکہ تم نے پہلے ہی اس قسم کی پیش بینی کی تھی لہٰذا اسے بہانہ سمجھو گے۔" [3]

بھائیوں کی باتیں بڑی سوچی سمجھی تھیں پہلی بات یہ کہ انہوں نے باپ کو "یا" "اے ہمارے والد" کے لفظ سے مخاطب کیا کہ جس میں ایک جذباتی پہلو تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فطری طور پر ایسی تفریح گاہ میں طاقتور بھائی بھاگ دوڑ میں مشغول ہوں گے اور چھوٹے کو سامان کی

[1] سورہ یوسف آیت 16

[2] سورہ یوسف آیت 17

[3] سورہ یوسف آیت 17

نگہداشت پر مقرر کریں گے اور اس کے علاوہ انہوں نے باپ کو غفلت میں رکھنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور روتی ہوئی آنکھوں سے کہا کہ تم ہرگز یقین نہیں کرو گے اگر چہ ہم سچ بول رہے ہوں نیز اس بناء پر کہ باپ کو ایک زندہ نشانی بھی پیش کریں "وہ یوسف کی قمیص کو جھوٹے خون میں تر کئے ہوئے تھے"۔ [1] (وہ خون انہوں نے بکری یا بھیڑ کے بچے یا ہرن کا لگا رکھا تھا)۔

لیکن "دروغ گو حافظہ ندارد" اور ایک حقیقی واقعہ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور اس کے مختلف کوائف اور مسائل ہوتے ہیں، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ان سب کو ایک فرضی کہانی میں سمویا جاسکے لہٰذا برادران یوسف بھی اس نکتے سے غافل رہے کہ کم از کم یوسفؑ کے کرتے کو چند جگہ سے پھاڑ لیتے تاکہ وہ بھیڑیے کے حملے کی دلیل بن سکے وہ بھائی کی قمیص کو اس کے بدن سے صحیح سالم اتار کر خون آلود کر کے باپ کے پاس لے آئے، سمجھدار اور تجربہ کار باپ کی جب اس کرتے پر نگاہ پڑی تو وہ سب کچھ سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹ بولتے ہو "بلکہ نفسانی ہوا و ہوس نے تمہارے لئے یہ کام پسندیدہ بنادیا ہے"۔ [2] اور یہ شیطانی سازشیں ہیں۔

مہربان بھیڑیا

جناب یعقوب علیہ السلام نے کرتہ اٹھایا اور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ پھر اس میں بھیڑیے کے پنجوں اور دانتوں کے نشان، کیوں نہیں ہیں۔؟

ایک اور روایت کے مطابق: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ اپنے منہ پر ڈال لیا، فریاد کرنے لگے اور آنسو بہانے لگے، اور کہہ رہے تھے: یہ کیسا مہربان بھیڑیا تھا جس نے میرے

[1] سورہ یوسف آیت 18

[2] سورہ یوسف آیت 18

بیٹے کو تو کھالیا لیکن اس کے کرتے کو تو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچایا؟ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑے بعض بھائیوں نے فریاد کی: اے وائے ہو ہم پر روز قیامت عدل الٰہی کی عدالت میں ہم بھائی بھی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں اور باپ کو بھی ہم نے قتل کر دیا ہے، ادھر باپ اسی طرح سحری تک بے ہوش رہے لیکن سحر گاہی کی نسیم سرد کے جھونکے ان کے چہرے پر پڑے تو وہ ہوش میں آگئے۔

باوجودیکہ یعقوبؑ کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی، ان کی روح جل رہی تھی لیکن زبان سے ہرگز ایسی بات نہ کہتے تھے جو ناشکری، یاس و ناامیدی اور جزع وفزع کی نشانی ہو بلکہ کہا: ''میں صبر کروں گا، صبر جمیل، ایسی شکیبائی جو شکرگزاری اور حمد خدا کے ساتھ ہو''۔ [1]

اس کے بعد جناب یعقوب کہنے لگے ''جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلے میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں''۔ [2]

میں اس سے چاہتا ہوں کہ جام صبر کی تلخی میرے حلق میں شیریں زبان؛ نادرست اور غلط بات سے آلودہ نہ ہو۔

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یوسفؑ کی موت کی مصیبت پر مجھے شکیبائی دے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یوسف قتل نہیں ہوئے بلکہ کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو کہ جس کا نتیجہ بہرحال اپنے بیٹے سے میری جدائی ہے، میں صبر طلب کرتا ہوں۔

ایک ترک اولیٰ کے بدلے

ابوحمزہ ثمالی نے ایک روایت امام سجادؑ سے نقل کی ہے ابوحمزہ کہتے ہیں: جمعہ کے

[1] سورہ یوسف آیت 18

[2] سورہ یوسف آیت 18

دن میں مدینہ منورہ میں تھا نماز صبح میں نے امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ پڑھی جس وقت امام نماز اور تسبیح سے فارغ ہوئے تو گھر کی طرف چل پڑے میں آپ کے ساتھ تھا۔

آپ نے خادمہ کو آواز دی اور کہا: خیال رکھنا، جو سائل اور ضرورت مند گھر کے دروازے سے گزرے اسے کھانا دینا کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔

ابوحمزہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ہر وہ شخص جو مدد کا تقاضا کرتا ہے مستحق نہیں ہوتا، تو امام نے فرمایا: ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ ان میں مستحق افراد ہوں اور انہیں غذا نہ دیں اور اپنے گھر کے دروازے سے دھتکار دیں تو کہیں ہمارے گھر والوں پر وہی مصیبت نہ آن پڑے جو یعقوب اور آل یعقوب پر آن پڑی تھی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ان سب کو کھانا دو کہ (کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ) یعقوبؑ کے لئے ہر روز ایک گوسفند ذبح کی جاتی تھی اس کا ایک حصہ مستحقین کو دیا جاتا تھا ایک حصہ وہ خود اور ان کی اولاد کھاتے تھے ایک دن ایک سائل آیا وہ مومن اور روزہ دار تھا خدا کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی وہ شہر (کنعان) سے گزرا شب جمعہ تھی افطار کے وقت وہ دروازہ یعقوبؑ پر آیا اور کہنے لگا بچی کچی غذا سے مدد کے طالب غریب و مسافر بھوکے مہمان کی مدد کرو، اس نے یہ بات کئی مرتبہ دہرائی انہوں نے سنا تو سہی لیکن اس کی بات کو باور نہ کیا جب وہ مایوس ہو گیا اور رات کی تاریکی ہر طرف چھا گئی تو وہ لوٹ گیا، جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے بارگاہ الٰہی میں بھوک کی شکایت کی رات اس نے بھوک ہی میں گزاری اور صبح اسی طرح روزہ رکھا جب کہ وہ صبر کئے ہوئے تھا اور خدا کی حمد و ثنا کرتا تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھر والے مکمل طور پر سیر تھے اور صبح کے وقت ان کا کچھ کھانا بچا بھی رہ گیا تھا۔

امام نے اس کے بعد مزید فرمایا: خدا نے اسی صبح یعقوب کی طرف وحی بھیجی: اے یعقوبؑ! تو نے میرے بندے کو خوار کیا ہے اور میرے غضب کو بھڑکایا ہے اور تو اور تیری اولاد نزول سزا کی مستحق ہو گئی ہے اے یعقوبؑ میں اپنے دوستوں کو زیادہ جلدی سرزنش کرتا اور سزا دیتا

ہوں اور یہ اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے بعد ہے کہ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ یوسف نے وہ خواب کس موقع پر دیکھا تھا؟

امام نے فرمایا: اسی رات۔

اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے حق سے ایک چھوٹی سی لغزش یا زیادہ صریح الفاظ میں ایک "ترک اولیٰ" کہ جو گناہ اور معصیت بھی شمار نہیں ہوتا تھا (کیونکہ اس سائل کی حالت حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح نہیں تھی) بعض اوقات خدا کی طرف سے ان کی تنبیہ کا سبب بنتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ ان کا بلند و بالا مقام تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اور عمل کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ: "حسنات الابرار سیئات المقربین"

وہ کام جو نیک لوگوں کے لئے نیکی شمار ہوتے ہیں مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے برائی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دلکش دعا

روایات اہل بیت اور طرق اہل سنت میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی تہ میں پہنچ گئے تو ان کی امید ہر طرف سے منقطع ہو گئی اور ان کی تمام تر توجہ ذات خدا کی طرف ہو گئی انہوں نے اپنے خدا سے مناجات کی اور جبرائیل کی تعلیم سے راز و نیاز کرنے لگے کہ جو روایات میں مختلف عبارتوں میں منقول ہے۔

سرزمین مصر کی جانب

یوسف علیہ السلام نے کنویں کی وحشت ناک تاریکی اور ہولناک تنہائی میں بہت تلخ گھڑیاں گزاریں لیکن خدا پر ایمان اور ایمان کے زیر سایہ ایک اطمینان نے ان کے دل میں نور امید کی کرنیں روشن کردی تھیں اور انہیں ایک توانائی بخشی تا کہ وہ اس ہولناک تنہائی کو برداشت کریں اور آزمائش کی اس بھٹی سے کامیابی کے ساتھ نکل آئیں، اس حالت میں وہ کتنے دن رہے، یہ خدا جانتا ہے بعض مفسرین نے تین دن لکھے ہیں اور بعض نے دو دن، بہرحال ''ایک قافلہ آپہنچا''۔ [1]

اور اس قافلے نے وہیں نزدیک ہی پڑاؤ ڈالا، واضح ہے کہ قافلے کی پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ پانی حاصل کرے اس لئے انہوں نے پانی پر مامور شخص کو پانی کی تلاش میں بھیجا''۔ [2]

اس نے اپنا ڈول کنویں کی تہ میں ڈالا جس سے جناب یوسف علیہ السلام کنویں کے اندر متوجہ ہوئے کہ کنویں کے اوپر سے کوئی آواز آرہی ہے ساتھ ہی دیکھا کہ ڈول اور رسی تیزی سے نیچے آرہی ہے انہوں نے موقع غنیمت جانا اور اس عطیہ الٰہی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً اس سے لپٹ گئے بہشتی نے محسوس کیا کہ اس کا ڈول اندازے سے زیادہ بھاری ہے جب اس نے زور لگا کر اسے اوپر کھینچا تو اچانک اس کی نظر ایک چاند سے بچے پر پڑی وہ چلایا: خوشخبری ہو: ''یہ تو پانی کے بجائے بچہ ہے'' [3]

[1] سورہ یوسف آیت 19

[2] سورہ یوسف آیت 19

[3] سورہ یوسف آیت 19

آہستہ آہستہ قافلے میں سے چند لوگوں کو اس بات کا پتہ چل گیا لیکن اس بناء پر کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے اور یہ خود ہی مصر میں اس خوبصورت بچے کو ایک غلام کے طور پر بیچ دیں ''اسے انہوں نے ایک اچھا سرمایہ سمجھتے ہوئے دوسروں سے مخفی رکھا''۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خدا سے یوں مناجات کی: بارالہا: اے وہ جو غریب و مسافر کا مونس ہے اور تنہائی کا ساتھی ہے اے وہ جو ہر خائف کی پناہ گاہ ہے ہر غم کو برطرف کرنے والا ہے، ہر فریاد سے آگاہ ہے، ہر شکایت کرنے والے کی آخری امید ہے اور ہر مجمع میں موجود ہے اے حی: اے قیوم: اے زندہ: اے ساری کائنات کے حافظ و نگہبان میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ اپنی امید میرے دل میں ڈال دے تاکہ تیرے علاوہ کوئی فکر نہ رکھوں اور تجھ سے چاہتا ہوں کہ میرے لئے اس عظیم مشکل سے، راہ نجات پیدا کردے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے یہ امر جاذب نظر ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی آواز سنی تو عرض کیا:

''الھنا نسمع صوتا ودعاء، الصوت صوت صبی والدعاء دعاء النبی''

پروردگار: ہم آواز اور دعا سن رہے ہیں آواز تو بچے کی ہے لیکن دعا نبی کی ہے۔

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دعا تعلیم کی: پروردگارا: میں تجھ سے دعا کرتا ہوں، اے وہ کہ حمد و تعریف تیرے لئے ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو ہے جو بندوں کو نعمت بخشتا ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے صاحب جلال و اکرام ہے، میں درخواست کرتا ہوں کہ محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج اور جس میں میں ہوں اس سے مجھے کشائش و نجات عطا فرما لیکن کوئی مانع نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دونوں دعائیں کی ہوں۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 19

جناب یوسف علیہ السلام کو کم داموں میں بیچنا

''آخر کار انہوں نے یوسف ؑ کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا، اور وہ اس کے بیچنے کے سلسلے میں بے رغبت تھے (تاکہ ان کا راز فاش نہ ہو)''۔ [1]

اگرچہ یوسف علیہ السلام کو بیچنے والے کون لوگ تھے، بعض لوگوں نے ان کو برادران یوسف علیہ السلام بتایا ہے، لیکن قرآن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قافلہ والوں نے یوسف ؑ کو بیچا تھا۔ [2]

عزیز مصر کے محل میں

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان جب یہاں تک پہنچی کہ بھائی انہیں کنویں میں پھینک چکے تو بہر صورت بھائیوں کے ساتھ والا مسئلہ ختم ہو گیا اب اس ننھے بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ مصر میں شروع ہوا اس طرح سے کہ آخر کار یوسف مصر لائے گئے وہاں انہیں فروخت کے لئے پیش کیا گیا چونکہ یہ ایک نفیس تحفہ تھا لہٰذا معمول کے مطابق ''عزیز مصر'' کو نصیب ہوا کہ جو

---

[1] سورہ یوسف آیت 20

[2] یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تھوڑی سی قیمت پر کیوں بیچ دیا، قرآن نے اسے ''ثمن بخس'' سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کم از کم ایک قیمتی غلام سمجھے جا سکتے تھے۔

لیکن یہ معمول کی بات ہے کہ ہمیشہ چور یا ایسے افراد جن کے ہاتھ کوئی اہم سرمایہ بغیر کسی زحمت کے آجائے تو وہ اس خوف سے کہ کہیں دوسروں کو معلوم نہ ہو جائے اسے فوراً بیچ دیتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ اس جلد بازی میں وہ زیادہ قیمت حاصل نہیں کر سکتے اس بارے میں کہ انہوں نے حضرت یوسف کو کتنے داموں میں بیچا اور پھر یہ رقم آپس میں کس طرح تقسیم کی، اس سلسلے میں بھی مفسرین میں اختلاف ہے بعض نے یہ رقم 20 درہم، بعض نے 22 درہم، بعض نے 40 درہم اور بعض نے 18 درہم لکھی ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بیچنے والوں کی تعداد دس بیان کی جاتی ہے، اس ناچیز رقم میں سے ہر ایک کا حصہ واضح ہو جاتا ہے۔

درحقیقت فرعونوں کی طرف سے وزیر اعظم تھا اور ایسے ہی لوگ "تمام پہلوؤں سے ممتاز اس غلام" کی زیادہ قیمت دے سکتے تھے، اب دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر کے گھر یوسف پر کیا گزرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے: "جس نے مصر میں یوسف کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے اس کی سفارش کی اور کہا کہ اس غلام کی منزلت کا احترام کرنا اور اسے غلاموں والی نگاہ سے نہ دیکھنا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں ہم اس غلام سے بہت فائدہ اٹھائیں گے یا اسے فرزند کے طور پر اپنالیں گے۔" [1]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بیٹے کے شوق میں زندگی بسر کر رہا تھا جب اس کی آنکھ اس خوبصورت اور آبرومند بچے پر پڑی تو اس کے دل میں آیا کہ یہ اس کے بیٹے کے طور پر ہو۔

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے: "اس طرح اس سرزمین میں ہم نے یوسف کو متمکن اور صاحب نعمت واختیار کیا، ہم نے یہ کام کیا تا کہ ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہو۔" [2]

جناب یوسفؑ کی پاکیزگی کا انعام

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم تعبیر خواب اور عزیز مصر کے محل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی موجودگی کا کیا ربط ہے کہ اسے کس طرف "لنعلمه" کی "لام" کہ جو لام غایت ہے کہ ذریعے اشارہ کیا گیا ہے۔

لیکن اگر ہم اس نکتے کی طرف توجہ دیں تو ہو سکتا ہے مذکورہ سوال کا جواب واضح ہو جائے کہ خداوند عالم بہت سی علمی نعمتیں اور عنایات؛ گناہ سے پرہیز اور سرکش ہوا وہوس کے مقابلے

---

[1] سورہ یوسف آیت 21

[2] سورہ یوسف آیت 21

میں استقامت کی وجہ سے بخشتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ نعمات کہ جو دل کی نورانیت کا ثمرہ ہیں، ایک انعام ہیں کہ جو خدا اس قسم کے اشخاص کو بخشتا ہے۔

''ابن سیرین'' تعبیر خواب جاننے میں بڑے مشہور ہیں انکے حالات میں لکھا ہے کہ وہ کپڑا بیچا کرتے تھے اور بہت ہی خوبصورت تھے ایک عورت انہیں اپنا دل دے بیٹھی بڑے حیلے بہانے کر کے انہیں اپنے گھر میں لے گئی اور دروازے بند کر لئے، لیکن انہوں نے عورت کی ہوس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور مسلسل اس عظیم گناہ کے مفاسد اس کے سامنے بیان کرتے رہے لیکن اس عورت کی ہوس کی آگ اس قدر سرکش تھی کہ وعظ و نصیحت کا پانی اسے نہیں بجھا سکتا تھا۔

''ابن سیرین'' کو اس چنگل سے نجات پانے کے لئے ایک تدبیر سوجھی وہ اٹھے اور اپنے بدن کو اس گھر میں موجود گندی چیزوں سے اس طرح کثیف، آلودہ اور نفرت انگیز کر لیا کہ جب عورت نے یہ منظر دیکھا تو ان سے متنفر ہو گئی اور انہیں گھر سے باہر نکال دیا۔

کہتے ہیں اس واقعے کے بعد ابن سیرین کو تعبیر خواب کے بارے میں بہت فراست نصیب ہوئی اور ان کی تعبیر سے متعلق کتابوں میں عجیب و غریب واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ جو اس سلسلے میں ان کی گہری معلومات کی خبر دیتے ہیں۔ اس بناء پر ممکن ہے کہ یہ خاص علم و آگاہی حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کی بیوی کی انتہائی قوت جذب کے مقابلے میں نفس پر کنٹرول رکھنے کی بناء پر حاصل ہوئی ہو۔

جی ہاں: انہوں نے بہت سی چیزیں اس شور و غل کے ماحول میں سیکھیں ان کے دل میں ہمیشہ غم و اندوہ کا ایک طوفان موجزن ہوتا تھا کیونکہ ان حالات میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے، اس دور میں وہ مسلسل خود سازی اور تہذیب نفس میں مشغول تھے۔

قرآن کہتا ہے: ''جب وہ بلوغ اور جسم و روح کے تکامل کے مرحلے میں پہنچا اور انوار

وحی قبول کرنے کے قابل ہو گیا، تو ہم نے اسے حکم (نبوت) اور علم دیا۔" [1]

عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خوبصورت، پرکشش اور ملکوتی چہرے سے نہ صرف عزیز مصر کو اپنی طرف جذب کر لیا بلکہ عزیز کی بیوی بھی بہت جلد آپ کی گرویدہ ہو گئی آپ کا عشق اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر گیا جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے عشق کی حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن یوسف کہ جو پاکیزہ اور پرہیزگار انسان تھے انہیں خدا کے علاوہ کسی کی کوئی فکر اور سوچ نہ تھی ان کے دل نے عشق سوزاں کو اور بھڑکا دیا۔

ایک تو اسے اولاد ہونے کا ارمان تھا، دوسرا اس کی رنگینیوں سے بھرپور اشراف کی زندگی تھی، تیسرا داخلی زندگی میں اسے کوئی پریشانی اور مسئلہ نہ تھا جیسا کہ اشراف اور ناز و نعمت میں پلنے والوں کی زندگی ہوتی ہے اور چوتھا دربار مصر میں کسی قسم کی کوئی پابندی اور قدغن نہ تھی ان حالات میں وہ عورت کہ جو ایمان و تقوی سے بھی بے بہرہ تھی شیطانی وسوسوں کی موجوں میں غوطہ زن ہو گئی یہاں تک کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے دل کا راز یوسف سے بیان کرے اور اپنے دل کی تمنا ان سے پورا کرنے کا تقاضا کرے۔

اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس نے ہر ذریعہ اور ہر طور طریقہ اختیار کیا اور بڑی خواہش کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے دل کو متاثر کرے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "جس عورت کے گھر یوسف تھے اس نے اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے پیہم ان سے تقاضا کیا۔" [2]

آخر کار جو آخری راستہ اسے نظر آیا یہ تھا کہ ایک دن انہیں تنہا اپنی خلوت گاہ میں

[1] سورہ یوسف آیت 22

[2] سورہ یوسف آیت 23

پھنسالے اور ان کے جذبات ابھارنے کے لئے تمام وسائل سے کام لے جاذب ترین لباس پہنے، بہترین بناؤ سنگھار کرے بہت مہک دار عطر لگائے اور اس طرح سے آرائش وزیبائش کرے کہ یوسف جیسے قوی انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردے۔

قرآن کہتا ہے: "اس نے سارے دروازوں کو اچھی طرح بند کرلیا اور کہا آؤ میں تمہارے لئے حاضر ہوں"۔ [1]

زلیخا نے ساتوں دروازے بند کردیئے

اس نے تمام دروازے مضبوطی سے بند کئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یوسف کو محل کی ایسی جگہ پر لے گئی کہ جہاں کمرے بنے ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس نے سات دروازے بند کئے تا کہ یوسف کے لئے فرار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں شاید وہ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ راز فاش ہونے سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ان بند دروازوں کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ اندر آسکے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ تمام حالات لغزش وگناہ کی حمایت میں ہیں اور ان کے لئے کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تو انہوں نے زلیخا کو بس یہ جواب دیا: "میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں"۔ [2]

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے زوجہ عزیز کی خواہش کو قطعی وحتمی طور پر رد کردیا اور اسے سمجھایا کہ وہ ہرگز اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے آپ نے ضمناً اسے اور تمام افراد کو یہ

[1] سورہ یوسف آیت 23

[2] سورہ یوسف آیت 23

حقیقت سمجھا دی کہ ایسے سخت اور بحرانی حالات میں شیطانی وسوسوں اور ان سے کہ جو شیطانی اخلاق وعادات رکھتے ہیں نجات کیلئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ خدا کی طرف پناہ لی جائے، وہ خدا جس کے لئے خلوت اور بزم ایک سی ہے اور جس کے ارادے کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اس مختصر سے جملے سے انہوں نے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے خدا کی وحدانیت کا اعتراف کیا اس کے بعد مزید کہا کہ ''تمام چیزوں سے قطع نظر میں اس خواہش کے سامنے کس طرح سے سر تسلیم خم کروں جبکہ میں عزیز مصر کے گھر میں رہتا ہوں اس کے دستر خوان پر ہوں اور اس نے مجھے بہت احترام سے رکھا ہوا ہے''۔ [1]

''کیا یہ واضح ظلم اور خیانت نہ ہوگی یقیناً ستمگار فلاح نہیں پائیں گے۔'' [2]

حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ایک طوفان

یہاں یوسف اور زوجہ عزیز کا معاملہ نہایت باریک مرحلے اور انتہائی حساس کیفیت تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن بہت معنی خیز انداز میں گفتگو کرتا ہے: ''عزیز مصر کی بیوی نے اس کا قصد کیا اور اگر یوسف بھی برہان پروردگار نہ دیکھتا تو ایسا ارادہ کر لیتا۔'' [3]

اس جگہ ایک بت تھا کہ جو زوجہ عزیز کا معبود شمار ہوتا تھا اچانک اس عورت کی نگاہ اس بت پر پڑی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے گھور رہا ہے اور اس کی خیانت آمیز حرکات کو غیض وغضب کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے وہ اٹھی اور اس بت پر کپڑا ڈال دیا یوسف نے یہ منظر دیکھا تو ان

---

[1] سورہ یوسف آیت 23

[2] سورہ یوسف آیت 23

[3] سورہ یوسف آیت 24

اس جملہ کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اسی طرح وہ برہان پروردگار جس کے ذریعے جناب یوسف بچ گئے، کے بارے میں اختلاف ہے رجوع کریں تفسیر نمونہ ج 5 ص 413

کے دل میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو، اور وہ لرز گئے اور کہنے لگے: تو تو ایک بے عقل، بے شعور، بے حس، و بے تشخیص عاری بت سے شرم کرتی ہے، کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے پروردگار سے شرم نہ کروں جو تمام چیزوں کو جانتا ہے اور تمام مخفی امور اور خلوت گاہوں سے باخبر ہے۔

اس احساس نے یوسفؑ کو ایک نئی توانائی اور قوت بخشی اور شدید جنگ کہ جوان کی روح کی گہرائیوں میں جذبات اور عقل کے درمیان جاری تھی اس میں ان کی مدد کی تا کہ وہ جذبات کی سرکش موجوں کو پیچھے دھکیل سکیں۔ [1]

قرآن مجید کہتا ہے: ہم نے یوسفؑ کو اپنی ایسی برہان پیش کی تا کہ بدی اور فحشاء کو اس سے دور کریں، کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ اور مخلص بندوں میں سے تھا۔ [2]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے جو اس کے لئے غیبی اور روحانی مدد بھیجی تا کہ وہ بدی اور گناہ سے رہائی پائے، تو یہ بے دلیل نہیں تھا وہ ایک ایسا بندہ تھا جس نے اپنے آپ کو معرفت، ایمان پرہیزگاری اور پاکیزہ عمل سے آراستہ کیا ہوا تھا اور اس کا قلب و روح شرک کی تاریکیوں سے پاک اور خالص تھا اسی لئے وہ ایسی خدائی امداد کی اہلیت و لیاقت رکھتا تھا۔

اس دلیل کا ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ ایسی خدائی امداد جو طغیانی و بحرانی لمحات میں یوسفؑ جیسے نبی کو میسر آئی تھی ان سے مخصوص نہ تھی بلکہ جو شخص بھی خدا کے خالص بندوں اور "عباد اللہ

---

[1] وہ بے بنیاد روایات جو مفسرین نے نقل کی ہیں کہ جن کے مطابق حضرت یوسفؑ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تھا اچانک حالت مکاشفہ میں جبرائیل یا حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا جو اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ رہے تھے انہیں دیکھا تو یوسف پیچھے ہٹ گئے، ایسی روایات کی کوئی معتبر سند نہیں ہے، یہ اسرائیلیات کی طرح ہیں اور کوتاہ فکر انسانوں کے دماغوں کی پیداوار ہیں جنھوں نے مقام انبیاء کو بالکل نہیں سمجھا۔

[2] سورہ یوسف آیت 24

المخلصین کے زمرے میں آتا ہوا ان نعمات کے لائق ہے۔ [1]

زوجہ عزیز مصر کی رسوائی

قرآن کی بیان کردہ تمام داستانوں میں ایک حقیقی عشقیہ داستان موجود ہے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی داستان ہے۔

ایک خوبصورت اور ہوس آلود عورت کے ایک زیرک اور پاک دل نوجوان سے شعلہ ور عشق کی داستان ہے۔

کہنے والے اور لکھنے والے جب ایسے مناظر تک پہنچتے ہیں تو وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ یا تو ہیرو اور اس واقعے کے اصلی مناظر کی تصویر کشی کے لئے قلم کھلا چھوڑ دیں اور بزبان اصطلاح حق سخن ادا کر دیں اگرچہ اس میں ہزار ہا تحریک آمیز چبھنے والے اور غیر اخلاقی لفظ آ جائیں۔

یا وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ زبان و قلم کی نزاکت و عفت کی حفاظت کے لئے کچھ مناظر کو پردہ ابہام میں چھپا دیں اور سامعین و قارئین کو سربستہ طور پر بات بتائیں۔

کہنے والا اور لکھنے والا کتنی بھی مہارت رکھتا ہو اکثر اوقات ان میں سے کسی ایک مشکل سے دوچار ہو جاتا ہے۔

کیا یہ باور کیا سکتا ہے کہ ایک ان پڑھ شخص ایسے شور انگیز عشق کے نہایت حساس لمحات کی دقیق اور مکمل تصویر کشی بھی کرے لیکن بغیر اس کے کہ اس میں معمولی سی تحریک آمیز اور عفت سے عاری تعبیر استعمال ہو۔

---

[1] متین و پاکیزہ کلام: قرآن کے عجیب و غریب پہلوؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اعجاز کی ایک نشانی بھی ہے، یہ کہ اس میں کوئی چبھنے والی، رکیک، ناموزوں، مبتذل اور عفت و پاکیزگی سے عاری تعبیر نہیں ہے اور کسی عام، ان پڑھ جہالت کے ماحول میں پرورش پانے والے کا کلام طرز کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص کی باتیں اس کے افکار اور ماحول سے ہم آہنگ ہوتی ہیں۔

لیکن قرآن اس داستان کے حساس ترین مناظر کی تصویر کشی شگفتہ انداز میں متانت و عفت کے ساتھ کرتا ہے، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی واقعہ چھوٹ جائے اور اظہار عجز ہو جب کہ تمام اصول اخلاق و پاکیزگی بیان بھی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اس داستان کے تمام مناظر میں سے زیادہ حساس "خلوت گاہ عشق" کا ماجرا ہے جسے زوجہ عزیز مصر کی بیقراری اور ہوا و ہوس نے وجود بخشا۔

قرآن اس واقعے کی وضاحت میں تمام کہنے کی باتیں بھی کہہ گیا ہے لیکن پاکیزہ اور عفت کے اصول سے ہٹ کر اس نے تھوڑی سے بات بھی نہیں کی۔

یوسفؑ کی انتہائی استقامت نے زوجہ عزیز کو تقریباً مایوس کر دیا یوسفؑ اس معرکہ میں اس ناز و ادا والی اور سرکش ہوا و ہوس والی عورت کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اس لغزش گاہ میں مزید ٹھہرنا خطرناک ہے انہوں نے اس محل سے نکل جانے کا ارادہ کیا لہٰذا وہ تیزی سے قصر کے دروازے کی طرف بھاگے تاکہ دروازہ کھول کر نکل جائیں زوجہ عزیز بھی بے اعتنا نہ رہی وہ بھی یوسفؑ کے پیچھے دروازے کی طرف بھاگی تاکہ یوسفؑ کو باہر نکلنے سے روکے اس نے اس مقصد کے لئے یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچا اس طرح سے کہ قمیص پیچھے سے لمبائی کے رخ پھٹ گئی۔ [1]

لیکن جس طرح بھی ہوا یوسفؑ دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول لیا اچانک عزیز مصر کو دروازے کے پیچھے دیکھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "ان دونوں نے اس عورت کے آقا کو دروازے پر پایا۔" [2]

اب جبکہ زوجہ عزیز نے ایک طرف اپنے کو رسوائی کے آستانے پر دیکھا اور دوسری طرف انتقام کی آگ اس کی روح میں بھڑک اٹھی تو پہلی بات جو اسے سوجھی یہ تھی کہ اس نے اپنے

[1] سورہ یوسف آیت 25

[2] سورہ یوسف آیت 25

آپ کو حق بجانب ظاہر کرتے ہوئے اپنے شوہر کی طرف رخ کیا اور یوسفؑ پر تہمت لگائی: اس نے پکار کر کہا: "جو شخص تیری اہلیہ سے خیانت کا ارادہ کرے اس کی سزا زندان یا دردناک عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔" [1]

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس خیانت کار عورت نے جب تک اپنے آپ کو رسوائی کے آستانے پر نہیں دیکھا تھا، بھول چکی تھی کہ وہ عزیز مصر کی بیوی ہے لیکن اس موقع پر اس نے "اہلک" (تیری گھر والی) کا لفظ استعمال کر کے عزیز کی غیرت کو ابھارا کہ میں تیرے ساتھ مخصوص ہوں لہٰذا کسی دوسرے کو میری طرف حرص کی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔

دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ یوسف میرے بارے میں برا ارادہ رکھتا تھا بلکہ عزیز مصر سے اس کی سزا کے بارے میں بات کی اس طرح سے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے اور بات صرف اس کی سزا کے بارے میں ہے ایسے لمحے میں جب وہ عورت اپنے آپ کو بھول چکی تھی اس کی یہ نپی تلی گفتگو اس کی انتہائی حیلہ گری کی نشانی ہے۔

پھر یہ کہ پہلے وہ قید خانے کے بارے میں بات کرتی ہے اور بعد میں گویا وہ قید پر بھی مطمئن نہیں ہے ایک قدم اور آگے بڑھاتی ہے اور "عذاب الیم" کا ذکر کرتی ہے کہ جو سخت جسمانی سزا اور قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر حضرت یوسف علیہ السلام نے خاموشی کو کسی طور پر جائز نہ سمجھا اور صراحت سے زوجہ عزیز مصر کے عشق سے پردہ اٹھایا انہوں نے کہا: "اس نے مجھے اصرار اور التماس سے اپنی طرف دعوت دی تھی۔" [2]

واضح رہے اس قسم کے موقع پر ہر شخص ابتداء میں بڑی مشکل سے یہ باور کر سکتا ہے کہ ایک نوخیز جوان غلام کہ جو شادی شدہ نہیں، بے گناہ ہو اور ایک شوہر دار عورت کہ جو ظاہراً باوقار

---

[1] سورہ یوسف آیت 25

[2] سورہ یوسف آیت 26

بے گنہگار ہو، اس بناء پر زیادہ الزام زوجہ عزیز کی نسبت یوسفؑ کے دامن پر لگتا تھا۔

شاہد گواہی دیتا ہے

لیکن چونکہ خدا نیک اور پاک افراد کا حامی و مددگار ہے وہ اجازت نہیں دیتا کہ یہ نیک اور پارسا مجاہد نوجوان تہمت کے شعلوں کی لپیٹ میں آئے، لہٰذا قرآن کہتا ہے: اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اصلی مجرم کی پہچان کے لئے اس واضح دلیل سے استفادہ کیا جائے کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت سچ کہتی ہے اور یوسفؑ جھوٹا ہے'' اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ عورت جھوٹی اور یوسفؑ سچا ہے۔''[1]

اس سے زیادہ مضبوط دلیل اور کیا ہوگی، کیونکہ زوجہ عزیز کی طرف سے تقاضا تھا تو وہ یوسفؑ کے پیچھے دوڑی ہے اور یوسفؑ اس سے بھاگ رہے تھے کہ وہ ان کے کرتے سے لپٹی ہے، تو یقیناً وہ پیچھے سے پھٹا ہے اور اگر یوسفؑ نے عزیز کی بیوی پر حملہ کیا ہے اور وہ بھاگی ہے یا سامنے سے اپنا دفاع کیا ہے تو یقیناً یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے، یہ امر کس قدر جاذب نظر ہے کہ کرتہ پھٹنے کا سادہ سا مسئلہ بے گناہی کا تعین کر دیتا ہے، یہی چھوٹی سی چیز ان کی پاکیزگی کی سند اور مجرم کی رسوائی کا سبب ہوگئی۔

عزیز مصر نے یہ فیصلہ کہ جو بہت ہی جچا تلا تھا بہت پسند کیا یوسفؑ کی قمیص کو غور سے دیکھا اور جب اس نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے (خصوصاً اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس دن تک اس نے کبھی یوسف سے کوئی جھوٹ نہیں سنا تھا)۔

اس نے اپنی بیوی کی طرف رخ کیا اور کہا: ''یہ کام تم عورتوں کے مکر و فریب میں سے

[1] سورہ یوسف، آیت 27

ہے، بے شک تم عورتوں کا مکروفریب عظیم ہے۔" [1]

اس وقت عزیز کو خوف ہوا کہ یہ رسوا کن واقعہ ظاہر نہ ہو جائے اور مصر میں اس کی آبرو نہ جاتی رہے اس نے بہتر سمجھا کہ معاملے کو سمیٹ کر دبا دیا جائے اس نے یوسف کی طرف رخ کیا اور کہا:

"اے یوسف! تم صرف نظر کرو اور اس واقعے کے بارے میں کوئی بات نہ کہو"۔ [2]

پھر اس نے بیوی کی جانب رخ کیا اور کہا: "تم بھی اپنے گناہ سے استغفار کرو کہ تم خطا کاروں میں سے تھی"۔ [3]

شاہد کون تھا؟

شاہد کون تھا کہ جس نے یوسف اور عزیز مصر کی فائل اتنی جلدی درست کر دی اور مہر لگا دی اور بے گناہ کو، گنہگار سے الگ کر دکھایا، اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

- بعض نے کہا ہے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے تھا اور قاعدتاً ایک حکیم، دانش مند اور سمجھدار شخص تھا، اس واقعے میں کہ جس کا کوئی عینی شاہد نہ تھا اس نے شگاف پیراہن سے حقیقت معلوم کر لی، کہتے ہیں کہ یہ شخص عزیز مصر کے مشیروں میں سے تھا اور اس وقت اس کے ساتھ تھا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا یہ بچہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے

[1] سورہ یوسف آیت 28

[2] سورہ یوسف آیت 29

[3] سورہ یوسف آیت 29

تھا اس وقت یہ بچہ وہیں قریب تھا یوسف نے عزیز سے خواہش کی اس سے فیصلہ کروالو، عزیز کو پہلے تو بہت تعجب ہوا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے لیکن جب وہ شیر خوار حضرت عیسیٰ کی طرح گہوارے میں بول اٹھا اور اس نے گنہگار کو بے گناہ سے الگ کر کے معیار بتایا تو وہ متوجہ ہوا کہ یوسف ایک غلام نہیں بلکہ نبی ہے یا نبی جیسا ہے۔ [1]

حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے: "شہادت دینے والا گہوارہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا" لیکن توجہ رہے کہ اس حدیث کی کوئی محکم سند نہیں ہے۔

زوجۂ عزیز مصر کی ایک اور سازش

زوجۂ عزیز کے اظہار عشق کا معاملہ مذکورہ داستان میں اگرچہ خاص لوگوں تک تھا اور خود عزیز نے بھی اسے چھپانے کی تاکید کی تھی تاہم ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں خصوصاً بادشاہوں اور اہل دولت واقتدار کے تو محلوں کی دیواریں بھی نہیں بہرحال آخر کار یہ راز قصر سے باہر نکل گیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے شہر کی کچھ عورتیں اس بارے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتی تھیں اور اس بات کا چرچا کرتی تھیں" کہ عزیز کی بیوی نے اپنے غلام سے راہ ورسم پیدا کرلی ہے اور اسے اپنی طرف دعوت دیتی ہے"۔ [2]

"اور غلام کا عشق تو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے"۔ [3]

پھر وہ یہ کہہ کر اس پر تنقید کرتیں کہ" ہماری نظر میں تو وہ واضح گمراہی میں ہے"۔ [4]

واضح ہے کہ ایسی باتیں کرنے والی مصر کے طبقہ امراء کی عورتیں تھیں جن کے لئے

[1] سورہ یوسف آیت 29

[2] سورہ یوسف آیت 30

[3] سورہ یوسف آیت 30

[4] سورہ یوسف آیت 30

فرعونیوں اور مستکبرین کے محلات کی گھٹیا کہانیاں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور وہ ہمیشہ ان کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔

اشراف کی یہ عورتیں کہ جو خود بھی زوجہ عزیز کی نسبت ہوس رانی میں کسی طرح کم نہ تھیں ان کی چونکہ یوسف تک رسائی نہیں تھی لہٰذا بقول ے" جانماز آب می کشیدند" مکروفریب میں لگی ہوئی تھیں اور زوجۂ عزیز کو اس کے عشق پر واضح گمراہی میں قرار دیتی تھیں، یہاں تک کہ بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہ راز بعض زنان مصر نے ایک سازش کے تحت پھیلایا وہ چاہتی تھیں کہ زوجۂ عزیز مصر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے انہیں اپنے محل میں دعوت دے تا کہ وہ خود وہاں یوسفؑ کو دیکھ سکیں ان کا خیال تھا کہ وہ یوسف کے سامنے ہوں تو ہوسکتا ہے اس کی نظر ان کی طرف مائل ہو جائے کہ جو شاید زوجہ عزیز مصر سے بھی بڑھ کر حسین تھیں اور پھر یوسفؑ کے لئے ان کا جمال بھی نیا تھا اور پھر یوسفؑ کے لئے عزیز کی بیوی ماں یا مولی یا ولی نعمت کا مقام رکھتی تھی اور ایسی کوئی صورت ان کے لئے نہ تھی لہٰذا وہ سمجھتی تھیں کہ زوجہ عزیز کی نسبت ان کے اثر کا احتمال زیادہ ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کس شخص نے یہ راز فاش کیا تھا، زوجۂ عزیز تو یہ رسوائی ہرگز گوارا نہ کرتی تھی اور عزیز نے تو خود اسے چھپانے کی تاکید کی تھی رہ گیا وہ حکیم ودانا کہ جس نے اس کا فیصلہ کیا تھا، اس سے تو ویسے ہی یہ کام بعید نظر آتا ہے۔ بہر حال جیسا کہ ہم نے کہا کہ خرابیوں سے پُر ان محلات میں ایسی کوئی چیز نہیں کہ جسے مخفی رکھا جا سکے اور آخر کار ہر بات نامعلوم افراد کی زبانوں سے درباریوں تک اور ان سے باہر کی طرف پہنچ جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے کہ لوگ اسے زیب داستان کے لئے اور بڑھا چڑھا کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

جناب یوسف علیہ السلام کے پاس مصر کی عورتیں

"زوجہ عزیز کو مصر کی حیلہ گر عورتوں کے بارے میں پتہ چلا تو پہلے وہ پریشان ہوئی پھر اسے ایک تدبیر سوجھی اس نے انہیں ایک دعوت پر مدعو کیا فرش سجایا اور قیمتی گاؤ تکیے لگا دیئے وہ آ بیٹھیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے چھری تھما دی"۔ [1] (یہ چھریاں پھل کاٹنے کی ضرورت سے زیادہ تیز تھیں)۔

یہ کام خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شوہر کی پرواہ نہ کرتی تھی اور گزشتہ رسوائی سے اس نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔

اس کے بعد اس نے یوسفؑ کو حکم دیا کہ "اس مجلس میں داخل ہو [2]

"تاکہ تنقید کرنے والی عورتیں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اسے اس کے عشق پر ملامت نہ کریں"۔ [3]

زوجہ عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہیں باہر نہیں بٹھا رکھا تھا بلکہ اندر کے کسی کمرے میں کہ غالباً جہاں غذا اور پھل رکھا گیا تھا مشغول رکھا تھا تاکہ وہ محفل میں داخل ہونے والے دروازے سے نہ آئیں بلکہ بالکل غیر متوقع طور پر اور اچانک آ نکلیں۔

مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے

زنان مصر جو بعض روایات کے مطابق دس یا اس سے زیادہ تھیں جب انہوں نے

[1] سورہ یوسف آیت 31

[2] سورہ یوسف آیت 31

[3] سورہ یوسف آیت 31

زیبا قامت اور نورانی چہرہ دیکھا اور ان کی نظر یوسف کے دلربا چہرے پر پڑی تو انہیں یوں لگا جیسے اس محل میں آفتاب اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے۔

وہ اس قدر حیران اور دم بخود ہوئیں کہ انہیں ہاتھ اور پاؤں میں اور ہاتھ اور ترنج بین میں فرق بھول گئیں انہوں نے یوسف کو دیکھتے ہی کہا یہ تو غیر معمولی ہے، وہ خود سے قدر بے خود ہوئیں کہ (ترنج بین کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی دلکش آنکھوں میں تو عفت وحیا کا نور ضوفشاں ہے اور ان کے معصوم رخسار شرم وحیا سے گلگوں ہیں تو "سب پکار اٹھیں کہ نہیں یہ جوان ہرگز گناہ سے آلودہ نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگوار آسمانی فرشتہ ہے"۔ [1]

تو پھر یوسف سے عشق میں مجھے کیوں ملامت کرتی ہو؟

اس وقت مصر کی عورتیں پوری بازی ہار چکی تھیں ان کے زخمی ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا پریشانی کے عالم میں وہ بے روح مجسمے کی طرح اپنی جگہ چپکی سی بیٹھی تھیں ان کی حالت کہہ رہی تھی کہ وہ بھی نے زوجہ عزیز سے کچھ کم نہیں ہیں، کیا اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا: "یہ ہے وہ شخص جس کے عشق پر تم مجھے طعنے دیتی تھیں"۔ [2]

گویا زوجہ عزیز چاہتی تھی کہ ان سے کہے کہ تم نے تو یوسف کو ایک مرتبہ دیکھا ہے اور

[1] سورہ یوسف آیت 31

اس بارے میں کہ زنان مصر نے اس وقت اپنے ہاتھوں کی کتنی مقدار کاٹی تھی، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے بعض نے یہ بات مبالغہ آمیز طور پر نقل کی ہے لیکن قرآن سے اجمالاً یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

[2] سورہ یوسف آیت 32

یوں اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھی ہو تو پھر مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو جبکہ میں صبح وشام اس کے ساتھ اٹھتی بیٹھی ہوں، زوجہ عزیز نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اپنی کامیابی پر وہ بہت مغرور اور پوری صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور کہا: جی ہاں: "میں نے اسے اپنی آرزو پورا کرنے کے لئے دعوت دی تھی لیکن یہ بچا رہا۔" [1]

اس کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے گناہ پر اظہار ندامت کرتی یا کم از کم مہمانوں کے سامنے کچھ پردہ پڑا رہنے دیتی اس نے بڑی بے اعتنائی اور سخت انداز میں کہ جس سے اس کا قطعی ارادہ ظاہر ہوتا تھا صراحت کے ساتھ اعلان کیا: "اگر اس (یوسفؑ) نے میرا حکم نہ مانا اور میرے عشق سوزاں کے سامنے سر نہ جھکایا تو یقیناً اسے قید میں جانا پڑے گا" [2] "نہ صرف یہ کہ میں اسے زندان میں ڈال دوں گی بلکہ قید خانے کے اندر بھی ذلیل وخوار ہوگا۔" [3] فطری امر ہے کہ جب عزیز مصر نے اس واضح خیانت پر اپنی زوجہ سے فقط یہی کہنے پر قناعت کی کہ "اپنے گناہ پر استغفار کر" تو اس کی بیوی رسوائی کی اس منزل تک آپہنچی اصولی طور پر جیسا کہ ہم نے کہا ہے مصر کے فرعون اور عزیزوں کے دربار میں ایسے مسائل کوئی نئی بات نہ تھی۔

اے یوسف علیہ السلام قبول کرلو

بعض نے تو اس موقع پر ایک تعجب انگیز روایت نقل کی ہے وہ یہ کہ چند زنان مصر جو اس دعوت میں موجود تھیں وہ زوجہ عزیز کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے حق بجانب قرار دیا وہ یوسفؑ کے گرد جمع ہوگئیں اور ہر ایک نے یوسفؑ کو رغبت دلانے کے لئے مختلف بات کی۔

[1] سورہ یوسف آیت 32

[2] سورہ یوسف آیت 32

[3] سورہ یوسف آیت 32

ایک نے کہا: اے جوان: یہ اپنے آپ کو بچانا، یہ ناز ونخرے آخر کس لئے؟ کیوں اس عاشق دلدادہ پر رحم نہیں کرتے؟ اس خیرہ کن جمال دل آرا کو نہیں دیکھتے؟ کیا تمہارے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا تم جوان نہیں ہو؟ کیا تمہیں عشق وزیبائی سے کوئی رغبت نہیں اور کیا تم پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے ہو۔

دوسری نے کہا: میں حیران ہوں چونکہ حسن وعشق کی وجہ سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ وہ عزیز مصر اور اس ملک کے صاحب اقتدار کی بیوی ہے؟ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ اس کا دل تمہارے ہاتھ میں ہو تو یہ ساری حکومت تمہارے قبضے میں ہوگی اور تم جو مقام چاہو تمہیں مل جائے گا؟

تیسری نے کہا: میں حیران ہوں کہ نہ تم اس کے جمال زیبا کی طرف مائل ہو اور نہ اس کے مقام ومال کی طرف لیکن کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ ایک خطرناک انتقام جو عورت ہے اور انتقام لینے کی طاقت بھی پوری طرح اس کے ہاتھ میں ہے؟ کیا تمہیں اس کے وحشتناک اور تاریک زندان کا کوئی خوف نہیں؟ کیا تم اس قید تنہائی کے عالم غربت وبیچارگی کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟

زندان کی تمنا

ایک طرف عزیز کی دھمکی اور ان آلودہ گناہ عورتوں کا وسوسہ تھا کہ جو اس وقت دلالی کا کھیل رہی تھیں اور دوسری طرف یوسفؑ کے لئے ایک شدید بحرانی لمحہ تھا، ہر طرف سے مشکلات کے طوفان نے انہیں گھیر رکھا تھا لیکن وہ تو پہلے سے اپنے آپ کو اسلحہ سے آراستہ کئے ہوئے تھے نور ایمان پاکیزگی اور تقویٰ نے ان کی روح میں ایک خاص اطمینان پیدا کر رکھا تھا وہ بڑی شجاعت اور عزم سے اپنے موقف پر اڑے رہے بغیر اس کے کہ وہ ان ہوس باز اور ہوس ران

عورتوں سے باتوں میں الجھتے، انہوں نے پروردگار کی بارگاہ کا رخ کیا اور اس طرح سے دعا کرنے لگے: بارالہا: ''جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دیتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ اپنی تمام تر سختیوں کے باوجود مجھے زیادہ محبوب ہے''۔ [1]

اس کے بعد چونکہ وہ جانتے تھے کہ تمام حالات میں خصوصاً مشکلات میں لطف الٰہی کے سوا کوئی راہ نجات نہیں کہ جس پر بھروسہ کیا جائے، انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کیا اور اس سے مدد مانگی اور پکارے: پروردگارا! ''اگر تو مجھے ان عورتوں کے مکر اور خطرناک منصوبوں سے نہ بچائے تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں''۔ [2]

خداوندا: میں تیرے فرمان کا احترام کرتے ہوئے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے اس وحشت ناک قید خانے کا استقبال کرتا ہوں وہ قید خانہ کہ جس میں میری روح آزاد ہے اور میرا دامن پاک ہے اس کے بدلے میں اس ظاہری آزادی کو ٹھوکر مارتا ہوں کہ جس میں میری روح کو زندان ہوس نے قید کر رکھا ہو اور جو میرے دامن کو آلودہ کر سکتی ہے۔

خدایا: میری مدد فرما، مجھے قوت بخش، اور میری عقل، ایمان اور تقویٰ کی طاقت میں اضافہ فرما تا کہ میں ان شیطانی وسوسوں پر کامیابی حاصل کروں۔

اور چونکہ خداوند عالم کا ہمیشہ سے وعدہ ہے کہ وہ مخلص مجاہدین کی (چاہے وہ نفس کے خلاف برسرپیکار ہوں یا ظاہری دشمن کے خلاف) مدد کرے گا، اس نے یوسفؑ کو اس عالم میں تنہا نہ چھوڑا حق تعالیٰ کا لطف و کرم اس کی مدد کو آگے بڑھا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''اس کے پروردگار نے اس کی اس مخلصانہ دعا کو قبول کیا، ان کے مکر اور سازشوں کو پلٹا دیا، کیونکہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔'' [3]

---

[1] سورہ یوسف آیت 33

[2] سورہ یوسف آیت 33

[3] سورہ یوسف آیت 34

وہ بندوں کی دعا بھی سنتا ہے اور ان کے اندرونی اسرار سے بھی آگاہ ہے اور انہیں مشکلات سے بچانے کی راہ سے بھی واقف ہے۔

بے گناہی کی پاداش میں قید

قصر عزیز میں یوسفؑ کی موجودگی میں زنان مصر کی حیران کن محفل اس شور وغوغا کے عالم میں تمام ہوئی، فطری بات تھی کہ یہ خبر عزیز کے کان تک پہنچ گئی ان تمام واقعات سے واضح ہو گیا کہ یوسفؑ کوئی معمولی انسان نہیں ہے اور اس قدر پاکیزہ ہے کہ کوئی طاقت اسے گناہ پر ابھار نہیں سکتی مختلف حوالوں سے اس کی پاکیزگی کی نشانیاں واضح ہو گئیں۔

یوسف علیہ السلام کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہونا، زنان مصر کے وسوسے کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کرنا، قید خانے میں جانے کے لئے آمادہ ہونا اور زوجہ عزیز کی طرف سے قید اور دردناک عذاب کی دھمکیوں کے سامنے سر نہ جھکانا یہ سب اس کی پاکیزگی کی دلیلیں تھیں یہ ایسے دلائل تھے کہ کوئی شخص نہ اسے چھپا سکتا تھا نہ ان کا انکار کر سکتا تھا ان کا لازمی نتیجہ زوجہ عزیز مصر کی ناپاکی اور جرم تھا یہ جرم ثابت ہونے کے بعد عوام میں خاندان عزیز کی جنسی حوالے سے رسوائی کا خوف بڑھ رہا تھا عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو اس کے لئے صرف یہی چارہ دکھائی دیا کہ یوسفؑ کو منظر سے ہٹا دیا جائے، اس طرح سے کہ لوگ اسے اور اس کے نام کو بھول جائیں اس کے لئے ان کی نظر میں بہترین راستہ اسے تاریک قید خانے میں بھیجنا تھا کہ جسے یوسفؑ کو بھلا بھی دیا جائے گا اور وہ یہ بھی سمجھیں گے کہ اصلی مجرم یوسفؑ تھا اسی لئے قرآن کہتا ہے:

"جب انہوں نے (یوسفؑ کی پاکیزگی کی) نشانیاں دیکھ لیں تو پختہ ارادہ کر لیا کہ اسے ایک مدت تک قید میں ڈال دیا جائے"۔ [1]

---

[1] سورہ یوسف آیت 35

پہلے اس کے بارے میں ان کا کوئی ارادہ نہ تھا اور پہلی مرتبہ زوجہ عزیز نے یہ بات احتمال کے طور پر پیش کی تھی، بہرحال اس طرح یوسفؑ پاکدامنی کے گناہ میں قید خانے میں پہنچ گئے اور یہ پہلی مرتبہ نہ تھا کہ ایک قابل اور لائق انسان پاکیزگی کے جرم میں زندان میں گیا۔

زندان کے واقعات

"یوسفؑ کے ساتھ زندان میں داخل ہونے والوں میں دو جوان بھی تھے"۔ [1]

جب انسان کسی معمول کے طریقے سے خبروں تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو اس کے لئے دوسرے احساسات کو استعمال کرتا ہے تاکہ حوادث کا اندازہ لگا سکے، خواب بھی اس مقصد کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے۔

اسی بناء پر دونوں جوان کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے گھر مشروبات پر مامور تھا اور دوسرا باورچی خانے کا کنٹرولر دشمنوں کی چغل خوری اور بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں قید تھا، ایک روز یوسفؑ کے پاس آئے دونوں نے اپنا گزشتہ شب کا خواب سنایا جو کہ ان کے لئے عجیب تھا ایک نے کہا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔" [2]

"دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے کچھ روٹیاں سر پر اٹھا رکھی ہیں اور آسمان کے پرندے آتے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہیں۔" [3]

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا:

[1] سورہ یوسف آیت 35

[2] سورہ یوسف آیت 36

[3] سورہ یوسف آیت 36

''ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتاؤ، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم نیکوکاروں میں سے ہو۔'' [1]

قیدخانہ یا مرکز تربیت

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں آتے ہی اپنے نیک اطوار، حسن اخلاق اور قیدیوں کی دلجوئی، خدمت اور بیماروں کی عیادت سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ایک نیک اور گرہ کشا انسان ہیں اسی لئے قیدی مشکلات میں انہی کی پناہ لیتے تھے اوران سے مدد مانگتے تھے۔

بہرحال وہ یوسف کہ جو قیدیوں کی ہدایت اور راہنمائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے انہوں نے ان دو قیدیوں کی طرف سے تعبیر خواب کے لئے رجوع کرنے کو غنیمت جانا اور اس بہانے سے ایسے اہم حقائق بیان کئے جوان کے تعبیر خواب سے متعلق اپنی آگاہی کے بارے میں کہ جوان دو قیدیوں کے لئے بہت اہمیت رکھتے تھے، اور تمام انسانوں کے لئے راستہ کھولنے والے تھے آپ نے پہلے توان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان سے کہا: ''تمہارے کھانے کا راشن آنے سے پہلے وہ ان کے خواب کی تعبیر بتادیں گے''۔ [2]

اس کے بعد باایمان اور خدا پرست یوسف کہ جن کے وجود کی گہرائیوں میں توحید پوری وسعت سے جڑ پکڑ چکی تھی، نے یہ واضح کرنے کے لئے کہ امر الٰہی کے بغیر کوئی چیز حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتی، اپنی بات کو اسی طرح سے جاری رکھا: ''تعبیر خواب کے متعلق میرا یہ علم ودانش ان امور میں سے ہے کہ جن کی تعلیم مجھے میرے پروردگا نے دی ہے''۔ [3]

---

[1] سورہ یوسف آیت 36

[2] سورہ یوسف آیت 37

[3] سورہ یوسف آیت 37

نیز اس بناء پر کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ خدا کوئی چیز بغیر کسی بنیاد کے بخش دیتا ہے، آپ نے مزید فرمایا: "میں نے ان لوگوں کا دین و مذہب ترک کر رکھا ہے کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اس نور ایمان اور تقویٰ نے مجھے اس نعمت کے لائق بنایا ہے"۔ [1]

اس قوم وملت سے مصر کے بت پرست لوگ یا کنعان کے بت پرست مراد ہیں مجھے ایسے عقائد سے الگ ہی ہونا چاہئے کیونکہ یہ انسان کی پاک فطرت کے خلاف ہیں، علاوہ ازیں میں نے ایسے خاندان میں پرورش پائی ہے کہ جو وحی و نبوت کا خاندان ہے۔ "میں نے اپنے آباء واجداد اور بزرگوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔" [2]

شاید یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے اپنا تعارف کروایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ وحی و نبوت کے گھرانے سے ہیں اور دیگر بہت سے قیدیوں کی طرح کہ جو طاغوتی نظاموں میں قید ہوتے ہیں، بے گناہ زندان میں ڈالے گئے ہیں۔

قیدیوں کی تعبیر خواب

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے گذشتہ گفتگو کے بعد ان قیدیوں کے دلوں کو حقیقت توحید قبول کرنے کے لئے آمادہ کر لیا تو ان کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا: "اے میرے قیدی ساتھیو: کیا منتشر خدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا یگانہ و یکتا اور قہار اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا خدا"۔ [3]

گویا یوسف انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ کیوں تم فقط عالم خواب میں آزادی کو دیکھتے ہو

[1] سورہ یوسف آیت 37

[2] سورہ یوسف آیت 38

[3] سورہ یوسف آیت 39

بیداری میں کیوں نہیں دیکھتے، آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کا سبب تمہارا انتشار، تفرقہ بازی اور نفاق نہیں کہ جس کا سرچشمہ شرک، بت پرستی اور ارباب متفرق ہیں جن کی وجہ سے ظالم طاغوت تم پر غالب آ گئے ہیں تم لوگ پرچم توحید کے تلے کیوں جمع نہیں ہوتے اور ''اللہ واحد قہار،، کا دامن پرستش کیوں نہیں تھامتے تاکہ ان خود غرض ستمگروں کو اپنے معاشرے سے نکال باہر کرو کہ جو تمہیں بے گناہ اور صرف الزام کی بنیاد پر قید میں ڈال دیتے ہیں۔

اپنے دو قیدی ساتھیوں کو رہبری و ارشاد اور انہیں حقیقت توحید کی طرف مختلف پہلوؤں کے حوالے سے دعوت دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خواب کی تعبیر بیان کی کیونکہ وہ دونوں اسی مقصد کے لئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے بھی انہیں وعدہ دیا تھا کہ انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائیں گے لیکن آپ نے موقع غنیمت جانا اور توحید کے بارے میں اور شرک کے خلاف واضح اور زندہ دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔

اس کے بعد آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا: ''اے میرے قیدی ساتھیو: تم میں سے ایک آزاد ہو جائے گا اور اپنے ''ارباب'' کو شراب پلانے پر مامور ہوگا۔'' [1]

''لیکن دوسرا سولی پر لٹکایا جائے گا اور اتنی دیر تک اس کی لاش لٹکائی جائے گی کہ آسمانی پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔'' [2]

ان دونوں میں سے ایک لٹکایا جائے گا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ چاہا کہ یہ ناگوار خبر اس سے زیادہ صراحت سے بیان کریں لہٰذا آپ نے تم میں سے ایک'' کہہ کر گفتگو کی اس کے بعد اپنی بات کی تائید کے لئے مزید کہا: یہ معاملہ جس کے بارے میں تم نے مجھ سے سوال کیا ہے

---

[1] سورہ یوسف آیت 40

[2] سورہ یوسف آیت 41

اور مسئلہ پوچھا ہے حتمی اور قطعی ہے۔" [1]

یہ اس طرف اشارہ تھا کہ یہ خواب کی کوئی معمولی سی تعبیر نہیں ہے بلکہ ایک غیبی خبر ہے جسے میں نے الٰہی تعلیم سے حاصل کیا ہے لہٰذا اس مقام پر تردد وشک اور چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

جب دوسرے شخص نے یہ ناگوار خبر سنی تو وہ اپنی بات کی تکذیب کرنے لگا اور کہنے لگا: میں نے جھوٹ بولا تھا میں نے ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا تھا میں نے مذاق کیا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اپنے خواب کی تردید کر دے گا تو اس کی سرنوشت تبدیل ہو جائے گی لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے ساتھ ہی یہ بات کہہ دی کہ جس چیز کے بارے میں تم نے دریافت کیا وہ ناقابل تغیر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی تعبیر خواب پر اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے یہ جملہ تاکید کے طور پر کہا۔

بادشاہ کے سامنے مجھے یاد کرنا

لیکن جس وقت آپ نے محسوس کیا کہ یہ دونوں عنقریب ان سے جدا ہو جائیں گے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان کے ذریعے آزادی کا کوئی دریچہ کھل جائے اور روشنی کی کوئی کرن پھوٹے اور جس گناہ کی آپ کی طرف نسبت دی گئی تھی اس سے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کریں" آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں میں سے جس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ آزاد ہوں گے، اس سے فرمائش کی کہ اپنے مالک وصاحب اختیار (بادشاہ) کے پاس میرے متعلق بات کرنا۔ [2] تاکہ وہ تحقیق

---

[1] سورہ یوسف آیت 41

[2] سورہ یوسف آیت 42

کرے اور میری بے گناہی ثابت ہو جائے''۔

لیکن اس فراموش کار غلام نے یوسف کا مسئلہ بالکل بھلا دیا جیسا کہ کم ظرف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب نعمت حاصل کر لیتے ہیں تو صاحب نعمت کو فراموش کر دیتے ہیں البتہ قرآن نے بات یوں بیان کی ہے: ''جب وہ اپنے مالک کے پاس پہنچا تو شیطان نے اس کے دل سے یوسف کی یاد بھلا دی۔'' [1]

اور اس طرح یوسف فراموش کر دیے گئے'' اور چند سال مزید قید خانے میں رہے۔'' [2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اپنے بھائی یوسف پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کیونکر خالق کے بجائے مخلوق کی پناہ لی اور اس سے مدد طلب کی۔

ایک اور روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اس واقعہ کے بعد جبرائیل یوسف کے پاس آئے اور کہا: کس نے تمہیں سب لوگوں سے زیادہ حسین بنایا؟ کہنے لگے: میرے پروردگار نے۔ کہا: کس نے قافلے کو تمہاری طرف بھیجا تاکہ وہ تمہیں کنویں سے نجات دے؟

بولے: میرے پروردگار نے۔

کہا: کس نے مصر کی عورتوں کے مکر و فریب سے تمہیں دور رکھا؟

کہنے لگے: میرے پروردگار نے۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 42

[2] سورہ یوسف آیت 42

البتہ زندان یا دیگر مشکلات سے نجات کے لئے ایسی کوشش عام افراد کے لئے کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اور طبیعی اسباب سے کام لینے کے ضمن میں ہے لیکن ایسے افراد کے لئے جو نمونہ ہوں اور ایمان و توحید کی بلند سطح پر فائز ہوں ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ شاید اسی بناء پر خدا نے یوسف کے اس ''ترک اولیٰ'' کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کی وجہ سے ان کی قید چند سال مزید جاری رہی۔

اس پر جبرائیل نے کہا: تمہارا پروردگار کہہ رہا ہے کس چیز کے سبب تم اپنی حاجت مخلوق کے پاس لے گئے ہو اور میرے پاس نہیں لائے ہو لہٰذا تمہیں چند سال اور زندان میں رہنا چاہئے۔

بادشاہ مصر کا خواب

حضرت یوسف علیہ السلام سات برس تک قید خانے میں تنگی و سختی میں ایک فراموش شدہ انسان کی طرح رہے وہ خودسازی قیدیوں کو ارشاد و ہدایت بیماروں کی عیادت اور دردمندوں کی دلجوئی میں مصروف رہے یہاں تک کہ ایک ظاہراً چھوٹا سا واقعہ رونما ہوا جس نے نہ صرف ان کی بلکہ مصر اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کی سرنوشت کو بدل کے رکھ دیا۔

بادشاہ مصر کہ جس کا نام کہا جاتا ہے کہ ولید بن ریان تھا (اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا) اس نے ایک خواب دیکھا یہ ظاہراً ایک پریشان کن خواب تھا، دن چڑھا تو اس نے خواب کی تعبیر بتانے والوں اور اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہنے لگا میں نے خوب میں دیکھا ہے کہ "سات کمزوری اور سات موٹی تازی گائیں ہیں اور دبلی پتلی گائیں ان پر حملہ آور ہوئی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں نیز سات ہرے بھرے اور سات خشک شدہ خوشے ہیں اور خشک شدہ خوشے سبز خوشوں پر لپٹ گئے ہیں اور انہیں ختم کر دیا ہے"۔ [1]

اس کے بعد اس نے ان کی طرف روئے سخن کیا اور کہنے لگا: "اے قوم کے سردارو: میرے خواب کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو"۔ [2] لیکن سلطان کے حواریوں نے فوراً کہا کہ: "یہ خواب پریشان ہیں اور ہم لوگ ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں

---

[1] سورہ یوسف آیت 43

[2] سورہ یوسف آیت 44

جانتے"۔ [1]

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح جرأت کی شاہ مصر کے سامنے اس رائے کا اظہار کریں کہ وہ اسے پریشان خواب دیکھنے کا الزام دیں، جبکہ ان حاشیہ نشینوں کا معمول یہ ہے کہ وہ ان کی ہر چھوٹی بڑی اور بے معنی حرکت کے لئے کوئی فلسفہ گھڑتے ہیں اور بڑی معنی خیز تفسیریں کرتے ہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ بادشاہ یہ خواب دیکھ کر پریشان و مضطرب ہے اور وہ پریشانی میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ کمزور اور لاغر گائیں توانا اور موٹی تازی گاؤں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں اور یہی صورت خشک خوشوں کی تھی، کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور لوگ اچانک اس کے ہاتھ سے حکومت چھین لیں گے لہٰذا انہوں نے بادشاہ کے دل کا اضطراب دور کرنے کے لئے اس سے کہا کہ خواب کسی چیز کی دلیل نہیں ہوتے۔

بادشاہ کے ساقی نے جناب یوسفؑ کو یاد کیا

اس موقع پر بادشاہ کا ساقی کہ جو چند سال قبل قید خانے سے آزاد ہوا تھا اسے قید خانے کا خیال آیا اسے یاد آیا کہ یوسفؑ اس خواب کی تعبیر بیان کرسکتے ہیں اس نے بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کی طرف رخ کر کے کہا: "میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے اس کام کے ماہر استاد کے پاس بھیجو کہ جو زندان میں پڑا ہے تاکہ تمہیں بالکل سچ خبر لا کردوں"۔ [2]

جی ہاں اس گوشۂ زنداں میں ایک روشن ضمیر صاحب ایمان اور پاک دل انسان زندگی کے دن گزار رہا ہے کہ جس کا دل، حوادث آئندہ کا آئینہ ہے، وہ ہے کہ جو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا

---

[1] سورہ یوسف آیت 44

[2] سورہ یوسف آیت 45

ہے اور اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے۔

اس کی اس بات نے محفل کی کیفیت ہی بدل دی، سب کی آنکھیں ساقی پر لگ گئیں آخر کار اسے اجازت ملی اور حکم ملا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کام کے لئے نکل کھڑا ہو اور جلد نتیجہ پیش کرے ساقی زندان میں آیا اور اپنے پرانے دوست یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، وہی دوست جس سے بڑی بے وفائی کی تھی لیکن اس کی عظمت سے توقع نہیں کہ وہ دفتر شکایت کھول بیٹھے۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "یوسفؑ اے سراپا صداقت اس خواب کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ کسی نے دیکھا ہے کہ سات لاغر گائیں موٹی تازی گایوں کو کھا رہی ہیں نیز سات ہرے گچھے ہیں اور سات خشک شدہ ہیں (کہ جن میں سے دوسرا پہلے سے لپٹ گیا ہے اور اسے نابود کر دیا ہے)" "شاید میں اس طرح ان لوگوں کے پاس لوٹ کے جاؤں تو وہ اس خواب کے اسرار سے آگاہ ہو سکیں"۔ [1]

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے بغیر کسی شرط کے اور بغیر کسی صلہ کے تقاضے کے فوراً خواب کی واضح اور نہایت اعلیٰ تعبیر بیان کی اس میں آپ نے کچھ چھپائے بغیر درپیش تاریک مستقبل کے بارے میں بتایا ساتھ ہی اس کے لئے راہنمائی کردی اور ایک مرتب پروگرام بتا دیا آپ نے کہا: "سات سال پیہم محنت سے کاشت کاری کرو کیونکہ ان سات برسوں میں بارش خوب ہوگی لیکن جو فصل کاٹو اسے خوشوں سمیت انباروں کی صورت میں جمع کرلو سوائے کھانے کے لئے جو تھوڑی سی مقدار ضروری ہو"۔ [2]

لیکن جان لو کہ ان سات برسوں کے بعد سات برس خشک سالی، بارش کی کمی اور سختی کے آئیں گے کہ جن میں صرف اس ذخیرے سے استفادہ کرنا ہوگا جو گزشتہ سالوں میں تمام ذخیرہ کیا ہوگا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے البتہ خیال رہے کہ خشکی اور قحط کے ان سات سالوں میں تمام ذخیرہ

---

[1] سورہ یوسف آیت 46

[2] سورہ یوسف آیت 47

شدہ گندم نہ کھا جاتا" بلکہ کچھ مقدار بیج کے طور پر آئندہ کاشت کیلئے رکھ چھوڑنا کیونکہ بعد کا سال اچھا ہوگا"۔ [1]

اگر خشک سالی اور سختی کے یہ سال تم سوچے سمجھے پروگرام اور پلان کے تحت ایک ایک کرکے گزار لو تو پھر تمہیں کوئی خطرہ نہیں "اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب باران رحمت ہوگی اور لوگ اس آسمانی نعمت سے خوب بہرہ مند ہوں گے"[2]

اس سے نہ صرف زراعت اور اناج کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ رس دار پھل اور روغن دار دانے بھی فراواں ہوں گے" کہ لوگ جن سے رس اور روغن حاصل کریں گے"[3]

مصر کا قیدی یا بہترین رہبر

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ کس قدر جچی تلی تھی قدیمی کہانیوں میں گائے سال کا سنبل سمجھی جاتی تھی اور اس کا توانا ہونا فراواں نعمت کی دلیل ہے جبکہ لاغر ہونا مشکلات اور سختی کی دلیل ہے سات لاغر گائیں سات توانا گاؤں پر حملہ آور ہوئیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سختی کے سات سالوں میں قبل کے سالوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور سات خشک شدہ خوشہ یا گچھے جو سات سبز خوشوں سے لپٹ گئے تو یہ فراوانی نعمت اور خشک سالی کے دو مختلف ادوار کے لئے ایک اور دلیل تھی اس میں اس نکتہ کا اضافہ تھا کہ اناج کو خوشوں کی شکل میں ذخیرہ کیا جانا چاہئے تاکہ جلد خراب نہ ہو اور سات برس تک چل سکے۔ نیز یہ کہ لاغر گائیں اور خشک شدہ خوشوں کے سات سے زیادہ نہ تھے یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان سخت

[1] سورہ یوسف آیت 48

[2] سورہ یوسف آیت 48

[3] سورہ یوسف آیت 49

سات سالوں کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور فطری طور پر بیج کی فکر بھی کرنا چاہئے اور ذخیرے کا کچھ حصہ اس کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام درحقیقت کہ عام تعبیر خواب بیان کرنے والے شخص نہ تھے بلکہ ایک رہبر تھے کہ جو گوشۂ زندان میں بیٹھے ایک ملک کے مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کر رہے تھے اور انہیں کم از کم پندرہ برس کے لئے مختلف مراحل پر مشتمل ایک پلان دے رہے تھے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ یہ تعبیر جو آئندہ کے لئے منصوبہ بندی اور راہنمائی پر مشتمل تھی؛ نے جابر بادشاہ اور اس کے حواریوں کو ہلا کے رکھ دیا اور اہل مصر کے ہلاکت خیز قحط سے نجات کا سبب بنی اور اسی کے سبب حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے اور حکومت کو بھی خود غرض اور خود سر لوگوں سے نجات مل گئی۔

یوسفؑ ہر الزام سے بری ہو گئے

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ اس قدر بچی تلی اور منطقی تھی کہ اس نے بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو جذب کر لیا بادشاہ نے دیکھا کہ ایک غیر معروف سے قیدی نے کسی مفاد کی توقع کے بغیر اس خواب کی مشکل تعبیر کس بہترین طریقہ سے بیان کر دی ہے اور ساتھ ہی آئندہ کے لئے نہایت بچا تلا پروگرام بھی پیش کر دیا ہے۔ اجمالاً اس نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی غلام قیدی نہیں ہے بلکہ غیر معمولی شخصیت ہے کہ جو کسی پر اسرار ماجرے کے باعث قید میں ڈالا گیا ہے لہٰذا اسے اس کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن ایسا نہیں کہ سلطنت کا غرور ایک طرف رکھ کر وہ دیدار یوسفؑ کے لئے چل پڑے بلکہ "اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ"۔ [1]

---

[1] سورہ یوسف آیت 50

لیکن جب اس کا فرستادہ یوسفؑ کے پاس آیا تو بجائے اس کے کہ یوسفؑ اس خوشی میں پھولے نہ سماتے کہ سالہا سال قید خانے کے گڑھے میں رہنے کے بعد اب نسیم آزادی چل رہی ہے آپ نے بادشاہ کے نمائندہ کو منفی جواب دیا اور کہا کہ میں اس وقت تک زندان سے باہر نہیں آؤں گا: "جب تک کہ تو اپنے مالک کے پاس جا کر اس سے یہ نہ پوچھے کہ وہ عورتیں جنھوں نے تیرے وزیر (عزیز مصر کے محل میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا ماجرا کیا تھا"۔ [1]

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے ہی جیل سے رہا ہو جائیں اور شاہ کی طرف سے معین کئے گئے ایک مجرم یا کم از کم ایک ملزم کی صورت میں زندگی بسر کریں وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے ان کی قید کے سبب کے بارے میں تحقیق ہو اور ان کی بے گناہی اور پاکدامنی پوری طرح درجہ ثبوت کو پہنچ جائے اور برائت کے بعد وہ سربلندی سے آزاد ہوں اور ضمناً حکومت مصر کی مشینری کی آلودگی بھی ثابت ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے وزیر کے دربار میں کیا گزرتی ہے۔

جی ہاں: وہ اپنے عزو شرف کو آزادی سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور یہی حریت پسند

دل کا راستہ ہے۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں اس قدر عظمت کا مظاہرہ کیا کہ یہاں تک تیار نہ ہوئے کہ عزیز مصر کی بیوی کا نام لیں کہ جو ان پر الزام لگانے اور جیل بھیجنے کا اصلی عامل تھی بلکہ مجموعی طور پر زنان مصر کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو اس ماجرا میں دخیل تھیں۔

اس کے بعد آپ نے مزید کہا: اگرچہ اہل مصر نہ جانیں اور یہاں تک دربار سلطنت بھی بے خبر ہو کہ مجھے قید کئے جانے کا منصوبہ کیا تھا اور کن افراد کی وجہ سے پیش آیا لیکن "میرا پروردگار ان کے مکروفریب اور منصوبہ سے آگاہ ہے"۔ [2]

---

[1] سورہ یوسف آیت 50

[2] سورہ یوسف آیت 50

شاہ کا خاص نمائندہ اس کے پاس لوٹ آیا اور یوسف کی تجویز کہ جس سے اعلیٰ ظرفی اور بلند نظری جھلکتی تھی، بادشاہ نے سنی تو وہ یوسف کی بزرگواری سے بہت زیادہ متاثر ہوا لہٰذا اس نے فوراً اس ماجرے میں شریک عورتوں کو بلا بھیجا وہ حاضر ہوئیں تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "بتاؤ میں دیکھوں کہ جب تم نے یوسفؑ سے اپنی خواہش پورا کرنے کا تقاضا کیا تو اصل معاملہ کیا تھا" [1]

سچ کہنا، حقیقت بیان کرنا کہ کیا تم نے اس میں کوئی عیب تقصیر اور گناہ دیکھا ہے؟

"ان کے خوابیدہ ضمیر اس سوال پر اچانک بیدار ہو گئے" اور سب نے متفقہ طور پر یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی دی اور کہا: منزہ ہے خدا ہم نے یوسفؑ میں کوئی گناہ نہیں دیکھا"۔ [2]

زلیخا کا اعتراف

عزیز مصر کی بیوی وہاں موجود تھی بادشاہ اور زنان مصر کی باتیں سن رہی تھی بغیر اس کے کہ کوئی اس سے سوال کرے، ضبط نہ کر سکی اس نے محسوس کیا کہ اب وہ موقعہ آگیا ہے، کہ ضمیر کی سالہا سال کی شرمندگی یوسفؑ کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے ذریعہ تلافی کرے، خصوصاً جب کہ اس نے یوسف علیہ السلام کی بے نظیر عظمت کو اس پیغام میں دیکھ لیا تھا جو انہوں نے بادشاہ کو بھیجا تھا دیکھ لیا کہ اپنے پیغام میں انہوں نے اس کے بارے میں تھوڑی سی بات بھی نہیں کی اور اشارتاً صرف زنان مصر کے بارے میں بات کی ہے اس کے اندار گویا ایک ہلچل بچ گئی "وہ چیخ اٹھی: اب حق آشکار ہو گیا ہے میں نے اس سے خواہش پوری کرنے کا تقاضا کیا تھا وہ سچا ہے۔ [3] اور میں نے اس کے بارے میں اگر کوئی بات کی ہے تو وہ جھوٹ تھی، بالکل جھوٹ تھی"۔ [4]

---

[1] سورہ یوسف آیت 51

[2] سورہ یوسف آیت 51

[3] سورہ یوسف آیت 51

[4] سورہ یوسف آیت 51

زوجہ عزیز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: میں نے یہ صریح اعتراف اس بناء پر کیا ہے "تاکہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کے بارے میں خیانت نہیں کی"۔ [1]

کیونکہ اتنی مدت میں اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات کے بعد میں نے سمجھ لیا ہے "کہ خدا خیانت کرنے والوں کے مکروفریب کو چلنے نہیں دیتا"۔ [2]

درحقیقت [3] اس نے یوسف کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے صریح اعتراف کے لئے دو دلیلیں قائم کیں: پہلی یہ کہ اس کا ضمیر اور احتمالاً یوسفؑ سے اس باقی ماندہ لگاؤ اسے اجازت نہیں دیتا اور اسی لئے محلوں کی پرخواب زندگی کے پردے آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے اور وہ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے لگی کے خصوصاً عشق میں شکست نے اس کے افسانوی غرور پر جو ضرب لگائی اس سے اس کی نگاہ حقیقت اور کھل گئی۔

اس حالت میں تعجب کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کا صریح اعتراف کرے۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا: "میں ہرگز اپنے نفس کی برائت کا اعلان نہیں کرتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ نفس امارہ مجھے برائیوں کا حکم دیتا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے"۔ [4]

اور اس کی حفاظت اور نصرت ومدد کے باعث بچ جاؤں [5] بہرحال اس گناہ پر میں اس سے عفو وبخشش کی امید رکھتی ہوں" کیونکہ میرا پروردگار غفور ورحیم ہے"۔ [6]

[1] سورہ یوسف آیت 52

[2] سورہ یوسف آیت 52

[3] اگرچہ یہ جملہ عزیز مصر کی بیوی کا ہے جیسا کہ ظاہر عبارت کا تقاضا ہے

[4] سورہ یوسف آیت 35

[5] سورہ یوسف آیت 53

[6] سورہ یوسف آیت 53

یوسفؑ، مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے

''بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اسے اپنا مشیر اور نمائندہ خاص بناؤں''۔ [1] اور اپنی مشکلات حل کرنے کے لئے اس کے علم و دانش اور انتظامی صلاحیت سے مدد لوں۔

بادشاہ کا پر جوش پیام لے کر اس کا خاص نمائندہ قید خانے میں یوسفؑ کے پاس پہنچا۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے سلام ودعا پہنچایا اور بتایا کہ اسے آپ سے شدید لگاؤ ہو گیا ہے۔ اس نے مصر کی عورتوں کے بارے میں تحقیق سے متعلق آپ کی درخواست کو عملی جامہ پہنایا ہے اور سب نے کھل کر آپ کی پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی دی ہے لہٰذا اب تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں رہی اٹھئے تا کہ ہم اس کے پاس چلیں حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس تشریف لائے ''ان کی آپس میں بات چیت ہوئی بادشاہ نے ان کی گفتگو سنی اور آپ کی پر مغز اور نہایت اعلیٰ باتیں سنیں اس نے دیکھا کہ آپ کی باتیں انتہائی علم و دانش اور دانائی سے معمور ہیں اور ہمارے نزدیک قابل اعتماد رہیں گی''۔ [2]

آج سے اس ملک کے اہم کام آپ کے سپرد ہیں اور آپ کو امور کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہئے کیونکہ میرے خواب کی جو تعبیر آپ نے بیان کی ہے اس کے مطابق اس ملک کو شدید اقتصادی بحران درپیش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحران پر صرف آپ ہی قابو پا سکتے ہیں۔

- ''حضرت یوسف علیہ السلام نے تجویز پیش کی مجھے اس علاقے کے خزانوں کی ذمہ داری

[1] سورہ یوسف آیت 53

[2] سورہ یوسف آیت 54

سونپ دی جائے کیونکہ میں خواب کے اسرار سے بھی واقف ہوں۔" [1]

حضرت یوسف علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ ظلم سے بھرے اس معاشرے کی پریشانیوں کی ایک اہم بنیاد اس کے اقتصادی مسائل ہیں لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اب جب کہ انہیں مجبوراً آپ کی طرف آنا پڑا ہے تو کیا ہی اچھا ہے کہ مصر کی اقتصادیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور محروم و مستضعف عوام کی مدد کے لئے آگے بڑھیں اور جتنا ہو سکے طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ کو کم کریں مظلوموں کا حق ظالموں سے لیں اور اس وسیع ملک کی بدحالی کو دور کریں۔

آپ کی نظر میں تھا کہ خاص طور پر زرعی مسائل اس ملک میں زیادہ اہم ہیں اس بات پر بھی توجہ رکھنا ہوگی کہ چند سال فراوانی کے ہوں گے اور پھر خشکی کے سال درپیش ہوں گے لہٰذا لوگوں کو زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے اور پھر انہیں احتیاط سے محفوظ رکھنے اور نہایت کم خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا تاکہ قحط سالی کے لئے غلہ ذخیرہ کیا جاسکے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے آپ کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ آپ مصر کے خزانوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کی تجویز پیش کریں۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سال بادشاہ سخت مشکلات میں گھرا ہوا تھا اور کسی طرح ان سے نجات چاہتا تھا لہٰذا اس نے تمام امور کی باگ ڈور حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دی اور خود کنارہ کشی اختیار کرلی۔

بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ اس نے عزیز مصر کی جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا وزیر اعظم بنالیا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ [2] وہ صرف مصر کے خزانہ دار بنے ہوں۔ [3] بہرحال اس مقام پر خدا کہتا ہے: "اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو سرزمین مصر پر قدرت عطا کی کہ وہ جیسے چاہتا تھا اس

---

[1] سورہ یوسف آیت 54

[2] سورہ یوسف آیت 55

[3] سورہ یوسف آیت 55 کے ظاہری مفہوم کے مطابق

میں تصرف کرتا تھا"۔ [1]

جی ہاں: "ہم اپنی رحمت اور مادی و روحانی نعمتیں جسے چاہتے ہیں اور اہل پاتے ہیں عطا کرتے ہیں" [2] اور ہم نیکوں کا اجر ہر گز ضائع نہیں کریں گے"۔ اگر چہ اس میں تاخیر ہو جائے تا ہم آخر کار جو کچھ ان کے لائق ہو انھیں دیں گے۔ "کیونکہ ہم کسی نیک کام کو فراموش نہیں کرتے"۔ [3]

لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف دنیاوی اجر ہی نہیں دیں گے بلکہ "جو اجر انہیں آخرت میں ملے گا وہ اہل ایمان اور صاحبان تقویٰ کے لئے زیادہ اچھا ہے"۔ [4]

سات سال پُر برکت اور سات سال قحط

آخر کار جیسا کہ پیشین گوئی ہوئی تھی سات سال پے در پے بارش ہونے کے سبب اور دریائے نیل کے پانی میں اضافہ کے باعث مصر کی زرعی پیداوار خوب تسلی بخش ہو گئی مصر کا خزانہ اور اقتصادی امور حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر نظر تھے آپ نے حکم دیا کہ غذائی اجناس کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے چھوٹے بڑے گودام بنائے جائیں آپ نے عوام کو حکم دیا کہ پیداوار

---

[1] لیکن سورہ یوسف آیت 100، اور 101، اس امر کی دلیل ہیں کہ آخر کار آپ بادشاہ ہو گے اور تمام امور مملکت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ آ گئی اگر چہ آیت 88۔ میں ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے ان سے کہا: (یا ایھا العزیز).

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے عزیز مصر کا منصب سنبھالا مگر اس میں کوئی مانع نہیں کہ آپ نے یہ منصب تدریجا حاصل کئے ہوں پہلے وزیر خزانہ ہوئے ہوں، پھر وزیر اعظم اور پھر بادشاہ۔

[2] سورہ یوسف آیت 56

[3] سورہ یوسف آیت 56

[4] سورہ یوسف آیت 57

سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لیں اور باقی حکومت کو بیچ دیں اس طرح گودام غلے سے بھر گئے۔

نعمت و برکت کی فراوانی کے یہ سات سال گزر گئے اور خشک سالی کا منحوس دور شروع ہوا یوں لگتا تھا جیسے آسمان زمین کے لئے بخیل ہو گیا ہے کھیتیاں اور نخلستان خشک ہو گئے عوام کو غلے کی کمی کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ جانتے تھے کہ حکومت نے غلے کے ذخائر جمع کر رکھے ہیں لہٰذا وہ اپنی مشکلات حکومت ہی کے ذریعے دور کرتے تھے حضرت یوسفؑ بھی پوری منصوبہ بندی اور پروگرام کے تحت غلہ فروخت کرتے تھے اور عادلانہ طور پر ان کی ضرورت پوری کرتے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے لوگوں میں طبقاتی تفاوت اور لوٹ گھسوٹ کو ختم کرنے کے لئے قحط کے سالوں سے استفادہ کیا، آپ نے زیادہ پیداوار کے عرصے میں لوگوں سے غذائی مواد خرید لیا اور اس کے لئے تیار کئے گئے بڑے بڑے گوداموں میں اسے ذخیرہ کر لیا، جب یہ سال گزر گئے اور قحط کے سال شروع ہوئے تو پہلے سال اجناس کو درہم و دینار کے بدلے بیچا، اس طرح کرنسی کا ایک بڑا حصہ جمع کر لیا، دوسرے سال اسباب زینت اور جواہرات کے بدلے اجناس کو بیچا، البتہ جن کے پاس یہ چیزیں نہ تھیں انہیں مستثنیٰ رکھا تیسرے برس چوپایوں کے بدلے، چوتھے برس غلاموں اور کنیزوں کے عوض، پانچویں برس عمارت کے بدلے، چھٹے برس زرعی زمینوں اور پانی کے عوض اور ساتویں سال خود مصر کے لوگوں کے بدلے اجناس دیں، پھر یہ سب چیزیں انہیں (عادلانہ طور پر) واپس کر دیں اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ عوام کو بلا و مصیبت اور بے سروسامانی سے نجات دلاؤں۔

برادران یوسف مصر پہونچے

یہ خشک سالی صرف مصر ہی میں نہ تھی، بلکہ اطراف کے ملکوں کا بھی یہی حال تھا فلسطین

اور کنعان مصر کے شمال مشرق میں تھے وہاں کے لوگ بھی انہی مشکلات سے دوچار تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان بھی اسی علاقے میں سکونت پذیر تھا وہ بھی غلہ کی کمی سے دوچار ہو گیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان حالات میں مصمم ارادہ کیا کہ بنیامین کے علاوہ باقی بیٹوں کو مصر کی طرف بھیجیں یوسف کی جگہ اب بنیامین ہی ان کے پاس تھا بہرحال وہ لوگ مصر کی طرف جانے والے قافلے کے ہمراہ ہو لئے اور بعض مفسرین کے بقول اٹھارہ دن کی مسافت کے بعد مصر پہنچے۔

جیسا کہ تواریخ میں ہے، ضروری تھا کہ ملک کے باہر سے آنے والے افراد مصر میں داخل ہوتے وقت اپنی شناخت کروائیں تاکہ مامورین حضرت یوسف علیہ السلام کو مطلع کریں جب مامورین نے فلسطین کے قافلے کی خبر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ غلے کی درخواست کرنے والوں میں ان کے بھائیوں کے نام بھی ہیں آپ انہیں پہچان گئے اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ آپ کے بھائی ہیں، آپ نے حکم دیا کہ انہیں حاضر کیا جائے اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''یوسفؑ کے بھائی آئے اور ان کے پاس پہنچے یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا لیکن انہوں نے یوسفؑ کو نہیں پہچانا''۔ [1]

وہ یوسفؑ کو نہ پہچاننے میں حق بجانب تھے کیونکہ ایک طرف تو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا (اس دن سے لے کر جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا ان کے مصر میں آنے تک) اور دوسری طرف وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا بھائی عزیز مصر ہو گیا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنے بھائی سے مشابہ بھی پاتے تو اسے ایک اتفاق ہی سمجھتے ان تمام امور سے قطع نظر حضرت یوسفؑ کے لباس کا انداز بھی بالکل بدل چکا تھا انہیں مصریوں کے نئے لباس میں پہچاننا کوئی آسان نہیں تھا بلکہ یوسفؑ کے ساتھ جو کچھ ہو گزرا تھا اس کے بعد ان کی زندگی کا احتمال بھی ان کے لئے بہت بعید تھا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 58

بہر حال انہوں نے اپنی ضرورت کا غلہ خرید ااور اس کی قیمت نقدی کی صورت میں اور یا موزے، جوتے یا کچھ اور اجناس کی صورت میں ادا کی کہ جو وہ کنعان سے مصر لائے تھے۔

جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے ایک پیشکش کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے بہت محبت کا برتاؤ کیا اور ان سے بات چیت کرنے لگے بھائیوں نے کہا: ہم دس بھائی ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں ہمارے والد خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیم خلیل کے پوتے ہیں اگر آپ ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ہمارا بہت احترام کرتے ہمارا بوڑھا باپ انبیاء الٰہی میں سے ہے لیکن ایک نہایت گہرے غم نے اس کے پورے وجود کو گھیر رکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا: یہ غم کس بناء پر ہے۔ انہوں نے کہا: ان کا ایک بیٹا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے، عمر میں وہ ہم سے بہت چھوٹا تھا ایک دن وہ ہمارے ساتھ شکار اور تفریح کے لئے صحرا میں گیا ہم اس سے غافل ہو گئے تو ایک بھیڑیا اسے چیر پھاڑ گیا اس دن سے لے کر آج تک باپ اس کے لئے گریاں اور غمگین ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عادت تھی کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں بیچتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ بھائی چونکہ دس تھے لہٰذا انہیں غلے کے دس بار دیئے گئے۔

انہوں نے کہا: ہمارا بوڑھا باپ ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے جو وطن میں رہ گیا ہے باپ غم و اندوہ کی شدت کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتا اور چھوٹا بھائی خدمت کے لئے اور مانوسیت کی وجہ سے اس کے پاس رہ گیا ہے لہٰذا ان دونوں کا حصہ بھی ہمیں دے دیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو اونٹوں کے بار کا اضافہ کیا جائے پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہوش مند اور مودب افراد ہو

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ تمہارے باپ کو تمہارے سب سے چھوٹے بھائی سے لگاؤ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی اور عام بچوں سے ہٹ کر ہے میری خواہش ہے کہ تمہارے آئندہ سفر میں میں اسے ضرور دیکھوں اس کے علاوہ یہاں کے لوگوں کو تمہارے بارے میں کئی بدگمانیاں ہیں کیونکہ تم ایک دوسرے ملک سے تعلق رکھتے ہو لہٰذا بدگمانی کی اس فضاء کو دور کرنے کے لئے آئندہ سفر میں چھوٹے بھائی کو نشانی کے طور پر ساتھ لے آنا۔

یہاں قرآن کہتا ہے:

''جب یوسفؑ نے ان کے بار تیار کئے تو ان سے کہا: تمہارا بھائی جو باپ کی طرف سے ہے اسے میرے پاس لے آؤ''۔ [1]

اس کے بعد مزید کہا:

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ کا حق ادا کرتا ہوں اور بہترین میزبان ہوں''۔ [2]

اس تشویق اور اظہار محبت کے بعد انہیں یوں تہدید بھی کی: ''اگر اس بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے پاس سے غلہ ملے گا اور نہ تم خود میرے پاس پھٹکنا۔'' [3]

حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو بنیامین کو اپنے پاس بلائیں اس کے لئے کبھی وہ لطف و محبت کا طریقہ اختیار کرتے اور کبھی تہدید کا۔

ان تعبیرات سے ضمنی طور پر واضح ہوتا ہے کہ مصر میں غلات کی خرید و فروخت تول کر نہیں ہوتی تھی بلکہ پیمانے سے ہوتی تھی۔

نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں اور دوسرے مہمانوں کی بہت اچھے طریقے سے پذیرائی کرتے تھے اور ہر حوالے سے مہمان نواز تھے۔

[1] سورہ یوسف آیت 59

[2] سورہ یوسف آیت 59

[3] سورہ یوسف آیت 60

بھائیوں نے ان کے جواب میں کہا: ''ہم اس کے باپ سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ وہ رضامند ہو جائیں اور ہم یہ کام ضرور کریں گے''۔ [1]

اس موقع پر ان کی ہمدردی اور توجہ کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ''حضرت یوسفؑ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ان کی نظر بچا کر وہ اموال ان کے غلے میں رکھ دیں جو انہوں نے غلہ اس کے بدلے میں دیئے ہیں تاکہ جب وہ واپس اپنے خاندان میں جا کر اپنا سامان کھولیں تو انہیں پہچان لیں اور دوبارہ مصر کی طرف لوٹ آئیں''۔ [2]

آخر کار باپ راضی ہو گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مالا مال ہو کر خوشی خوشی کنعان واپس آئے لیکن آئندہ کی فکر تھی کہ اگر باپ چھوٹے بھائی (بنیامین) کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے تو عزیز مصر ان کی پذیرائی نہیں کرے گا اور انہیں غلے کا حصہ نہیں دے گا۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے: ''جب وہ باپ کے

---

[1] سورہ یوسف آیت 61

[2] سورہ یوسف آیت 62

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا: مندرجہ بالا واقعہ کے مطالعہ سے جو پہلا سوال سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا کہ وہ جلد از جلد آپ کو پہچان لیتے اور باپ کے پاس واپس جا کر انہیں آپ کی جدائی کے جانکاہ غم سے نکالتے؟

یہ سوال زیادہ وسیع حوالے سے بھی سامنے آسکتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت یوسف کے بھائی آپ کے پاس آئے اس وقت آپ کی زندان سے رہائی کو کوئی آٹھ سال گزر چکے تھے کیونکہ گزشتہ سات سال فراوان نعمتوں پر مشتمل گزر چکے تھے جن کے دوران آپ قحط سالی کے عرصہ کے لئے اناج ذخیرہ کرنے میں مشغول رہے آٹھویں سال قحط کا دور شروع ہوا اس سال یا اس کے بعد آپ کے بھائی غلہ لینے کے لئے مصر آئے، کیا چاہئے نہ تھا کہ ان آٹھ سالوں میں آپ کوئی قاصد کنعان کی طرف بھیجتے اور اپنے والد کو اپنے حالات سے آگاہ کرتے اور انہیں شدید غم سے نجات دلاتے؟

پاس لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا: ابا جان حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ ہمیں غلے کا حصہ نہ دیا جائے اور پیمانہ ہم سے روک دیا جائے"۔

"اب جب یہ صورت درپیش ہے تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہم پیمانہ حاصل کر سکیں، اور آپ مطمئن رہیں ہم اس کی حفاظت کریں گے"۔ [1]

باپ کہ جو یوسفؑ کو ہرگز نہیں بھولتا تھا یہ بات سن کر پریشان ہو گیا، ان کی طرف رخ کر کے اس نے کہا: "کیا میں تم پر اس بھائی کے بارے میں بھروسہ کرلوں جب کہ اس کے بھائی یوسفؑ کے بارے میں گزشتہ زمانے میں تم پر بھروسہ کیا تھا" [2]

بہت سے مفسرین نے مثلاً طبرسی نے مجمع البیان میں، علامہ طباطبائی نے المیزان میں اور قرطبی نے الجامع الاحکام القرآن میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس سلسلے میں کئی جوابات پیش کئے ہیں ان میں سے زیادہ بہتر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہ تھی کیونکہ فراق یوسفؑ دیگر پہلوؤں کے علاوہ یعقوبؑ کے لئے بھی ایک امتحان بھی تھا، اور ضروری تھا کہ آزمائش کا یہ دور فرمان الٰہی سے ختم ہوتا، اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام خبر دینے کے مجاز نہ تھے۔

اس کے علاوہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام فوراً ہی اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کروا دیتے تو ممکن تھا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ اس سے ایسے وحشت زدہ ہوتے کہ پھر لوٹ کر آپ کے پاس نہ آتے کیونکہ انہیں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ممکن ہے یوسفؑ ان کے گزشتہ رویہ کا انتقام لیں یعنی جب تمہارا ایسا برا ماضی ہے جو بھولنے کے قابل نہیں تو تم کس طرح توقع رکھتے ہو کہ دوبارہ تمہاری فرمائش مان لوں اور اپنے فرزند دلبند کو تمہارے سپرد کر دوں اور وہ بھی ایک دور دراز سفر اور پرائے دیس کے لئے، اس کے بعد اس نے مزید کہا: "ہر حالت میں

[1] سورہ یوسف آیت 63

[2] سورہ یوسف آیت 64

خدا بہترین محافظ اور ارحم الراحمین ہے"۔ [1]

"پھر ان بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ تمام چیزیں جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دی تھیں سب انہیں لوٹا دی گئی ہیں اور وہ ان کے سامان میں موجود ہیں"۔ [2] جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ان کی گفتگو پر سند قاطع ہے تو باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ابا جان ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے، دیکھیے انہوں نے ہمارا تمام مال و متاع ہمیں واپس کر دیا ہے"۔ [3] کیا اس سے بڑھ کر کوئی عزت واحترام اور مہربانی ہو سکتی ہے کہ ایک غیر ملک کا سربراہ ایسے قحط اور خشک سالی میں ہمیں اناج بھی دے اور اس کی قیمت بھی واپس کر دے، وہ بھی ایسے کہ ہم سمجھ ہی نہ پائیں اور شرمندہ نہ ہوں؟ اس سے بڑھ کر ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟

ابا جان اب کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم اپنے گھر والوں کے لئے اناج لے آئیں گے، اور اپنے بھائی کی حفاظت کی کوشش کریں گے۔ نیز اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار بھی زیادہ لائیں گے۔ اور عزیز مصر جیسے محترم، مہربان اور سخی شخص کے لئے کہ جسے ہم نے دیکھا ہے "ایک آسان اور معمولی کام ہے"۔ [4]

ان تمام امور کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لئے راضی نہ تھے لیکن دوسری طرف ان کا اصرار تھا جو واضح منطق کی بنیاد پر تھا یہ صورت حال انہیں آمادہ کرتی تھی کہ وہ ان کی تجویز قبول کرلیں آخرکار انہوں نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ مشروط طور پر بیٹے کو بھیج دیا جائے لہٰذا آپ نے ان سے اس طرح سے کہا: "میں اسے ہر

---

[1] سورہ یوسف آیت 64

[2] سورہ یوسف آیت 65

[3] سورہ یوسف آیت 65

[4] سورہ یوسف آیت 65

گز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، جب تک کہ تم ایک خدائی پیمان نہ دو اور کوئی ایسا کام نہ کرو کہ جس سے مجھے اعتماد پیدا ہو جائے کہ تم اسے واپس لے کر آؤ گے مگر یہ موت یا دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ امر تمہارے بس میں نہ رہے''۔ [1]

''وثیقہ الٰہی'' سے مراد وہی قسم ہے جو خدا کے نام کے ساتھ ہے۔

بہر حال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے باپ کی شرط قبول کر لی، اور جب انھوں نے اپنے باپ سے عہد و پیمان باندھا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: خدا شاہد، ناظر اور محافظ ہے اس بات پر کہ جو ہم کہتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کیسے راضی ہو گئے

مندرجہ بالا واقعہ کے سلسلے میں جو پہلا سوال ذہن میں آتا ہے یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ بنیامین کو ان کے سپرد کرنے پر کیسے آمادہ ہو گئے جب کہ ان کے بھائی، یوسف علیہ السلام کے بارے میں سلوک کی وجہ سے پہلے برے کردار کے شمار ہوتے تھے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ صرف یوسف کے بارے میں اپنے دل میں کینہ و حسد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ یہی احساسات اگرچہ نسبتاً خفیف ہی سہی بنیامین کے لئے بھی رکھتے تھے جیسا کہ شروع داستان میں پڑھا۔ ''انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہے جب کہ ہم زیادہ طاقتور ہیں''۔

اس نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف والے حادثے کو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا اور حضرت یوسفؑ کے جوان بھائی بڑھاپے کو پہنچ گئے تھے اور فطرتاً ان کا ذہن پہلے زمانے کی نسبت پختہ ہو چکا تھا اس کے علاوہ گھر

[1] سورہ یوسف آیت 66

کے ماحول پر اور اپنے مضطرب وجدان پر اپنے برے ارادے کے اثرات وہ اچھی طرح سے محسوس کرتے تھے اور تجربے نے ان پر ثابت کر دیا کہ یوسف کے فقدان سے نہ صرف یہ کہ ان کے لئے باپ کی محبت میں اضافہ نہ ہوا بلکہ مزید بے مہری اور بے التفاتی پیدا ہو گئی۔ ان سب باتوں سے قطع نظر یہ تو ایک زندگی کا مسئلہ ہے، قحط سالی میں ایک گھرانے کے لئے اناج مہیا کرنا ایک بہت بڑی چیز تھی اور یہ سیر و تفریح کا معاملہ نہ تھا جیسا کہ انہوں نے ماضی میں حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمائش کی تھی۔ ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بات مان لی، لیکن اس شرط کے ساتھ وہ کہ آپ سے عہد و پیمان باندھیں کہ وہ اپنے بھائی بنیامین کو صحیح و سالم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے۔

ایک دروازے سے داخل نہ ہونا

آخر کار حضرت یوسفؑ کے بھائی باپ کی رضامندی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر دوسری مرتبہ مصر جانے کو تیار ہوئے تو اس موقع پر باپ نے انہیں نصیحت کی "اس نے کہا: میرے بیٹو تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔" [1]

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں دوسرے شہروں کی طرح مصر کے دارالخلافہ کے گرداگرد بھی فصیل تھی اس کے بھی برج و بار تھے اور اس کے متعدد دروازے تھے۔

رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں نصیحت کی کہ ان کے بیٹے ایک دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوں، اس کی وجہ قرآن میں مذکور نہیں ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی ایک تو بہت حسین و جمیل تھے (اگرچہ وہ یوسفؑ نہ تھے مگر یوسفؑ کے بھائی تو تھے) ان کا قد و قامت بہت اچھا تھا۔

[1] سورہ یوسف آیت 67

لہٰذا ان کے باپ پریشان تھے کہ گیارہ افراد اکٹھے جن کے چہرے مہرے سے معلوم ہو کہ وہ مصر کے علاوہ کسی اور ملک سے آئے ہیں، لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح انہیں نظر بد لگ جائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حکم کے بارے میں جو دوسری علت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جب اونچے لمبے چوڑے چکلے مضبوط جسموں والے اکٹھے چلیں تو حاسدوں کو انہیں دیکھ کر حسد پیدا ہو اور وہ ان کے بارے میں حکومت سے کوئی شکایت کرنے لگیں اور ان کے متعلق یہ بدگمانی کریں کہ وہ فتنہ وفساد کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے باپ نے انہیں حکم دیا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں تا کہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

بعض مفسرین نے اس کی ایک عرفانی تفسیر بھی کی ہے وہ یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام راہنمائے راہ کے حوالے سے اپنے بیٹوں کو ایک باہم معاشرتی مسئلہ سمجھانا چاہتے تھے اور وہ یہ کہ کھوئی ہوئی چیز کو صرف ایک ہی راستے سے تلاش نہ کریں بلکہ ہر دروازے سے داخل ہو کر اسے ڈھونڈیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک مقصد تک پہنچنے کے لئے صرف ایک ہی راہ کا انتخاب کرتا ہے اور جب آگے راستہ بند پاتا ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے لیکن اگر وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو کہ گمشدہ افراد اور چیزیں عموماً ایک ہی راستے پر جانے سے نہیں ملتیں بلکہ مختلف راستوں سے ان کی جستجو کرنا چاہیے تو عام طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔

برادران یوسفؑ روانہ ہوئے اور کنعان و مصر کے درمیان طویل مسافت طے کرنے کے بعد سرزمین مصر میں داخل ہوگئے۔

بھائی کو روکنے کی کوشش

آخر کار بھائی، یوسفؑ کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی

ہے اور باوجود اس کے ہمارے والد پہلے چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھے لیکن ہم نے اصرار کر کے اسے راضی کیا ہے تاکہ آپ جان لیں کہ ہم نے قول و قرار پورا کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بڑی عزت واحترام سے ان کی پذیرائی کی، انہیں مہمان بلایا اور حکم دیا کہ دستر خوان یا طبق کے پاس دو دو افراد آئیں، انہوں نے ایسا ہی کیا اس موقع پر بنیامین جو تنہا رہ گیا تھا رونے لگا اور کہنے لگا کہ میرا بھائی یوسفؑ زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ ایک دستر خوان پر بٹھاتا کیونکہ ہم پدری بھائی تھے۔ پھر حکم دیا کہ دو دو افراد کے لئے ایک ایک کمرہ سونے کے لئے تیار کیا جائے بنیامین پھر اکیلا رہ گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دو اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے یہاں جگہ دی لیکن دیکھا کہ وہ بہت دکھی اور پریشان ہے اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے بھائی یوسف علیہ السلام کی یاد میں رہتا ہے کہ ایسے میں یوسفؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور آپ نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے یہاں جگہ دی اور کہا کہ میں وہی تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں، غمگین نہ ہو اور اپنے دل کو دکھی نہ کر اور ان کے کسی کام سے پریشان نہ ہو''۔ [1]

بھائیوں کے کام کہ جو بنیامین کو دکھی اور پریشان کرتے تھے ان سے مراد ان کی وہ نامہربانیاں اور بے التفاتیاں تھیں جو وہ اس کے اور یوسفؑ کے لئے روا رکھتے تھے اور وہ سازشیں کہ جو اسے گھر والوں سے دور کرنے کے لئے انجام دیتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کی کارستانیوں سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ وہ میری ترقی اور بلندی کا ذریعہ بن گئیں لہٰذا اب تم بھی اس بارے میں اپنے دل کو دکھی نہ کرو۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 69

اے اہل قافلہ تم چور ہو

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین سے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میرے پاس رہ جاؤ، اس نے کہا: ہاں میں تو راضی ہوں لیکن بھائی ہرگز راضی نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے باپ سے قول وقرار کیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تم فکر نہ کرو میں ایک منصوبہ بناتا ہوں جس سے وہ مجبور ہو جائیں گے کہ تمہیں میرے پاس چھوڑ جائیں۔ "غلات کے بار تیار ہو گئے تو حکم دیا کہ مخصوص قیمتی پیمانہ بھائی کے بار میں رکھ دیں"۔ [1] (کیونکہ ہر شخص کے لئے غلے کا ایک بار دیا جاتا تھا۔
البتہ یہ کام مخفی طور پر انجام پایا اور شاید اس کا علم مامورین میں سے فقط ایک شخص کو تھا۔
جب اناج کو پیمانے سے دینے والوں نے دیکھا کہ مخصوص قیمتی پیمانے کا کہیں نام ونشان نہیں ہے حالانکہ پہلے وہ ان کے پاس موجود تھا لہذا جب قافلہ چلنے لگا" تو کسی نے پکار کر کہا: اے قافلے والو: تم چور ہو"۔ [2]

یوسفؑ کے بھائیوں نے جب یہ جملہ سنا تو سخت پریشان ہوئے اور وحشت زدہ ہو گئے کیونکہ ان کے ذہن میں تو اس کا خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ اس احترام واکرام کے بعد ان پر چوری کا الزام لگایا جائے گا لہذا انہوں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: "تمہاری کونسی چیز چوری ہو گئی ہے"۔ [3]

---

[1] سورہ یوسف آیت 70

[2] سورہ یوسف آیت 70

[3] سورہ یوسف آیت 71

"انہوں نے کہا ہم سے بادشاہ کا پیمانہ گم ہو گیا ہے اور ہمیں تمہارے بارے میں بد گمانی ہے"۔ [1]

پیمانہ چونکہ گراں قیمت ہے اور بادشاہ کو پسند ہے لہٰذا "وہ جس شخص کو ملے اور وہ اسے لے آئے تو اسے ایک اونٹ کا بار بطور انعام دیا جائے گا"۔ [2]

پھر بات کہنے والے نے مزید تاکید کے لئے کہا: "اور میں ذاتی طور پر اس انعام کا ضامن ہوں"۔ [3]

بھائی یہ بات سن کر سخت پریشان ہوئے اور حواس باختہ ہو گئے، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ کیا ہے، ان کی طرف رخ کر کے انھوں نے کہا:

"انھوں نے کہا: خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ فتنہ و فساد کریں اور ہم کبھی بھی چور نہیں تھے"۔ [4]

یہ سن کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور "کہا: لیکن اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی سزا کیا ہو گی؟" [5]

انہوں نے جواب میں کہا: "اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے بار میں سے بادشاہ کا پیمانہ مل جائے اسے روک لو اور اسے اس کے بدلے میں لے لو"۔ [6]

"جی ہاں: ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔" [7]

---

[1] سورہ یوسف آیت 72

[2] سورہ یوسف آیت 72

[3] سورہ یوسف آیت 72

[4] سورہ یوسف آیت 73

[5] سورہ یوسف آیت 74

[6] سورہ یوسف آیت 75

[7] سورہ یوسف آیت 75

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے غلات کے بار کھولے جائیں اور ایک ایک کی جانچ پڑتال کی جائے البتہ اس بناء پر کہ ان کے اصلی منصوبے کا کسی کو پتہ نہ چلے: "اپنے بھائی بنیامین کے بارے پہلے دوسروں کے سامان کی پڑتال کی اور پھر وہ مخصوص پیمانہ اپنے بھائی کے بارسے برآمد کرلیا"[1]

اے بنیامین تم نے ہمیں ذلیل کردیا

پیمانہ برآمد ہوا تو تعجب سے بھائیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے گویا غم واندوہ کا پہاڑ ان کے سروں پر آگرا اور انہیں یوں لگا جیسے وہ ایک عجیب مقام پر پھنس گئے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کے راستے بند ہوگئے ہیں ایک طرف ان کا بھائی ظاہرا ایسی چوری کا مرتکب ہوا جس سے ان کے سرندامت سے جھک گئے اور دوسری طرف ظاہرا عزیز مصر کی نظروں میں ان کی عزت وحیثیت خطرے میں جا پڑی کہ اب آئندہ کے لئے اس کی حمایت حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ان تمام باتوں سے قطع نظر انہوں نے سوچا کہ باپ کو کیا جواب دیں گے اور وہ کیسے یقین کرے گا کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر بھائیوں نے بنیامین کی طرف رخ کر کے کہا: اے بے خبر: تو نے ہمیں رسوا کردیا ہے اور ہمارا منہ کالا کردیا ہے تو نے یہ کیسا غلط کام انجام دیا ہے؟ (نہ تو نے اپنے آپ پر رحم کیا، نہ ہم پر اور نہ خاندان یعقوب علیہ السلام پر کہ جو خاندان نبوت ہے) آخر ہمیں بتا تو سہی کہ تو نے کس وقت پیمانہ اٹھایا اور اپنے بار میں رکھ لیا؟

بنیامین نے جو معاملے کی اصل اور قضیے کے باطن کو جانتا تھا ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ یہ کام اسی شخص نے کیا ہے جس نے تمہاری دی ہوئی قیمت تمہارے بار میں رکھ دی تھی لیکن

---

[1] سورہ یوسف آیت 76

بھائیوں کو اس حادثے نے اس قدر پریشان کر رکھا تھا کہ انہیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

پھر قرآن مزید کہتا ہے: "ہم نے اس طرح یوسفؑ کے لئے ایک تدبیر کی"۔ [1] (تا کہ وہ اپنے بھائی کو دوسرے بھائیوں کی مخالفت کے بغیر روک سکیں) [2] اسی بناء پر قرآن کہتا ہے: "یوسفؑ ملک مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے اور اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین پر چوری کا الزام لگانا

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

1۔ بے گناہ پر چوری کا الزام کیونکر لگایا؟

کیا جائز تھا کہ ایک بے گناہ شخص پر چوری کا اتہام لگایا جائے، ایسا اتہام کہ جس کے بُرے آثار نے باقی بھائیوں کو بھی کسی حد تک اپنی لپیٹ میں لے لیا؟

اس سوال کا جواب بھی خود واقعے میں موجود ہے اور وہ یہ کہ یہ معاملہ خود بنیامین کی رضا مندی سے انجام پایا تھا، کیونکہ حضرت یوسف نے پہلے اپنے آپ کو اس سے متعارف کروایا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ منصوبہ خود اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے، نیز اس سے بھائیوں پر بھی کوئی تہمت نہیں لگی البتہ انہیں اضطراب و پریشانی ضرور ہوئی جس میں کہ ایک اہم امتحان کی وجہ سے کوئی ہرج نہ تھا۔

2۔ چوری کی نسبت سب کی طرف کیوں دی گئی؟

کیا (انکم سارقون) "یعنی تم چور ہو" کہہ کر سب کی طرف چوری کی نسبت دینا

---

[1] سورہ یوسف آیت 76

[2] سورہ یوسف آیت 76

جھوٹ نہ تھا اور اس جھوٹ اور تہمت کا کیا جواز تھا؟

ذیل کے تجزیے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا:

اولاً یہ معلوم نہیں کہ یہ بات کہنے والے کون لوگ تھے قرآن میں صرف اس قدر ہے "قالوا" یعنی انہوں نے کہا، ہو سکتا ہے یہ بات کہنے والے حضرت یوسف کے کچھ کارندے ہوں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مخصوص پیمانہ نہیں ہے یقین کر لیا کہ کنعان کے قافلے میں سے کسی شخص نے اسے چرا لیا ہے اور یہ معمول ہے کہ اگر کوئی چیز ایسے افراد میں چوری ہو جائے کہ جو ایک ہی گروہ کی صورت میں متشکل ہو اور اصل چور پہچانا نہ جائے تو سب کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیا ہے یعنی تم میں سے ایک نے یا تم میں سے بعض نے ایسا کیا ہے۔

ثانیاً اس بات کا اصلی نشانہ بنیامین تھا جو کہ اس نسبت پر راضی تھا کیونکہ اس منصوبے میں ظاہراً تو اس پر چوری کی تہمت لگی تھی لیکن درحقیقت وہ اس کے اپنے بھائی یوسف کے پاس رہنے کے لئے مقدمہ تھی اور یہ جو سب پر الزام آیا یہ ایک بالکل عارضی سی بات تھی جو صرف برادران یوسفؑ کے سامان کی تلاشی پر ختم ہو گیا اور جو درحقیقت مراد تھا یعنی "بنیامین" وہ پہچان لیا گیا۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں اور کنعان کے باشندوں میں چوری کی سزا مختلف تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور احتمالاً اہل کنعان میں اس عمل کی سزا یہ تھی کہ چور کو اس چوری کے بدلے میں (ہمیشہ کے لیے یا وقتی طور پر) غلام بنا لیا جاتا۔ لیکن مصریوں میں یہ سزا رائج نہ تھی بلکہ چوروں کو دوسرے ذرائع سے مثلاً مار پیٹ سے اور قید و بند وغیرہ سے سزا دیتے تھے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ اس زمانے میں ایک گروہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ چور کو ایک سال کے لیے غلام بنا لیتے تھے۔ نیز یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ خاندان یعقوب علیہ السلام میں چوری کی مقدار کے برابر غلامی کی مدت معین کی جاتی تھی (تاکہ وہ اسی کے

مطابق کام کرے)۔

یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی

آخر کار بھائیوں نے یقین کرلیا کہ ان کے بھائی بنیامین نے ایسی قبیح اور منحوس چوری کی ہے اور اس طرح اس نے عزیز مصر کی نظروں میں ان کا سابقہ ریکارڈ سارا خراب کردیا ہے لہذا اپنے آپ کو بری الذمہ کرنے کے لیے انہوں نے کہا: "اگر اس لڑکے نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کا بھائی یوسفؑ بھی پہلے ایسے کام کا مرتکب ہو چکا ہے"۔ [1] اور یہ دونوں ایک ہی ماں اور باپ سے ہیں اور ہم جو دوسری ماں سے ہیں ہمارا حساب کتاب ان سے الگ ہے۔

اس طرح سے انہوں نے اپنے اور بنیامین کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنا چاہی اور اس کا تعلق یوسفؑ سے جوڑ دیا۔

یہ بات سن کر یوسفؑ بہت دکھی اور پریشان ہوئے اور "اسے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اظہار نہ کیا"۔ [2]

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات کہہ کر انہوں نے ایک بہت بڑا بہتان باندھا ہے لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بس اجمالی طور پر اتنا کہا کہ "جس کی طرف تم یہ نسبت دیتے ہو تم اس سے بدتر ہو یا میرے نزدیک مقام و منزلت کے لحاظ سے تم بدترین لوگ ہو۔" [3]

اس کے بعد مزید کہا: "جو کچھ تم کہتے ہو خدا اس کے بارے میں زیادہ جاننے والا

---

[1] سورہ یوسف آیت 77

[2] سورہ یوسف آیت 77

[3] سورہ یوسف آیت 77

ہے"۔ [1]

یہ ٹھیک ہے کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے ان بحرانی لمحوں میں اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے اپنے بھائی یوسفؑ پر ایک ناروا تہمت باندھی تھی۔

لیکن پھر بھی اس کام کے لئے کوئی بہانہ اور سند ہونا چاہیے جس کی بناء پر وہ یوسفؑ کی طرف ایسی نسبت دیں۔

اس سلسلے میں مفسرین کاوش وزحمت میں پڑے ہیں اور گذشتہ لوگوں کی تواریخ سے انہوں نے تین روایات نقل کی ہیں۔

پہلی یہ کہ یوسفؑ اپنی ماں کی وفات کے بعد اپنی پھوپھی کے پاس رہا کرتے تھے اور انہیں یوسفؑ سے بہت زیادہ پیار تھا جب آپ بڑے ہوگئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں ان کی پھوپھی سے واپس لینا چاہا تو ان کی پھوپھی نے ایک منصوبہ بنایا اور وہ یہ کہ کمر بند یا ایک خاص شال جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی جانب سے ان کے خاندان میں بطور یادگار چلی آرہی تھی یوسفؑ کی کمر سے باندھ دی اور دعویٰ کیا کہ یوسفؑ اسے چھپا کے لے جانا چاہتا تھا ایسا انہوں نے اس لئے کیا تا کہ اس کمر بند یا شال کے بدلے یوسفؑ کو اپنے پاس رکھ لیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مادری رشتہ داروں میں سے ایک کے پاس ایک بت تھا جسے یوسفؑ نے اٹھا کر توڑ دیا اور اسے سڑک پر لا پھینکا لہٰذا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا دیا حالانکہ اسؑ میں تو کوئی گناہ نہیں تھا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ کبھی کبھار وہ دستر خوان سے کچھ کھانا لے کر مسکینوں اور حاجت مندوں کو دے دیتے تھے لہٰذا بہانہ تراش بھائیوں نے اسے بھی چوری کا الزام دینے کے لئے سند بنا لیا حالانکہ ان میں سے کوئی چیز گناہ کے زمرے میں نہیں تھی۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 77

اگر ایک شخص کسی کو کوئی لباس پہنا دے اور پہننے والا نہ جانتا ہو کہ یہ کسی دوسرے کا مال ہے تو کیا اسے چوری کا الزام دینا صحیح ہے۔ اسی طرح کیا کسی بت کو اٹھا کر پھینک دینا گناہ ہے۔ نیز انسان کوئی چیز اپنے باپ کے دستر خوان سے اٹھا کر مسکینوں کو دے دے جب کہ اسے یقین ہو کہ اس کا باپ اس پر راضی ہے تو کیا اسے گناہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

برادران یوسفؑ کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی

بھائیوں نے دیکھا کہ ان کے چھوٹے بھائی بنیامین کو اس قانون کے مطابق عزیز مصر کے پاس رہنا پڑے گا جسے وہ خود قبول کر چکے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے باپ سے پیمان باندھا تھا کہ بنیامین کی حفاظت اور اسے واپس لانے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں گے ایسے میں انہوں نے یوسفؑ کی طرف رخ کیا جسے ابھی تک انہوں نے پہچانا نہیں تھا اور کہا: "اے عزیز مصر: اے بزرگور صاحب اقتدار: اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اور وہ اس کی جدائی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہم نے آپ کے اصرار پر اسے باپ سے جدا کیا اور باپ نے ہم سے تاکیدی وعدہ لیا کہ ہم ہر قیمت پر اسے واپس لائیں گے اب ہم پر احسان کیجئے اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے، کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ نیکو کاروں میں سے ہیں"۔ [1]

اور یہ پہلا موقع نہیں کہ آپ نے ہم پر لطف و کرم اور مہر و محبت کی ہے، مہربانی کر کے اپنی کرم نوازیوں کی تکمیل کیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تجویز کی شدت سے نفی کی" اور کہا: پناہ بخدا: یہ کیسے ہو سکتا

---

[1] سورہ یوسف آیت 78

ہے کہ جس کے پاس سے ہمارا مال و متاع برآمد ہوا ہے ہم اس کے علاوہ کسی شخص کو رکھ لیں'' [1] تم نے سنا ہے کہ ایک منصف مزاج شخص نے کسی بے گناہ کو دوسرے کے جرم میں سزا دی ہو۔ ''اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے''۔ [2] یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی اس گفتگو میں بھائی کی طرف چوری کی کوئی نسبت نہیں دی بلکہ کہتے ہیں کہ ''جس شخص کے پاس سے ہمیں ہمارا مال و متاع ملا ہے'' اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے متوجہ تھے کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہ کریں۔

بھائی سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے

بھائیوں نے بنیامین کی رہائی کے لئے اپنی آخری کوشش کر ڈالی لیکن انہوں نے اپنے سامنے راستے بند پائے ایک طرف تو اس کام کو کچھ اس طرح سے انجام دیا گیا تھا کہ ظاہراً بھائی کی برائت ممکن نہ تھی اور دوسری طرف عزیز مصر نے اس کی جگہ کسی اور فرد کو رکھنے کی تجویز قبول نہ کی لہٰذا وہ مایوس ہو گئے یوں انہوں نے کنعان کی طرف لوٹ جانے اور باپ سے سارا ماجرا بیان کرنے کا ارادہ کر لیا قرآن کہتا ہے: ''جس وقت وہ عزیز مصر سے یا بھائی کی نجات سے مایوس ہو گئے، تو ایک طرف کو آئے دوسروں سے الگ ہو گئے اور سرگوشی کرنے لگے''۔ [3]

بہر حال سب سے بڑے بھائی نے اس خصوصی میٹنگ میں ان سے کہا: ''کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے الٰہی پیمان لیا ہے کہ بنیامین کو ہر ممکنہ صورت میں ہم واپس لائیں گے''۔ [4] ''اور تمہیں نے اس سے پہلے بھی یوسفؑ کے بارے میں کوتاہی کی اور باپ کے

---

[1] سورہ یوسف آیت 79

[2] سورہ یوسف آیت 79

[3] سورہ یوسف آیت 80

[4] سورہ یوسف آیت 80

نزدیک تمہارا گزشتہ کردار برا ہے''۔ [۱]

''اب جبکہ معاملہ یوں ہے تو میں اپنی جگہ سے (یا سرزمین مصر سے) نہیں جاؤں گا اور یہیں پڑاؤ ڈالوں گا، مگر یہ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے دے یا خدا میرے متعلق کوئی فرمان صادر کرے جو کہ بہترین حاکم و فرماں روا ہے''۔ [۲]

پھر بڑے بھائی نے دوسرے بھائیوں کو حکم دیا کہ ''تم باپ کے پاس لوٹ جاؤ اور کہو: ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور یہ جو ہم گواہی دے رہے ہیں اتنی ہی ہے جتنا ہمیں علم ہوا ہے''۔ [۳] بس ہم نے اتنا دیکھا کہ بادشاہ کا پیمانہ ہمارے بھائی کے بارے سے برآمد ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے، باقی رہا امر باطن تو وہ خدا جانتا ہے،'' اور ہمیں غیب کی خبر نہیں''۔ [۴]

ممکن ہے یہ احتمال بھی ہے کہ بھائیوں کا مقصد یہ ہو کہ وہ باپ سے کہیں کہ اگر ہم نے تیرے پاس گواہی دی اور عہد کیا کہ ہم بھائی کو لے جائیں گے اور واپس لے آئیں گے تو یہ اس بناء پر تھا کہ ہم اس کے باطن سے باخبر نہ تھے اور غیب سے آگاہ نہ تھے کہ اس کا انجام یہ ہوگا، پھر اس بناء پر کہ باپ سے ہر طرح کی بدگمانی دور کریں اور اسے مطمئن کریں کہ ماجرا اسی طرح ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، انہوں نے کہا: ''مزید تحقیق کے لئے اس شہر سے سوال کر لیں جس میں ہم تھے، اسی طرح اس قافلہ سے پوچھ لیں''۔ [۵]

بہرحال ''آپ مطمئن رہیں کہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں اور حقیقت کے سوا کچھ نہیں

---

[۱] سورہ یوسف آیت 80

[۲] سورہ یوسف آیت 80

[۳] سورہ یوسف آیت 81

[۴] سورہ یوسف آیت 81

[۵] سورہ یوسف آیت 82

کہتے"۔ [1] اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کی چوری کا واقعہ مصر میں مشہور ہو چکا تھا یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ کنعان سے ایک قافلہ یہاں آیا ہے اس میں سے ایک شخص بادشاہ کا پیمانہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا بادشاہ کے مامورین بروقت پہنچ گئے اور انہوں نے اس شخص کو روک لیا، شاید بھائیوں نے جو یہ کہا کہ مصر کے علاقے سے پوچھ لیں یہ اس طرف کنایہ ہو کہ یہ واقعہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ در و دیوار کو اس کا علم ہے۔

میں وہ الطاف الٰہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بھائی مصر سے چل پڑے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بھائی کو وہاں چھوڑ آئے اور پریشان و غم زدہ کنعان پہنچے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس سفر سے واپسی پر باپ نے جب گزشتہ سفر کے برعکس واندوہ کے آثار ان کے چہروں پر دیکھے تو سمجھ گئے کہ کوئی ناگوار خبر لائے ہیں خصوصاً جب کہ بنیامین اور سب سے بڑا بھائی ان کے ہمراہ نہ تھا جب بھائیوں نے بغیر کسی کمی بیشی کے ساری آپ بیتی کہہ دی تو یعقوب بہت حیران ہوئے اور ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: "تمہاری نفسانی خواہشات نے یہ معاملہ تمہارے سامنے اس طرح سے پیش کیا ہے اور اسے اس طرح سے مزین کیا ہے"۔ [2]

اس کے بعد یعقوب اپنی جانب متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ "میں صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا اور میں اچھا صبر کروں گا کہ جو کفران سے خالی ہو۔" [3]

"مجھے امید ہے کہ خدا ان سب کو (یوسف، بنیامین اور میرے بڑے بیٹے کو) میری

---

[1] سورہ یوسف آیت 82

[2] سورہ یوسف آیت 83

[3] سورہ یوسف آیت 83

طرف پلٹادے گا"۔ [1] کیونکہ میں جانتا ہوں کہ" وہ ان سب کے دل کی داخلی کیفیات سے باخبر ہے، اس کے علاوہ، وہ حکیم بھی ہے، اور وہ کوئی کام بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں کرتا۔" [2]

اس وقت یعقوب رنج وغم میں ڈوب گئے بنیامین کہ ان کے دل کی ڈھارس تھا واپس نہ آیا تو انہیں اپنے پیارے یوسف کی یاد آ گئی انہیں خیال آیا کہ اے کاش آج وہ آبرومند، باایمان اور حسین وجمیل بیٹا ان کی آغوش میں ہوتا اور اس کی پیاری خوشبو ہر لحہ باپ کو ایک حیات نو بخشتی لیکن آج نہ صرف یہ کہ اس کا نام ونشان نہیں بلکہ اس کا جانشین بنیامین بھی اس کی طرح ایک دردناک معاملے میں گرفتار ہو گیا ہے" اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے رخ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف"۔ [3]

برادران یوسف شرمندہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے

بھائی جو پہلے ہی بنیامین کے ماجرے پر باپ کے سامنے شرمندہ تھے یوسف کا نام سن کر فکر میں ڈوب گئے ان کے ماتھے پر عرق ندامت کے قطرے چمکنے لگے۔" حزن وملال اتنا بڑھا کہ یعقوب کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا یہاں تک کہ ان کی آنکھیں دردوغم سے سفید اور نابینا ہو گئیں"۔ [4] لیکن اس کے باوجود وہ کوشش کرتے تھے کہ ضبط کریں اور اپنا غم وغصہ پی جائیں اور رضائے حق کے خلاف کوئی بات نہ کہیں" وہ باحوصلہ اور جواں مرد تھے اور انہیں اپنے غصہ پر پورا کنٹرول تھا"۔ [5]

---

[1] سورہ یوسف آیت 83

[2] سورہ یوسف آیت 83

[3] سورہ یوسف آیت 84

[4] سورہ یوسف آیت 84

[5] سورہ یوسف آیت 84

ظاہر قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس وقت تک نابینا نہیں ہوئے تھے لیکن جب کہ رنج وغم کئی گناہ بڑھ گیا اور آپ مسلسل گریہ وزاری کرتے رہے اور آپ کے آنسو تھمنے نہ پائے تو آپ کی بینائی ختم ہوگئی اور جیسا کہ ہم وہاں بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کوئی اختیاری چیز نہ تھی کہ جو صبر جمیل کے منافی ہو۔

بھائی کہ جو ان تمام واقعات سے بہت پریشان تھے، ایک طرف تو ان کا ضمیر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی بناء پر انہیں عذاب دیتا اور دوسری طرف وہ بنیامین کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک نئے امتحان کی چوکھٹ پر پاتے اور تیسری طرف باپ کا اتنا غم اور دکھ ان پر بہت گراں تھا، لہٰذا انہوں نے پریشانی اور بے حوصلگی کے ساتھ باپ سے ''کہا: بخدا تو اتنا یوسف یوسف کرتا ہے کہ بیمار ہو جائے گا اور موت کے کنارے پہنچ جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا''۔ [1] لیکن کنعان کے اس مرد بزرگ اور روشن ضمیر پیغمبر نے ان کے جواب میں کہا: ''میں نے تمہارے سامنے اپنی شکایت پیش نہیں کی جو اس طرح کی باتیں کرتے ہو، میں اپنا درد وغم بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہوں اور اس کے یہاں اپنی شکایت پیش کرتا ہوں، اور اپنے خدا کی طرف سے مجھے معلوم ہے کہ جن سے تم بے خبر ہو''۔ [2]

کوشش کرو اور مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی کفر کی نشانی ہے

مصر اور اطراف مصر جس میں کنعان بھی شامل تھا؛ میں قحط ظلم ڈھا رہا تھا۔ اناج بالکل ختم ہو گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دوبارہ اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف جانے اور غلہ حاصل کرنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ اپنی آرزوؤں کی بنیاد یوسف اور ان کے بھائی بنیامین کی تلاش کو قرار دیا

---

[1] سورۂ یوسف آیت 85

[2] سورۂ یوسف آیت 86

''اور کہا: میرے بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور اسکے بھائی کو تلاش کرو''۔ [1]

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے چونکہ اس بارے میں تقریباً مطمئن تھے کہ یوسفؑ موجود ہی نہیں اس لئے وہ باپ کی اس نصیحت اور تاکید پر تعجب کرتے تھے۔ یعقوب ان کے گوش گزار کر رہے تھے: ''رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہ ہونا'' کیونکہ اس کی قدرت تمام مشکلوں اور سختیوں سے مافوق ہے۔ [2] ''کیونکہ صرف یہ کافر ہی ہیں کہ جو قدرت خدا سے بے خبر ہیں اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں''۔ [3]

بہرحال فرزندان یعقوب نے اپنا مال و اسباب باندھا اور مصر کی طرف چل پڑے اور اب کے وہ تیسری مرتبہ داستانوں سے معمور اس سرزمین پر پہنچے گزشتہ سفروں کے برخلاف اس سفر میں ان کی روح کو ایک احساس ندامت کچوکے لگا رہا تھا کیونکہ مصر میں اور عزیز مصر کے نزدیک ان کا سابقہ کردار بہت برا تھا اور وہ بدنام ہو چکے تھے اور اندیشہ تھا کہ شاید بعض لوگ انہیں ''کنعان کے چور'' کے عنوان سے پہچانیں دوسری طرف ان کے پاس گندم اور دوسرے اناج کی قیمت دینے کے لئے درکار مال و متاع موجود نہیں تھا اور ساتھ ہی بھائی بنیامین کے کھو جانے اور باپ کی انتہائی پریشانی نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا تھا۔ گویا تلوار ان کے حلقوم تک پہنچ گئی تھی بہت ساری مشکلات اور روح فرسا پریشانیوں نے انہیں گھیر لیا تھا ایسے میں جو چیز ان کے تسکین قلب کا باعث تھی وہ صرف باپ کا آخری جملہ تھا جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کے لئے ہر مشکل آسان ہے۔

اس عالم میں ''وہ یوسفؑ کے پاس پہنچے اور اس وقت انتہائی پریشانی کے عالم میں انہوں نے اس کی طرف رخ کیا اور کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو قحط، پریشانی اور

---

[1] سورہ یوسف آیت 87

[2] سورہ یوسف آیت 87

[3] سورہ یوسف آیت 87

مصیبت نے گھیر لیا ہے [1] اور ہمارے پاس صرف تھوڑی سی کم قیمت پونجی ہے [2] لیکن پھر بھی ہمیں تیرے کرم اور شفقت پر بھروسہ ہے اور ہمیں توقع ہے کہ تو ہمارا پیمانہ بالکل پورا کرے گا [3] اور اس معاملہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے بخشش کر"۔ [4]

"اور اپنا اجر و ثواب ہم سے نہ لے بلکہ اپنے خدا سے لے کیونکہ خدا کریموں اور صدقہ کرنے والوں کو اجر خیر دیتا ہے"۔ [5] یہ امر قابل توجہ ہے کہ برادران یوسفؑ کو باپ نے تاکید کی تھی کہ پہلے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے لئے جستجو کریں اور بعد میں اناج کا تقاضہ کریں شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ انہیں یوسفؑ کے ملنے کی امید نہ تھی یا ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ بہتر ہے کہ اپنے کو اناج کے خریداروں کے طور پر پیش کریں جو کہ زیادہ طبیعی اور فطری ہے اور بھائی کی آزادی کا تقاضا ضمناً رہنے دیں تاکہ یہ چیز عزیز مصر پر زیادہ اثر انداز ہو، بعض نے کہا کہ **(تصدق علینا)** سے مراد وہی بھائی کی آزادی ہے ورنہ وہ اناج بغیر معاوضہ کے حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اسے (تصدق) قرار دیا جاتا۔

جناب یوسف علیہ السلام نے روتے ہوئے باپ کے خط کو چوما

روایات میں بھی ہے کہ بھائی باپ، کی طرف سے عزیز مصر کے نام ایک خط لے کر آئے تھے اس خط میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے عدل و انصاف کا تذکرہ کیا اپنے خاندان سے اس کی محبتوں اور شفقتوں کی تعریف کی پھر اپنا اور اپنے خاندان نبوت کا تعارف

---

[1] سورہ یوسف آیت 87

[2] سورہ یوسف آیت 88

[3] سورہ یوسف آیت 88

[4] سورہ یوسف آیت 88

[5] سورہ یوسف آیت 88

کروایا اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں اپنے بیٹے یوسفؑ اور دوسرے بیٹے بنیامین کے کھو جانے اور خشک سالی سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کا ذکر کیا خط کے آخر میں اس سے خواہش کی گئی تھی کہ بنیامین کو آزاد کر دے اور تاکید کی تھی کہ ہمارے خاندان میں چوری وغیرہ ہرگز نہ تھی اور نہ ہوگی۔

جب بھائیوں نے باپ کا خط عزیز مصر کو دیا تو انہوں نے اسے لے کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور رونے لگے گریہ کا یہ عالم تھا کہ قطرات اشک ان کے پیراہن پر گرنے لگے (یہ دیکھ کر بھائی حیرت و فکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ عزیز کو ان کے باپ سے کیا لگاؤ ہے وہ سوچتے ہیں کہ ان کے باپ کے خط نے اس میں ہیجان و اضطراب کیوں پیدا کر دیا ہے شاید اسی موقع پر ان کے دل میں یہ خیال بجلی کی طرح اترا ہو کہ ہو نہ ہو یہی خود یوسفؑ ہو اور شاید باپ کے اسی خط کی وجہ سے یوسفؑ اس قدر بے قرار ہو گئے کہ اب مزید اپنے آپ کو عزیز مصر کے نقاب میں نہ چھپا سکے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بہت جلد بھائیوں سے بھائی کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا۔

کیا تو وہی یوسفؑ ہے؟

اس موقع پر جبکہ دور آزمائش ختم ہو رہا تھا اور یوسفؑ بھی بہت بے تاب اور سخت پریشان نظر آ رہے تھے، تعارف کے لئے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بھائیوں کی طرف رخ کر کے آپ نے کہا: "تمہیں معلوم ہے کہ جب تم جاہل و نادان تھے تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا"۔ [1]

حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت اور شفقت ملاحظہ کیجئے کہ اولاً تو ان کا گناہ مجمل طور پر

---

[1] سورہ یوسف آیت 89

بیان کیا اور کہا (ما فعلتم) "جو کچھ تم نے انجام دیا" اور ثانیاً انہیں عذر خواہی کا راستہ دکھایا کہ تمہارے یہ اعمال وافعال جہالت کی وجہ سے تھے اور اب جہالت کا زمانہ گذر گیا ہے اور اب تم عاقل اور سمجھدار ہو۔

• ضمناً اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں انہوں نے صرف یوسفؑ پر ظلم نہیں ڈھایا تھا بلکہ بنیامین بھی اس دور میں ان کے شر سے محفوظ نہیں تھے اور انہوں نے اس کے لئے بھی اس زمانہ میں مشکلات پیدا کی تھیں جب بنیامین مصر میں یوسفؑ کے پاس تھے شاید ان دنوں میں انہوں نے ان کی کچھ بے انصافیاں اپنے بھائی کو بتائی ہوں۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ عزیز مصر ہم سے انتقام لینے والا ہے یوسفؑ نے اپنی گفتگو کو ایک تبسم کے ساتھ ختم کیا اس تبسم کی وجہ سے بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خوبصورت دانت پوری طرح نظر آگئے جب انہوں نے خوب غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ دانت ان کے بھائی یوسفؑ سے عجیب مشابہت رکھتے ہیں، اس طرح بہت سے پہلو جمع ہو گئے ایک طرف تو انہوں نے دیکھا کہ عزیز مصر یوسفؑ کے بارے میں اور اس پر بھائیوں کی طرف سے کئے گئے مظالم کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنہیں سوائے ان کے اور یوسفؑ کے کوئی نہیں جانتا تھا۔

دوسری طرف انہوں نے دیکھا کہ یعقوب کے خط نے اسے اس قدر مضطرب کر دیا ہے جیسے اس کا یعقوب سے کوئی بہت ہی قریبی تعلق ہو، تیسری طرف وہ اس کے چہرے مہرے پر جتنا غور کرتے انہیں اپنے بھائی یوسفؑ سے بہت زیادہ مشابہت دکھائی دیتی لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یوسف عزیز مصر کی مسند پر پہنچ گیا ہو وہ سوچتے کہ یوسفؑ کہاں اور یہ مقام کہاں؟ لہٰذا انہوں نے شک وتردد کے لہجہ میں "کیا تم خود یوسف تو نہیں"۔ [1]

---

[1] سورہ یوسف آیت 90

اس موقع بھائیوں پر بہت زیادہ حساس لمحات گذرے کیونکہ صحیح طور پہ معلوم بھی نہ تھا کہ عزیز مصر ان کے سوال کے جواب میں کیا کہے گا کیا سچ وہ پردہ ہٹا دے گا اور اپنا تعارف کروائے گا یا انہیں دیوانہ اور بے وقوف سمجھ کر خطاب کرے گا کہ انہوں نے ایک مضحکہ خیز بات کی ہے گھڑیاں بہت تیزی سے گزر رہی تھیں انتظار کے روح فرسا لمحے ان کے دل کو بوجھل کر رہے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ چاہا کہ یہ زمانہ طویل ہو جائے اچانک انہوں نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور کہا: "ہاں میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے"۔ [1]

لیکن اس بناء پر کہ وہ خدا کی نعمت کا شکرادا کریں کہ جس نے یہ سب نعمات عطا فرمائی تھیں اور ساتھ ہی بھائیوں کو بھی ایک عظیم درس دیں انہوں نے مزید کہا: "خدا نے ہم پر احسان کیا ہے جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرے گا خدا اسے اس کا اجر وثواب دے گا کیونکہ خدا نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔ [2] کسی کو معلوم نہیں کہ ان حساس لمحات میں کیا گزری اور جب دسیوں سال بعد بھائیوں نے ایک دوسرے کو پہنچانا تو کیسا شوروغل بپا کیا وہ کس طرح آپس میں بغل گیر ہوئے اور کس طرح سے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود بھائی اپنے آپ میں شرمندہ تھے وہ یوسفؑ کے چہرے کی طرف نظر بھر کے نہیں دیکھ پا رہے تھے وہ اسی انتظار میں تھے کہ دیکھیں ان کا عظیم گناہ بخشش وعفو کے قابل ہے یا نہیں لہذا انہوں نے بھائی کی طرف رخ کیا اور کہا: "خدا کی قسم: اللہ نے تجھے ہم پر مقدم کیا ہے۔ [3] اور تجھے ترجیح دی ہے اور علم وحلم اور عقل وحکومت کے لحاظ سے تجھے فضیلت بخشی ہے یقیناً ہم خطا کار اور گناہ گار تھے"۔ [4]

---

[1] سورہ یوسف آیت 90

[2] سورہ یوسف آیت 90

[3] سورہ یوسف آیت 91

[4] سورہ یوسف آیت 91

آج رحمت کا دن ہے

لیکن یوسف نہیں چاہتے تھے کہ بھائی اس طرح شرمسار رہیں خصوصاً جب کہ یہ ان کی اپنی کامیابی وکامرانی کا موقع تھا یا یہ کہ احتمالاً بھائیوں کے ذہن میں یہ بات آئے کہ یوسف اس موقع پر انتقام لے گا لہٰذا فوراً یہ کہہ کر انہیں مطمئن اور پرسکون کردیا کہ "آج تمہیں کوئی سرزنش اور توبیخ نہیں ہوگی۔" [1] تمہاری فکر آسودہ رہے اور وجدان کو راحت رہے اور گذشتہ گناہوں پر غم نہ کرو۔

اس بناء پر کہ انہیں بتایا جائے کہ انہیں نہ صرف یوسف کا حق بخش دیا گیا ہے بلکہ ان کی ندامت وپشیمانی کی وجہ سے اس سلسلے میں خدائی حق بھی قابل بخشش ہے، مزید کہا: "اللہ بھی تمہیں بخش دے گا کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے"۔ [2]

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی انتہائی عظمت کی دلیل ہے کہ نہ صرف اپنا حق معاف کردیا بلکہ اس بات پر بھی تیار نہ ہوئے کہ انہیں تھوڑی سی بھی سرزنش کی جائے، چہ جائیکہ بھائیوں کو کوئی سزا دیتے بلکہ حق الٰہی کے لحاظ سے بھی انہیں اطمینان دلایا کہ خدا غفور اور بخشنے والا ہے بلکہ یہ بات ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال پیش کیا کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

اس موقع پر بھائیوں کو ایک اور غم بھی ستا رہا تھا اور وہ یہ کہ باپ اپنے بیٹوں کے فراق میں نابینا ہو چکا ہے اور اس کا اس طرح رہنا پورے خاندان کے لئے ایک جانکاہ رنج ہے اس کے علاوہ ان کے جرم پر ایک مسلسل دلیل ہے لہٰذا یوسف نے اس عظیم مشکل کے حل کے لئے بھی

---

[1] سورہ یوسف آیت 92

[2] سورہ یوسف آیت 92

فرمایا: "میرا یہ پیراہن لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تا کہ وہ بینا ہو جائے"۔ [1] "
کے بعد سارے خاندان کے ہمراہ میرے پاس آجاؤ"۔ [2]

یوسفؑ کی قمیص کون لے کر گیا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میرا شفا بخش کرتہ باپ کے پاس وہی لے جائے جو خون آلود کرتہ لے کر گیا تھا تا کہ جیسے اس نے باپ کو تکلیف پہنچائی اور پریشان کیا تھا اس مرتبہ اسے خوش و خرم کرے۔

لہٰذا یہ کام "یہودا" کے سپرد ہوا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ میں ہوں جو خون آلود کرتہ لے کر باپ کے پاس گیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ آپ کے بیٹے کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چہ حضرت یوسف علیہ السلام اس قدر مشکلات اور مصائب میں گرفتار رہے لیکن اخلاق مسائل کی باریکیوں سے غافل نہیں رہتے تھے۔

یوسفؑ کی عظمت

اس ماجرے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہمیشہ شرمسار رہتے تھے انھوں نے کسی کو یوسفؑ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ آپ ہر صبح و شام ہمیں اپنے دستر خوان پر بٹھاتے ہیں او ر آپ کا چہرہ دیکھ کر ہمیں شرم و خجالت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہم نے آپ کے ساتھ اس قدر جسارتیں کی ہیں۔

اس بناء پر کہ انہیں نہ صرف ذرہ بھر احساس شرمندگی نہ ہو بلکہ یوسفؑ کے دستر خوان پر

---

[1] سورہ یوسف آیت 93

[2] سورہ یوسف آیت 93

اپنی موجودگی کو یوسف کی ایک خدمت محسوس کریں، حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں بہت ہی عمدہ جواب دیا، آپ نے کہا: مصر کے لوگ اب تک مجھے ایک زر خرید غلام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس غلام کو کہ جو بیس درہم میں بیچا گیا اس مقام تک پہنچایا۔''

لیکن اب جب کہ تم لوگ آگئے ہو اور میری زندگی کی کتاب ان کے سامنے کھل گئی ہے تو وہ سمجھنے لگے ہیں کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ میں خاندان نبوت سے تعلق رکھتا ہوں اور ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہوں اور یہ میرے لئے باعث افتخار ہے۔

آخر کار لطف الٰہی نے اپنا کام کر ڈالا

فرزندان یعقوب علیہ السلام خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، وہ خوشی خوشی یوسف کا پیراہن اپنے ساتھ لے کر قافلے کے ساتھ مصر سے چل پڑے، ادھر ان بھائیوں کے لئے زندگی کے شیریں ترین لمحات تھے اُدھر شام کے علاقہ کنعان میں بوڑھے باپ کا گھر غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا، سارا گھرانہ افسردہ اور غم زدہ تھا۔

لیکن ادھر یہ قافلہ مصر سے چلا اور اُدھر اچانک یعقوب علیہ السلام کے گھر میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے سب کو تعجب میں ڈال دیا، یعقوب علیہ السلام کا جسم کانپ رہا تھا، انھوں نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے پکار کر کہا: ''اگر تم بدگوئی نہ کرو اور میری طرف نادانی اور جھوٹ کی نسبت نہ دو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے پیارے یوسف کی خوشبو آرہی ہے''۔ [1]

میں محسوس کر رہا ہوں کہ رنج وغم اور زحمت و مشکل کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں اور وصال وکامیابی کا زمانہ آنے کو ہے، خاندان یعقوب علیہ السلام اب لباس ماتم اتار دے گا اور لباس مسرت

---

[1] سورہ یوسف آیت 94

زیب تن کرے گا، لیکن میرا یہ خیال نہیں کہ تم ان باتوں پر یقین کروگے۔

لفظ ''فصلت'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ احساس اسی وقت پیدا ہوا جب قافلہ مصر سے چلنے لگا۔

قاعدتاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس اس وقت ان کے پوتے پوتیاں اور بہوئیں وغیرہ تھیں انہوں نے بڑے تعجب اور گستاخی سے اور پورے یقین سے یعقوبؑ سے کہا: ''بخدا آپ اسی پرانی گمراہی میں ہیں''۔[1]

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی کہ یوسفؑ کی موت کو سالہا سال گزر گئے ہیں اور ابھی آپ کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہے اور اب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مصر کی طرف سے مجھے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے، مصر کہاں اور شام وکنعان کہاں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ہمیشہ خواب وخیال کی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنے خیالات وتصورات کو حقیقت سمجھتے ہیں، آپ یہ کیسی عجیب وغریب بات کہہ رہے ہیں بہرحال آپ تو پہلے بھی اپنے بیٹوں سے کہہ چکے ہیں کہ مصر کی طرف جاؤ اور میرے یوسفؑ کو تلاش کرو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ضلالت وگمراہی سے مراد عقیدہ اور نظریہ کی گمراہی نہیں ہے بلکہ یوسفؑ سے متعلق مسائل کے سمجھنے میں گمراہی مراد ہے۔

بہرکیف ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس عظیم کہن سال اور روشن ضمیر پیغمبر سے کیسا شدید اور جسارت آمیز سلوک کرتے تھے۔

ایک جگہ انہوں نے کہا: ہمارا باپ ''ضلال مبین'' (کھلی گمراہی) میں ہے اور یہاں انہوں نے کہا: تم اپنی اسی دیرینہ گمراہی میں ہو۔

وہ پیر کنعان کے دل کی پاکیزگی اور روشنی سے بے خبر تھے ان کا خیال تھا کہ اس کا دل

[1] سورہ یوسف آیت 95

بھی انہی کے دل کی طرح تاریک ہے انہیں یہ خیال نہ تھا کہ آئندہ کے واقعات اور دور ونزدیک کے مقامات اس کے آئینہ دل میں منعکس ہوتے ہیں۔

قافلہ کنعان پہنچتا ہے

کئی رات دن بیت گئے یعقوب اسی طرح انتظار میں تھے ایسا پرسوز انتظار کہ جس کی گہرائی میں مسرت وشادمانی اور سکون واطمینان موجزن تھا حالانکہ ان کے پاس رہنے والوں کو ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یوسف کا معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے معلوم نہیں یعقوب پر یہ چند دن کس طرح گزریں گے۔ آخر ایک دن آیا جب آوز آئی وہ دیکھو مصر سے کنعان کا قافلہ آیا ہے گزشتہ سفروں کے برخلاف فرزندان یعقوب شاداں وخرم شہر میں داخل ہوئے اور بڑی تیزی سے باپ کے گھر پہنچ گئے سب سے پہلے ''بشیر'' بوڑھے یعقوب کے پاس آیا وہی ''بشیر'' (جو وصال کی بشارت لایا تھا اور جس کے پاس یوسف کا پیراہن تھا) اس نے آتے ہی پیراہن یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا۔

یعقوب کی آنکھیں تو بے نور تھیں وہ پیراہن کو دیکھ نہ سکتے تھا انہوں نے محسوس کیا کہ ایک آشنا خوشبو ان کی مشام جان میں اتر گئی ہے یہ ایک پُرکیف زریں لمحہ تھا گویا ان کے وجود کا ہر ذرہ روشن ہو گیا ہو آسمان وزمین مسکرا اٹھے ہوں ہر طرف قہقہے بکھر گئے ہوں نسیم رحمت چل اٹھی ہوا اور غم واندوہ کا گرد وغبار لپیٹ کرلے جا رہی ہو، درودیوار سے خوشی کے نعرے سنائی دے رہے تھے اور یعقوب کی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں اور وہ ہر جگہ دیکھ رہے ہیں دنیا اپنی تمام تر زیبائیوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ان آنکھوں کے سامنے تھی جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے وہ (پیراہن) ان کے چہرے پر ڈال دیا تو اچانک وہ بینا ہو گئے''۔ [1]

[1] سورہ یوسف آیت 96

بھائیوں اور گرد و پیش والوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو امنڈ آئے اور یعقوب نے پورے اعتماد سے کہا: "میں نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے" [1] اس معجزے پر بھائی گہری فکر میں ڈوب گئے ایک لمحے کے لئے اپنا تاریک ماضی ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، خطا، گناہ، اشتباہ اور تنگ نظری سے پر ماضی۔

لیکن کتنی اچھی بات ہے کہ جب انسان اپنی غلطی کو سمجھ لے تو فوراً اس کی اصلاح اور تلافی کی فکر کرے فرزندانِ یعقوب بھی اسی فکر میں گم ہو گئے انہوں نے باپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: "بابا جان خدا سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے کیونکہ ہم گنہگار اور خطاکار تھے۔" [2]

بزرگوار اور باعظمت بوڑھا جس کا ظرف سمندر کی طرح وسیع تھا، اس نے کوئی ملامت و سرزنش کئے بغیر ان سے وعدہ کیا کہ "میں بہت جلدی تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کرلے گا اور تمہارے گناہوں سے صرف نظر کرے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔" [3]

رات اور دن گویا بڑی آہستگی سے گزر رہے تھے کیونکہ اشتیاق وصال میں ہر گھڑی ایک دن بلکہ ایک سال معلوم ہو رہی تھی مگر جو کچھ بھی تھا آخر گزر گیا مصر کی آبادی دور سے نمایاں ہوئیں مصر کے سرسبز کھیت، آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اور خوبصورت عمارتیں دکھائی دینے لگیں، لیکن قرآن اپنی دائمی سیرت کے مطابق ان سب مقدمات کو کہ جو تھوڑے سے غور و فکر سے واضح ہو جاتے ہیں حذف کرتے ہوئے کہتا ہے: "جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف

[1] سورہ یوسف آیت 96

[2] سورہ یوسف آیت 97

[3] سورہ یوسف آیت 98

اپنے ماں باپ سے گلے ملے۔"[1]

آخر ؑ یعقوب کی زندگی کا شیریں ترین لمحہ آگیا دیدار وصال کا یہ لمحہ فراق کے کئی سالوں بعد آیا تھا خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، کہ وصال کے یہ لمحات یعقوب اور یوسفؑ پر کیسے گذرے ان شیریں لمحات میں ان دونوں کے احساسات وجذبات کیا تھے، عالم شوق میں انھوں نے کتنے آنسو بہائے اور عالم شوق میں کیا نالہ وفریاد ہوا۔

یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

1۔ یعقوب نے پیراہن یوسفؑ کی خوشبو کیسے محسوس کی؟

یہ سوال بہت سے مفسرین نے اٹھایا ہے اور اس پر بحث کی ہے عام طور پر مفسرین نے اسے یعقوب یا یوسف کا معجزہ قرار دیا ہے لیکن چونکہ قرآن نے اسے اعجاز یا غیر اعجاز ہونے کے لحاظ سے پیش نہیں کیا اور اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی ہے اس کی سائنسی توجیہ معلوم کی جاسکتی ہے۔

موجودہ زمانے میں "ٹیلی پیتھی" ایک مسلمہ علمی مسئلہ ہے (اس میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہنے والے کے درمیان فکری ارتباط اور روحانی رابطہ ہوسکتا ہے اسے "انتقال فکر" کہتے ہیں) ایسے افراد جو ایک دوسرے سے نزدیکی تعلق رکھتے ہیں یا جو بہت زیادہ روحانی طاقت رکھتے ہیں یہ تعلق ان کے درمیان پیدا ہوتا ہے شاید ہم میں سے بہت سے افراد نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا سامنا کیا ہو کہ بعض اوقات کسی کی والدہ یا بھائی اپنے اندر بلا سبب بہت زیادہ اضطراب اور پریشانی محسوس کرتے ہیں اور زیادہ دیر نہیں گذرتی کے کہ خبر پہنچتی ہے کہ اس کے بیٹے یا بھائی کو فلاں دور دراز علاقے میں ایک ناگوار حادثہ پیش آیا ہے۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 99

ماہرین اس قسم کے احساس کو ٹیلی پیتھی اور دور دراز کے علاقوں سے انتقال فکری کا عمل قرار دیتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ممکن ہے کہ یوسف سے شدید محبت اور آپ کی روحانی عظمت کے سبب آپ میں وہی احساس پیدا ہو گیا جو یوسف کا کرتہ اٹھاتے وقت بھائیوں میں پیدا ہوا تھا۔

البتہ یہ بات بھی ہر طرح ممکن ہے کہ اس واقعہ کا تعلق انبیاء کے دائرہ علم کی وسعت سے ہو، بعض روایات میں بھی انتقال فکر کے مسئلہ کی طرف جاذب نظر اور عمدہ اشارہ کیا گیا ہے مثلاً: کسی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں بغیر کسی مصیبت یا ناگوار حادثہ کے غمگین ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ میرے گھر والے اور میرے دوست بھی اس کے اثرات میرے چہرے پر دیکھ لیتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، خدا نے مومنین کو ایک ہی بہشتی طینت سے پیدا کیا ہے اور اس کی روح ان میں پھونکی ہے لہذا مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں جس وقت کسی ایک شہر میں ان میں سے کسی ایک بھائی کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو باقی افراد پر اس کا اثر ہوتا ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کرتہ کوئی عام کرتہ نہ تھا بلکہ ایک جنتی پیراہن تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے خاندان یعقوب علیہ السلام میں یادگار کے طور پر چلا آ رہا تھا اور جو شخص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح بہشتی قوت شامہ رکھتا تھا وہ اس کی خوشبو دور سے محسوس کر لیتا تھا۔

2۔ انبیاء کے حالات میں فرق

یہاں پر ایک اور مشہور اعتراض سامنے آتا ہے فارسی زبان کے اشعار میں بھی یہ اعتراض بیان کیا گیا ہے، کسی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا:

زمصری بوی پیراهن شنیدی
چرا در چاه کنعانش نه دیدی

یعنی آپ نے مصر سے پیراہن کی خوشبو سونگھ لی لیکن آپ کو کنعان کے کنویں میں یوسفؑ کیوں نہ دکھائی دیئے؟

کیسے ہو سکتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے اتنے دور دراز کے علاقے سے یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی جب کہ بعض نے یہ فاصلہ اسی فرسخ لکھا ہے اور بعض نے دس دن کی مسافت بیان کی ہے لیکن اپنے علاقہ کنعان کے اندر جب کہ یوسفؑ کو اس کے بھائی کنویں میں پھینک رہے تھے اور ان پر وہ واقعات گزر رہے تھے اس سے یعقوب علیہ السلام آگاہ نہ ہوئے؟

قبل اس کے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے علم غیب کی حدود کے بارے میں جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس سوال کا جواب ہرگز مشکل نہیں رہتا، امور غیب کے متعلق ان کا علم پروردگار کے ارادے اور عطا کئے ہوئے علم پر منحصر ہے جہاں خدا چاہتا ہے وہ جانتے ہیں، چاہے واقعہ کا تعلق کسی بہت دور دراز علاقے سے ہو اور جہاں وہ نہ چاہے نہیں جانتے چاہے معاملہ کسی نزدیک ترین علاقے سے مربط ہو جیسے کسی تاریک رات میں ایک قافلہ کسی بیابان سے گزر رہا ہو آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہو ایک لحہ کے لئے آسمان سے بجلی چمک اٹھے اور بیابان کی تمام گیرائیاں اور گہرائیاں روشن ہو جائیں اور تمام مسافر ہر طرف سب کچھ دیکھ لیں لیکن دوسرے لحہ وہ بجلی خاموش ہو جائے اور پھر تاریکی ہر طرف چھا جائے اسی طرح سے کہ کوئی چیز نظر نہ آئے۔

شاید امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم امام کے بارے میں مروی یہ حدیث اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"جعل الله بینه وبین الامام عموداً من نور ینظر الله به الی الامام

وینظر الامام بہ الیہ۔ فاذا راد علم شیء نظر فی ذالک النور فعرفہ"

خدا نے اپنے اور امام و پیشوائے خلق کے درمیان نور کا ایک ستون بنایا ہے اسی سے خدا امام کی طرف دیکھتا ہے اور امام بھی اسی طریق سے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتا ہے اور جب امام کوئی چیز جاننا چاہتا ہے تو نور کے اس ستون میں دیکھتا ہے اور اس سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

ایک شعر جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد سعدی کے مشہور اشعار میں اسی روایات کے پیش نظر کہا گیا ہے:

بگفت احوال ما برق جہان است
گہی پیدا ودگر دم نہان است
گہی بر کارم اعلا نشینم
گہی تا پشت پای خود نبینم

یعنی اس نے کہا ہمارے حالات چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں جو کبھی دکھائی دیتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے۔

کبھی ہم آسمان کی بلندیوں پر بیٹھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کے پیچھے بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اس حقیقت کی طرف توجہ کرتے ہوئے تعجب کا مقام نہیں کہ ایک دن مشیت الٰہی کی بناء پر یعقوب علیہ السلام کی آزمائش کے لئے اپنے قریب رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ نہ ہوں اور کسی دوسرے دن جب کہ دور آزمائش ختم ہو چکا تھا اور مشکلات کے دن بیت چکے تھے انھوں نے مصر سے قمیص یوسفؑ کی مہک سونگھ لی ہو۔

3۔ بینائی کیسے لوٹ آئی؟

بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا نور بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں اور بیٹے کی ملاقات کے امکانات پیدا ہوئے تو ان میں ایک ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ وہ پہلی حالت پر واپس آگئیں، لیکن آیات کا ظہور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بالکل نابینا ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں لہٰذا ان کی بینائی معجزانہ طور پر واپس ہوئی۔ قرآن کہتا ہے: (فارتد بصیرا)۔

جناب یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر

''پھر یوسفؑ نے سب سے کہا سرزمین مصر میں قدم رکھیں کہ انشاء اللہ یہاں آپ بالکل امن وامان میں ہوں گے''[1] کیونکہ مصر یوسفؑ کی حکومت میں امن وامان کا گہوارہ بن چکا تھا۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ اپنے ماں باپ کے استقبال کے لئے شہر کے دروازے کے باہر تک آئے تھے اور شاید جملہ (ادخلوا علی یوسف) لشہ جو دروازے سے باہر سے مربوط ہے، اس طرف اشارہ ہے کہ یوسفؑ نے حکم دیا تھا کہ وہاں خیمے نصب کیے جائیں اور ماں باپ اور بھائیوں کی پہلے پہل وہاں پذیرائی کی جائے، جب بارگاہ یوسفؑ میں پہنچے ''تو اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا'' نعمت الٰہی کی اس عظمت اور پروردگار کے لطف کی اس گہرائی اور وسعت نے بھائیوں اور ماں باپ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سب کے سب ''اس کے

[1] سورہ یوسف آیت 99

سامنے سجدے میں گر گئے۔" [1]

اس موقع پر یوسفؑ نے باپ کی طرف رخ کیا" اور عرض کیا: ابا جان: یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا" [2] کیا ایسا ہی نہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں دیکھئے: جیسا کہ آپ نے پیشین گوئی کی تھی "خدا نے اس خواب کو واقعیت میں بدل دیا ہے"، "اور پروردگار نے مجھ پر لطف و احسان کیا ہے کہ اس نے مجھے زندان سے نکالا ہے"۔ [3]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زندگی کی مشکلات میں صرف زندان مصر کے بارے میں گفتگو کی ہے لیکن بھائیوں کی وجہ سے کنعان کے کنوئیں کی بات نہیں کی، اس کے بعد مزید کہا: "خدا نے مجھ پر کس قدر لطف کیا کہ آپ کو کنعان کے اس بیابان سے یہاں لے آیا جب کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد انگیزی کر چکا تھا۔" [4]

یہاں یوسفؑ ایک مرتبہ پھر اپنی وسعت قلبی اور عظمت کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کوتاہی کس شخص نے کی، بلکہ اس طرح سربستہ اور اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ شیطان نے اس کام میں دخل اندازی کی اور وہ فساد کا باعث بنا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بھائیوں کی گزشتہ خطاؤں کا گلہ کریں، وہ جانتا ہے کہ کون حاجت مند ہیں اور کون اہل ہیں" کیونکہ وہ علیم وحکیم ہے"۔ [5]

اس کے بعد یوسف، حقیقی مالک الملک اور دائمی ولی نعمت کی طرف رخ کرتے ہیں اور

---

[1] سورہ یوسف آیت 100

[2] سورہ یوسف آیت 100

[3] سورہ یوسف آیت 100

[4] سورہ یوسف آیت 100

[5] سورہ یوسف آیت 100

شکر اور تقاضے کے طور پر کہتے ہیں: ''پروردگار تو نے ایک وسیع حکومت کا ایک حصہ مجھے مرحمت فرمایا ہے''۔ ''اور تو نے مجھے تعبیر خواب کے علم کی تعلیم دی ہے''۔ [1] اور اسی علم نے جو ظاہراً سادہ اور عام ہے میری زندگی اور تیرے بندوں کی ایک بڑی جماعت کی زندگی میں کس قسم کا انقلاب پیدا کر دیا ہے اور یہ علم کس قدر پر برکت ہے۔

''تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا ہے''۔ [2]

اور اسی بناء پر تمام چیزیں تیری قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں ''پروردگار دنیا و آخرت میں تو میرا ولی ناصر مدبر اور محافظ ہے''۔ [3]

''مجھے اس جہان سے مسلمان اور اپنے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے لے جا، اور مجھے صالحین سے کر دے''۔ [4]

میں تجھ سے ملک کے دوام اور اپنی مادی حکومت اور زندگی کی بقاء کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ تو سب فانی ہیں اور صرف دیکھنے میں دل انگیز ہیں بلکہ میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ میری عاقبت اور انجام کار بخیر ہو اور میں تیری راہ میں ایمان و تسلیم کے ساتھ رہوں اور تیرے لئے جان دوں اور صالحین اور تیرے باخلوص دوستوں کی صف میں قرار پاؤں میرے لئے یہ چیزیں اہم ہیں۔

باپ کو سرگزشت نہ سنانا

جس وقت یعقوب علیہ السلام یوسف سے ملاقات کے لئے پہنچے تو ان سے کہا: میرے بیٹے میرا دل چاہتا ہے کہ میں پوری تفصیل جانوں کہ بھائیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 101

[2] سورہ یوسف آیت 101

[3] سورہ یوسف آیت 101

[4] سورہ یوسف آیت 101

حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ سے تقاضا کیا کہ وہ اس معاملہ کو جانے دیں لیکن یعقوب علیہ السلام نے انہیں قسم دے کر کہا کہ بیان کریں۔

یوسفؑ نے واقعات کا کچھ حصہ بیان کیا یہاں تک کہ بتایا: بھائیوں نے مجھے پکڑ لیا او رکنویں کے کنارے بٹھایا مجھے حکم دیا کہ کرتا اتاردوں تو میں نے ان سے کہا: میں تمہیں اپنے باپ یعقوب کے احترام کی قسم دیتا ہوں کہ میرے بدن سے کرتا نہ اتارو اور مجھے برہنہ نہ کرو، ان میں سے ایک کے پاس چھری تھی اس نے وہ چھری نکالی اور چلا کر کہا: کرتا اتار دے۔

یہ جملہ سنتے ہی یعقوب کی طاقت جواب دے گئی انھوں نے چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئے جب وہ ہوش میں آئے تو بیٹے سے چاہا کہ اپنی بات جاری رکھے لیکن یوسفؑ نے کہا: آپ کو ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے خدا کی قسم مجھے اس کام سے معاف رکھیں۔

جب یعقوب علیہ السلام نے یہ جملہ سنا تو اس معاملہ سے صرف نظر کرلیا۔

یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یوسفؑ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ماضی کے تلخ واقعات اپنے دل میں لائیں یا باپ کے سامنے انہیں دہرائیں اگرچہ یعقوب علیہ السلام کی جستجو کی حس انہیں مجبور کرتی تھی۔

یوسفؑ، یعقوب اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام

عظیم ترین بشارت لئے ہوئے مصر سے قافلہ کنعان پہنچا بوڑھے یعقوب بینا ہوگئے عجیب جوش وخروش تھا سالہا سال سے جو گھرانا غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا وہ خوشی اور سرور میں ڈوب گیا ان سب نعمات الٰہی پر وہ پھولے نہیں سماتے تھے۔

یوسفؑ کی فرمائش کے مطابق اس خاندان کو اب مصر کی طرف روانہ ہونا تھا سفر کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہوگئی یعقوب ایک مرکب پر سوار ہوئے۔ جب کہ ان کے مبارک لبوں پر

ذکر و شکر خدا جاری تھا اور عشق وصال نے انہیں اس طرح سے قوت و توانائی بخشی تھی کہ گویا وہ نئے سرے سے جوان ہو گئے تھے۔

بھائیوں کے گزشتہ سفر تو خوف و پریشانی سے گزرے لیکن ان کے برخلاف یہ سفر ہر قسم کے فکر و اندیشہ سے خالی تھا یہاں تک کہ اگر سفر کی کوئی تکلیف تھی بھی تو اس انتظار میں پنہاں مقصد کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

وصال کعبه چنان می دواندم بشتاب

که خارهای مغیلان حریر می آید

کعبہ مقصود کے وصال نے مجھے اتنا تیز دوڑایا کہ خار مغیلاں ریشم معلوم ہوتے تھے۔

مطبوعات معراج کمپنی

- چودہ ستارے
- روایات عزا
- سیرت امیر المومنینؑ
- آداب اسلامی
- خطرات نفس
- دوستی
- مصائبِ معصومینؑ
- مجالسِ امام حسینؑ
- کامیابی راز
- انبیائے قرآن (3 جلد)
- حکومت مہدیؑ
- بازار اسلامی
- صدیقہ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)
- سعادت الدارین
- مصائب آلِ محمدؐ
- ہمارے عقائد
- قرآن اور امامت
- انسان اور تقدیر
- اصل و اصول شیعہ
- مکتبِ اہل بیتؑ
- خطباتِ امام حسینؑ
- زندگانی امام سجادؑ
- چہل حدیث
- امہات المعصومینؑ
- احکامِ دین
- امام مہدیؑ کی بشارتیں آسمانی کتابوں میں
- معراج خطابت
- نہج البلاغہ
- صحیفہ کاملہ (سجادیہ)
- آداب نماز
- جامع المصائب
- راہنمایان اسلام
- مجالس ام رباب
- انقلابِ امام حسینؑ
- درسِ زندگی
- سیرت عباس علمدار
- آداب معاشرت
- معرفت امامؑ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0423-736 12 14
0321-497 12 14
www.facebook.com/merajcompanypakistan

سٹاکسٹ

محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد۔

Ph: 051-2557471